خلفائے راشدینؓ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

کتاب اوّل

فتوحاتِ عراق و ایران

ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

خلفائے راشدینؓ کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

کتاب اوّل

فتوحاتِ عراق و ایران

ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

مصنف : میجر امیر افضل خان

۱۹- ذی شان کالونی، قاب لائنز، راولپنڈی

تعداد : دو ہزار (۲۰۰۰)
ناشر: آرمی ایجوکیشن پریس، جی۔ ایچ۔ کیو، راولپنڈی۔
مطبع : پین گرافکس لمیٹڈ، اسلام آباد
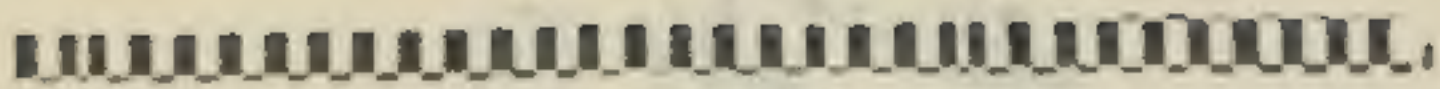
اسلام کے غازیوں اور شہیدوں کے نام

مصنّف کی دیگر تصنیفات

---

① جلالِ مصطفٰےؐ

حضور پاکؐ کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا جائزہ جس میں آپؐ کے زمانے کی تراسی ۸۳ جنگوں اور مہمات کا ذکر ہے۔

② کلاسوِٹز کا فلسفۂ جنگ

مشہور جرمن جنگی ماہر کی آٹھ کتابوں کا ترجمہ کر کے تین جلدوں میں شائع کیا۔ متن کے نیچے قرآن پاک، احادیث، تاریخ اسلام اور علاّمہ اقبالؒ کے شعروں سے فٹ نوٹ دے کر ثابت کیا کہ ہمارے پاس بہتر فلسفۂ جنگ موجود ہے۔
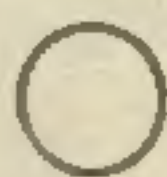
خلفاءِ راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

فہرست مضامین

خلفاءِ راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمتِ عملی و تدبیرات کا تجزیہ

نقشہ جات

صفحہ

تعارف

قبل ازیں آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ کے زیرِاہتمام حضورؐ پاک کی جنگی حکمتِ عملی و تدبیرات کا تجزیہ میجر امیر افضل خان (ریٹائرڈ) کی کتاب "جلالِ مصطفےٰؐ" میں پیش کیا جاچکا ہے۔ "جلالِ مصطفےٰؐ" کی اشاعت کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ انہیں خطوط پر خلفائے راشدینؓ کی جنگی حکمتِ عملی و تدبیرات کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے تاکہ اسلامی تاریخ کے اس روشن باب کی ایک صحیح اور مکمل تصویر سامنے آسکے۔ میرے پیشروؤں نے یہ ذمہ داری بھی میجر امیر افضل خان (ریٹائرڈ) کو ہی سونپنا مناسب سمجھا مصنف نے جس لگن اور جذبہ سے یہ ذمہ داری نبھائی ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔

اب تک فلسفۂ جنگ اور جنگی حکمتِ عملی پر جو کُتب ہمارے افسران اور جوانوں کے زیرِ مطالعہ رہی ہیں وہ زیادہ تر مغربی مصنفین کی ہی تحریر شدہ ہیں اور اُن میں جن جنگوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ان کا پسِ منظر بھی مغربی ممالک کی تاریخ کا ہی حصہ ہے۔ پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے افواجِ اسلام کی پیشہ ورانہ تربیت کی بنیاد اسلام کی عسکری تاریخ کی روشنی میں اخذ شدہ جنگی اصولوں اور حکمتِ عملی پر رکھی جائے۔ یہی مقصد زیرِ نظر سلسلۂ کُتب کی اشاعت کا محرک ہے۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ کا دور اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ عراق و ایران سے لے کر مصر و افریقہ تک پھیلا ہوا ملتا ہے۔ وہ قوم جو چند دہایاں پہلے تک عرب کے ریگستانوں میں جہالت اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ حضورؐ پاک کی تعلیم اور خلفائے راشدینؓ کی ولولہ انگیز قیادت کے زیرِ اثر جس طرف بھی بڑھی کامیابی نے اس کے قدم چومے۔ وہ کیا عوامل تھے۔ جن کی بدولت اسلامی لشکروں کو تعداد و وسائل کی کمی کے باوجود کامیابی پر کامیابی نصیب ہوئی؟ زیرِ نظر سلسلۂ کُتب کا مقصد انہی عوامل کی نشاندہی اور تجزیہ کی روشنی میں مملکتِ اسلامیہ پاکستان کی افواج اپنی حکمتِ عملی کا تعین کرکے وطنِ عزیز کو اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا سکیں۔

مصنّف نے خلفائے راشدین کے دور کو چار کتابوں میں قلمبند کیا ہے جو یکے بعد دیگرے قارئین کے سامنے پیش کی جائیں گی ان میں سے پہلی کتاب جو آپ کے زیر نظر ہے اس میں فتوحاتِ ایران و عراق اور مرتدین کے قلع قمع کرنے کے بارے میں تفصیلات اور تجزیات بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب فتوحاتِ شام و فلسطین پر مبنی ہے اور تیسری کتاب میں مصر و افریقہ کی فتوحات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ چوتھی کتاب اندرونی خلفشار کے علاوہ آخری میں یہ بتاتی ہے کہ جب وحدت آگئی تو حضور ؐ پاک اور خلفائے راشدین رضؓ کی ساری حکمتِ عملی کے "عطیات و ثمرات" کس طرح مسلمانوں کی جھولی میں گر گئے۔ تمام کتابوں میں جن خیالات اور نظریات کا اظہار کیا گیا ہے وہ مصنّف کے اپنے ذاتی ہیں اور انہیں من وعن شائع کر دیا گیا ہے۔ ان نظریات سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ بہر حال جی ایچ کیو کی کسی پالیسی کی غمازی نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ اسلامی فلسفہ جنگ اور حکمتِ عملی پر جتنا مواد حاصل ہو سکے اُسے شائع کر کے قارئین کی علمی پیاس بجھائی جا سکے۔

میں ذاتی طور پر ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن کا بھی ممنون ہوں جن کی کاوشوں کی بدولت اسلامی تاریخ پر مبنی یہ کُتب پایۂ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ میرے لئے یہ امر باعث عزت ہے کہ ان کتابوں کا تعارف لکھنے کی سعادت اللہ تعالےٰ نے مجھے نصیب کی۔

مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلۂ کُتب افواج پاکستان کے افسران اور جوانوں کی عسکری صلاحیتوں کو اسلامی فلسفۂ جنگ کے اصولوں سے ہم آہنگ کرنے میں ممد و مددگار ثابت ہوگا۔

میجر جنرل نصیر احمد خان ستارۂ جرأت

انسپکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ ایویلیوایشن

جی ایچ کیو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ۔ الصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیینؐ۔

پیش لفظ

تشکر

سب تعریفیں رب العالمین کیلئے ہیں اور اس رب العزت کی بارگاہ میں اپنے سر کو جھکاتا ہوں اور عرض یہ ہے، کہ اے رب العالمین! تیری رحمتوں کا شکر کرتے وقت رقت طاری ہو جاتی ہے۔ تو بڑا رحیم و کریم ہے کہ اس گنہگار کو اس عمر میں قلم پکڑا کر اپنے حبیبؐ کے جلال کی جھلک پیش کرنے کی سعادت بخشی۔ حضورؐ پاک اور ہمارے آقاؐ پر لاکھوں سلام۔ اب ان کے قافلہ کے سرداروں کی زندگیوں کی جھلک پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ حضورِؐ پاک کے ان عظیم ساتھیوں کا مقام اتنا بلند ہے، جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ وہ دیدارِ عام سے لطف اندوز ہوئے، اور یہ سب کچھ برداشت کر گئے۔ یا اُس لطف کو اپنے تک محدود رکھا:۔

"خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اُسؐ کا
خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اُسؐ کا" (اقبال)

حضورؐ پاک کے جلال و جمال کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور یہ کتاب بھی آپؐ ہی کے جلال کا مظہر ہے۔ نام میں تبدیلی صرف واقعاتی ہے اور سوچا کہ جلال کی شان کو حضورؐ پاک تک ہی محدود رہنے دیا جائے۔ اور کتاب "جلالِ مصطفےٰؐ" کا حصوں میں تذکرہ نہ کروں اور "جلالِ مصطفےٰؐ" کے الفاظ اکیلے حضورؐ پاک ہی کی شان کا نشان بن جائیں۔

گو حضورؐ پاک کا جمال اپنی جگہ از خود ایک مضمون ہے۔ لیکن جمال کا بیان کوئی عاشقِ رسولؐ ہی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ ہم سپاہیوں کو حضورؐ پاک کے جمال سے بھی جلال کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپؐ کے رفقاء کے مقامات کی بلندی کو سمجھنے کے لئے جمال و جلال کے بارے میں تھوڑا بہت بھی سمجھ لیا جائے تو انسان بے ادبی سے ضرور بچ جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر ہم نے حضورؐ پاک اور ان کے رفقاء کی زندگی کے عملی پہلوؤں کو اپنے تنگ نظر دنیاوی پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کی تو پھر ہم اس

خوشبو سے ضرور محروم ہو جائیں گے، جس سے یہ دنیا ہر وقت معطّر رہتی ہے۔ لہٰذا عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض ہے کہ اے ربّ العالمین! میرے قلم کی پاکیزگی کو قائم رکھنا۔ قلم کی پاکیزگی کی تُو نے قرآنِ پاک میں قسم اُٹھائی ہے۔ اور قسم ہمیشہ پیاری چیز کی اٹھائی جاتی ہے۔ اے میرے ربّ! میرے قلم کو طاقت دے کہ یہ صحیح واقعات لکھے اور صحیح تجزیے پیش کرے۔

مقصد

کتاب لکھنے کا مقصد کتاب کے نام سے ہی عیاں ہے۔ دراصل یہ بھی جلالِ مصطفٰےؐ کا ایک سلسلہ ہے جو جاری و ساری ہے۔ بے شک خلفاءِ راشدین رضوان اللہ کے زمانے کی جنگوں کے حالات متعدد تاریخوں میں موجود ہیں۔ لیکن حکمتِ عملی اور تدبیرات کے جائزے کہیں نہیں ملتے، بلکہ جنگوں کے مقاصد بھی کچھ صحیح طرح سے بیان نہیں کئے گئے۔ یہی حال نتائج کا ہے کہ ان کے بارے میں بیانات بہت سرسری ہیں۔ لیکن نتائج کے اثرات کے جائزے تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں جب پہلی المغازی کی تاریخیں ناپید ہونے لگیں تو کئی ادیب صاحبان نے الف لیلیٰ کی قسم کے رنگ کو تاریخ کا حصّہ بنا دیا جس سے مسلمانوں کی جنگوں کے عسکری پہلو اوجھل ہو کر رہ گئے۔ بلکہ کچھ افسوسناک پہلو بھی سامنے آئے لفّاظی، غلط بیانی اور نا اہل لوگوں کے تبصروں نے حالات اور معاملات کی حقیقت کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

ان حالات میں جس مقصد کو میں نے ذہن میں رکھا ہے، اس کو پورا کرنا واقعی کٹھن کام ہے لیکن یہ سب کچھ ایک اصول کے تحت کرنے کا ارادہ ہے اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔ ہمارے آقا حضور پاک حضرت محمدؐ نے عملی طور پر اِن احکام کو اس دنیا میں اپنی سنّت کے طور پر جاری و ساری کیا۔ صحابہ کرامؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے حضورِ پاکؐ کی سنّت ان ہی سے سیکھ کر عملی طور پر اپنائی۔ اس لئے تاریخ میں اگر کسی جگہ ایسے الفاظ نظر آئیں جو قرآن پاک کے احکام یا حضورِ پاکؐ کی سنّت کی نفی کرتے ہوں تو یہ صحابہ کرامؓ کے عمل کا حصّہ نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہماری تاریخ کا حصّہ بن سکتے ہیں۔ دوسرا اصول جو مدِّ نظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر واقعہ کے نتائج کو ذہن میں رکھ کر پھر نتائج و اثرات کی چھان بین کی گئی ہے۔ اگر یہ نتائج و اثرات اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پورے اُترتے ہیں جس مقصد کے لئے دینِ فطرت یا دینِ حنیف کو دنیا میں

جاری و ساری کیا گیا ہے تو ہم مان لیں گے کہ یہ عمل ہمارے آقاؐ کے عظیم رفقاء کا تھا۔ اگر معاملات اس کے برعکس ہیں، تو نہ وہ اعمال ہمارے آقاؐ کے رفقاء کے ہو سکتے ہیں اور نہ ایسے واقعات ہماری تاریخ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ پرانے زمانے کی ہر کتاب میں لوگوں نے اضافے کئے اور اپنے ان اضافوں کو مصنفِ کتاب کی طرف منسوب کر دیا۔ صرف قرآن پاک میں ایسے اضافے نہ کئے جا سکے، باقی کتب میں یہ اضافے اب بھی موجود ہیں۔

دینِ فطرت کا مقصدِ حیات

نبیؐ کے مبعوث ہونے کا کیا مقصد ہے؟ ہمارے آقاؐ نے مدینہ شریف پہنچ کر پہلے ہی خطبہ میں اس پہلو کو وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا۔ مختصر طور پر آپؐ نے یہ فرمادیا: "زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اسی لئے نبیؐ مبعوث ہوا کہ زمانے کو تسلسل دے۔" اب یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ دنیا تسلسل کے ساتھ شروع ہوئی۔ حضرت آدمؑ اکیلے تھے اور انہوں نے ایک فلسفۂ حیات پیش کیا۔ پھر آدمیوں کی تعداد بڑھ گئی اور علاقوں یا ملکوں میں پھیل گئی۔ اور لوگ گروہوں میں بٹ گئے۔ گو اللہ تعالیٰ نے ہر خطّے میں پیغمبر مبعوث فرمائے لیکن ہر زمین کی آب و ہوا کی وجہ سے مزاجوں میں فرق رہا۔ اِس لئے اختلافات بڑھتے گئے اور زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ یعنی لوگ یا زمانہ ایک رخ یا ایک صراطِ مستقیم کی بجائے مختلف رستوں پر چل پڑے۔ حضورؐ پاک نے ساری دنیا کے لئے اُمّتِ واحدہ کا تصوّر دے کر دینِ فطرت کا مقصدِ حیات بھی واضح کر دیا۔ اور کاروانِ حق کو صراطِ مستقیم پر رواں دواں کر دیا۔ اور اپنے آخری خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا کہ زمانے کا تسلسل قائم ہو گیا۔

تفرقہ

اگر ہم اُوپر بیان کئے گئے فلسفے کو سمجھنے کی کوشش کرتے، تو ہمارے اندر کوئی تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ مگر یہاں یہ بھی اختلاف شروع ہو گیا کہ بعض نے کہا کہ حضورؐ کے مبعوث ہونے کے بعد تمام دنیا آپؐ کی امت ہے یا ایک امت ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں، جو حضورِ پاکؐ کے احکام پر عمل کرینگے

وہ آپؐ کی امت ہیں۔ یہ تفرقہ کسی وضاحت کا مرہون نہ تھا اور نہ ہے۔ کہ تصور تو ایک اُمّت کا ہے لیکن عملی طور پر اُمّت میں وہ شامل ہیں جو صراطِ مستقیم پر چل رہے ہوں۔ آگے چل کر عیزوں کی اصطلاحوں پر ہم نے اسلامی پیوند لگا دیئے اور صراطِ مستقیم کی بجائے پیچھے مڑنے یعنی انقلاب جیسی غلط اصطلاحوں کو بھی اسلامی اصطلاح بنا کر قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ان غلط اصطلاحوں نے اسلام کے رنگ و روپ کو ہی تبدیل کر دیا۔ چنانچہ اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کی فوجی حکمت عملی، تدبیرات اور جنگوں کا بامقصد مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہم یہ سمجھیں کہ صحابہ کرامؓ نے دینِ فطرت پر کیسے اور کس طرح عمل کیا۔ مختصر طور پر اسلامی فلسفۂ حیات کا بیان جلالِ مصطفےٰؐ کے پیش لفظ میں کر دیا گیا تھا۔ کتابوں کا یہ سلسلہ اُس فلسفۂ حیات کے عملی پہلو کا بیان ہے اور آخری جلد کے آخری باب میں مسلمانوں کے فلسفۂ حیات کا نچوڑ بھی بیان کیا جائے گا۔

تاریخ اور راوی

جلالِ مصطفےٰؐ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اسلامی تاریخ کے بنیادی پہلو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ عام طور پر پرانے زمانے کے تاریخ دان زیادہ دیانتداری سے کام لیتے رہے ہیں۔ بدقسمتی سے المغازی کی تقریباً چالیس تاریخیں جو ابن اسحٰق سے پہلے لکھی گئیں وہ ناپید ہیں۔ دراصل اُمیّہ اور عباسی خلفاء کے زمانے میں ان تواریخ کی کتابوں کو ضائع کیا گیا۔ کیونکہ انہیں لکھنے والے صحابہؓ کے فرزندان اور تبع تابعین نے اسلامی فلسفۂ حیات کو صحیح طور پر پیش کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور خلفاء کو ایسے لوگوں کا خوف دامن گیر رہتا تھا جو ان کے غلط کاموں پر فوراً روک ٹوک شروع کر دیتے تھے۔ پرانی تاریخوں میں ابنِ اسحٰق ابن ہشام اور واقدی کا اُردو ترجمہ یا انگریزی ترجمہ کہیں سے نہیں مل سکا۔ طبقاتؔ[1] ابن سعد کا

---

[1] ہماری پرانی تاریخوں میں طبقات ابن سعد کے مقابلہ کی تاریخ نہ مل سکے گی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے حالات کو جس پیار و محبت سے اکٹھا کیا اور جس ادب کے ساتھ ان کے کردار کو پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جرمنی کے آخری بادشاہ قیصر ولیم نے بیسویں صدی کے شروع میں اس کا ترجمہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ترجمہ اُردو میں موجود ہے. لیکن آپ نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے بارے میں لکھا ہے۔ واقعاتی طور پر تسلسل سے تاریخ کی کتاب نہ مل سکی۔ ابن سعد البتہ بڑے ادب سے سب واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی تاریخ سے بڑی مدد حاصل کی گئی ہے۔ جہاں ناموں میں اختلاف تھا یا واقعات کو کئی صاحبان سے منسوب کیا گیا وہاں ابن سعد سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن یہ ثانوی پہلو ہے

واقدی

واقدی جو ابن سعد کا اُستاد تھا۔ اس کے خلاف دو بڑے الزام ہیں۔ اوّل الزام، امام بخاریؒ نے دروغ گوئی کا لگایا ہے۔ خاص کر واقدی کے حضورؐ پاک کی حضرت زینبؓ سے شادی کے واقعات کے بیانات پر امام بخاریؒ کو سخت اعتراض ہے کہ واقدی بے ادب ہے۔ لیکن جناب داتا گنج بخشؒ اسی واقعہ کے متعلق واقدی کے اسی بیان کو اس کا نام لئے بغیر نہ صرف صحیح تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسی بیان سے حضورؐ پاک کے اعلیٰ وارفع مقامات کا ذکر ایسے پیارے الفاظ میں کرتے ہیں کہ واقدی کی بریت ہو جاتی ہے۔ واقدی پر دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں بہادری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ جنگوں میں جو کچھ ہوا اور آگے آپ جو کچھ پڑھیں گے وہ سب کچھ معجزہ سے کم نہیں۔ اگر واقدی نے اس سلسلہ میں حقیقت بیان کر دی تو اس نے کوئی قصور نہیں کیا۔ بلکہ پرانے تاریخ دانوں میں یہ واحد صاحب ہیں جنہوں نے صرف روایات پر بھروسہ نہ کیا بلکہ تجزیئے پیش کرنے کے لئے چھان بین بھی کی۔ بلکہ یہ اس کی ایک بڑی خدمت ہے۔ گو واقدی کی اپنی تاریخ نہ مل سکی لیکن دوسروں نے واقدی کے حوالے سے جو کچھ لکھا اس کو جہاں تک صحیح پایا گیا، وہ آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جہاں اختلاف ہے

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے) کرا کے جرمن افسروں کو دیا کہ اعلیٰ کردار والے سپاہیوں کی زندگی سے سبق سیکھیں اس زمانے میں مشہور بھی ہو گیا تھا کہ قیصر مسلمان ہو گیا ہے کہ انور پاشا کے ساتھ اس کی بڑی دوستی تھی۔
ہم نے ابن سعد کا حوالہ صرف اس جگہ دیا ہے جہاں وہ واقعہ صرف ابن سعد میں تھا۔ لیکن ثانوی پہلو کے طور پر اس کی کتاب کے لفظ لفظ سے استفادہ کیا گیا۔

وہاں ساتھ ہی اپنا تجزیہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

طبری

اس کے بعد سب سے پرانی تاریخ جو ہمارے ہاں موجود ہے وہ تاریخ طبری ہے۔ اور اس کتاب کے لئے طبری کی تاریخ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ البتہ مشکل یہ ہے کہ طبری نے ایک ہی واقعہ کو کئی راویوں کے حوالے سے مختلف شکل و صورت میں پیش کیا ہے۔ کئی جگہوں پر تسلسل بھی نہیں۔ ان حالات میں اپنے دیگر تاریخ کے مطالعے سے مدد لینا پڑی۔ اس سلسلہ میں اگر تمام کتابوں کا ذکر کیا جائے تو شاید یہ خود نمائی کے تحت آئے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ساتویں جماعت سے طالب علم کی حیثیت سے میں اکثر اُردو میں لکھی ہوئی مسلمانوں کی تاریخیں پڑھ چکا ہوں اگر پنجابی میں لکھی ہوئی گلزار چہار یار یا حضورؐ پاک کی شان میں کوئی نعت یا نظم لکھی ہوئی مل گئی تو وہ بھی پڑھ ڈالی۔ اور پاکستان کے بننے تک اُردو میں لکھی ہوئی اسلام کی تاریخ کی کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو نہ پڑھی ہو۔

انگریزی تاریخیں

فوج میں افسر بننے کے بعد ۱۹۵۱ء سے غیروں کی عسکری تاریخوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، تو ساتھ ہی انگریزی میں لکھی ہوئی اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ اپنوں کی کتابیں تو اس سلسلہ میں کم تھیں، لیکن غیروں کی سینکڑوں کتابیں پڑھیں جن میں ہٹی، گب، ٹوان بی جیسے مشہور مورخین کے علاوہ اگر متعصب گلب کا کچھ لکھا ہوا مل گیا تو وہ بھی پڑھ لیا۔ اور اگر پروفیسر ردم لنڈو جیسے کسی اعتدال پسند شخص کی کوئی کتاب مل گئی تو وہ بھی پڑھ لی اور اپنوں کی بھی جو کتاب مارکیٹ میں آئی اور مل سکی تو پڑھ لی۔ اس مطالعے سے مجھے تاثر ملا کہ غیروں نے اسلام کو سمجھنے کی کوشش تو ضرور کی لیکن ان کی عینک بھی متعصب تھی اور پیمانے بھی۔ اس لئے وہ اسلام کی روح تک نہ پہنچ پائے اور جو لوگ اوریئنٹلسٹ[1] کہلائے، ان میں اور ابوجہل میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔

---

[1] مستشرقین

مسلمان مورّخ و مبصّر

اس زمانے میں مسلمان مورّخین نے کئی اچھی کوششیں کیں لیکن اکثر کے سلسلہ میں معاملات بین بین رہے۔ وجہ یہ بھی کہ اکثر لکھنے والے مغرب کی "بڑائی" سے مرعوب تھے۔ نقل زیادہ کی اور وہ بھی مغربی دانشوروں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں بھی اکثر نے اسلام کو غیروں کے پیمانے سے ناپا۔

غیروں کے فلسفے اور نظریئے

تاریخِ عالم اور دنیا کی عسکری تاریخ کا مطالعہ تو پہلے سے شروع تھا۔ واقعاتِ عالم کے طالب علم کی حیثیت سے دیگر قوموں کے سیاسی فلسفوں اور معاشرتی نظریوں کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ ہندوؤں کو دوبارہ البیرونی کی زبان سے خوب پڑھا۔ یونانی فلسفہ اور یورپ کی موجودہ زمانے کی تہذیب و تمدن پہ نظر دوڑائی۔ غرض غیروں کے بارے میں جو کچھ میسّر آسکا پڑھا۔ لیکن سب کچھ کو اسلام کے مقابلہ میں بودا اور بھونڈا پایا۔ حضورؐ پاک اور آپؐ کے رفقاءؓ کے ساتھ غیروں کے موازنے والی بات کی گستاخی سے تو اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ لیکن اگر کسی کی کوئی اچھی چیز نظر بھی آئی تو اس کی تعریف ضرور کی۔
لیکن حضورؐ پاک اور آپؐ کے رفقاء کی بلندیوں کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (اقبال)

ان نتائج پر پہنچنے کے بعد اپنی تاریخ اور فلسفہ و نظریہ کا بامقصد مطالعہ دوبارہ شروع کر دیا اور پہلے اپنے تاثرات ۱۹۶۷ء کے بعد ہلال میں شائع کئے اور دوسرے لوگوں کو بھی دعوت دی کہ اسلام کی روح کو تلاش کر کے قوم کے سامنے پیش کریں۔ اس مطالعہ کی صورت میں جو مواد اکٹھا کر سکا ہوں اس کو کتابی شکل دے رہا ہوں۔ لیکن اگر اس بحث میں پڑ گیا کہ یہ واقعہ فلاں مورّخ نے بیان کیا اور فلاں مبصّر نے یہ تجزیہ پیش کیا تو کتاب الجھاؤ پیدا کرے گی۔ اس لئے واقعات مورّخین اور مبصرین کے نام لکھے بغیر ہی پیش کئے جا رہے ہیں۔ کسی ضروری جگہ حوالے موجود ہیں اور واقعات مورّخین کی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنّت سے جو مدد لی گئی ہے، اس کا بیان ہو چکا ہے۔ جگہ جگہ پر نام لکھنے سے تمام کتاب روزنامچہ

بن جاتی ہے۔

وحدت

کوشش یہ کی گئی ہے کہ حضورؐ پاک کے رفقاءؓ نے جس وحدتِ عمل اور وحدتِ فکر کا مظاہرہ کیا اس کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے اور کتاب کا پہلا باب بھی وحدت کے مضمون پر ہے۔ عظیم صحابہؓ نے اسلامی فلسفہ حیات کے بنیادی پہلو، وحدت پر عمل کرتے ہوئے فوجی حکمتِ عملی تعین کی۔ اسی طرح لشکر کے سالاروں نے تدبیرات کو بھی انہی اصولوں کے مطابق ڈھالا۔ اور نتیجۃً یہ اہلِ حق ساری دنیا پر چھا گئے۔ حضورؐ پاک نے بھی اپنی وفات سے پہلے دو باتوں کے لئے فکرمندی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے مسلمانو! کسی بیرونی دشمن کا خطرہ اتنا زیادہ نہیں لیکن دو چیزیں آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ایک اندرونی خلفشار اور دوسری حبّ الدنیا اور کراہت الموت۔"

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان جب تک ایک مرکز کے تحت متحد رہے کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ لیکن اپنے اندرونی خلفشار نے انہیں ہمیشہ سخت نقصان پہنچایا۔ ہمارے سامنے ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی مثالیں موجود ہیں۔ کہ پہلی صورت میں ہمارے اتحاد کی وجہ سے دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ دوسری صورت میں ہم دو لخت ہو گئے۔

حُبّ الدنیا و کراہت الموت

دوسرا خطرہ جس کی حضورؐ پاک نے نشاندہی کی اور اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی کی کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان گو تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن دنیا میں نہ اُن کی کوئی عزت ہوگی، نہ ان کو کوئی خاطر میں لائے گا۔ وجہ یہ ہوگی کہ مسلمان دنیا کی محبّت میں اندھے ہو جائیں گے اور موت سے ان کو اس قدر کراہت یا ڈر ہوگا کہ وہ اسلامی فلسفۂ حیات سے دُور ہوتے جائیں گے۔ میں اپنی تاریخ سے حضورؐ پاک کے رفقاءؓ کے ان دونوں پہلوؤں کی طرف ان کے رویّہ کو اُجاگر کرنے کی کوشش کروں گا اور تاریخ کا بامقصد مطالعہ بھی اسی کو کہتے ہیں کہ تاریخ سے سبق حاصل کئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔ تاریخ کو صرف تفریح کی حیثیت سے پڑھنا اور اس سے سبق نہ حاصل کرنا ایک بے مقصد مشقّت ہوتی ہے۔ یا بامقصد تاریخ لکھنے کو اس طرح پیش کیا جائے

کہ خواہ مخواہ کیچڑ اچھالا جائے۔ الزام تراشی ہو یا ذہنی عیاشی ہو۔ اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام، تاریخ کو صرف اس طرح پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے تاریخ کو قرآن پاک میں پیش کیا ہے۔

کتابوں کی ترتیب

خلفاءِ راشدینؓ کی تاریخ کو اور ہر خلیفہ راشد کے زمانے کو الگ الگ حصوں یا کتابوں میں تقسیم کرنے کی بجائے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ حکمتِ عملی میں تسلسل قائم رہے۔ چنانچہ پہلا حصہ جو آپ کے سامنے ہے، وہ فتوحاتِ عراق و ایران پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں فتوحاتِ فلسطین و شام کو شامل کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں فتح مصر اور افریقہ و ایشیا کی فتوحات ہیں چوتھا حصہ اندرونی خلفشار کے عملی پہلو کو بیان کرتے ہوئے سانحہ کربلا کے واقعات تک ہے۔ ہر حصہ کے ہر باب کے اختتام پر جہاں تک ممکن ہوا ہے، تبصرہ اور تجزیہ موجود ہے۔ لیکن جہاں کسی باب میں کوئی بڑا واقع ہوا ہے، وہاں اس کے نتائج، نتائج کے اثرات اور اسباق بھی موجود ہیں۔

امیر افضل خان

پہلا باب

وحدت اور مرکزیّت

ابتدائیہ

ہمارے آقا حضورِ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو اخوّت کا درس دے کر ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ اور ایک مرکز قائم کر دیا۔ اسلامی فلسفہ کو اجتماعی طور پر اپنانے کے لئے وحدت اور مرکز کو اولیّت حاصل ہے۔ حضورؐ پاک نے مسلمانوں کو متحد کر کے ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا تھا۔ جو سرزمین عرب میں ایک سپرنگ بورڈ پر کھڑے پَر تول رہے تھے کہ دنیا میں اللہ اور اس کے حبیبؐ پاک کا پرچم جگہ جگہ گاڑ دیں۔ اہلِ حق سرزمینِ عرب میں باطل کو پاش پاش کر چکے، تو ان کی نظر عرب سے باہر کے باطل پرستوں پر مرکوز ہو گئی۔ دینِ حق کا یہ عالمگیر پیغام، اب ان کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا۔ حضورؐ پاک نے اس سلسلہ میں بسم اللہ کر دی تھی اور دنیا کے جانے پہچانے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی جا چکی تھی۔

یہ سب اللہ کے راز ہیں۔ جو کام حضورؐ پاک کی وفات کے چند سال بعد ہوا، وہ آپؐ کی زندگی میں بھی ہو سکتا تھا۔ ایک نکتہ یہ ہے حضورؐ پاک پر جس دین کی تکمیل کی گئی، اسے رہتی دنیا تک جاری و ساری رہنا ہے۔ اس کی حضورؐ پاک نے اپنے غلاموں کو تربیّت دی اور آپؐ نے ہر میدان میں عملی نمونہ بھی پیش کیا تا کہ کاروانِ حق حضورِؐ پاک کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہے۔ اسی لئے یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امتحان جاری ہے اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اہلِ حق ہر زمانے میں اس امتحان میں کامیاب و کامران رہے۔

حضورؐ پاک کی جانشینی

حضورؐ پاک کے بعد آپؐ کے غلاموں میں سے کسی ایک نے مسلمانوں کا امیر بن کر قافلۂ حق

کی رہنمائی کرتا تھی۔ ہاں حضورؐ پاک کے بعد ان کا نائب یا مسلمانوں کا امیر کون ہوتا، یہ سوال اتنا اہم نہ تھا، کیونکہ کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے اور حضورؐ پاک کے ارشاد کے مطابق جو امارت کا طلب گار ہوتا تھا اس کو امارت نہ ملتی تھی۔ اور امارت کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے سب ڈرتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے صحابہؓ نے بھی یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش! وہ گھاس کا ایک تنکا ہوتے تاکہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے حساب کتاب سے بچ جاتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ خلافت کے واقعاتی پہلو کا حقیقت پسندانہ جائزہ تاریخی عوامل سے پیش کیا جائے تاکہ اس پہلو کے بامقصد اصول آشکارا ہوں اور ہم اُن سے کوئی سبق سیکھ سکیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

پرانے زمانے کے مورّخین نے کسی اور اختلاف یا تفرقہ کا ذکر نہیں کیا سوائے اِس کے کہ انصار کے قبیلہ خزرج کے چند لوگ حضرت سعدؓ بن عبادہ کو امیر یا خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع ہوا۔ سعدؓ بیمار تھے۔ اس اجتماع میں کتنے اصحاب تھے، ان کی تعداد کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ معاملات ابھی بحث وغیرہ تک ہی پہنچے تھے اور انصار میں جناب حبابؓ بن المنذر[1] اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی مستعد معلوم ہوتے تھے اور قبیلہ اوس کے جناب بشیرؓ بن سعد انصار کی خلافت کے حق میں نہ تھے۔ مگر حالات نے بعد میں ظاہر کر دیا کہ انصار کی ایک بڑی جماعت یہ بات پسند نہ کرتی تھی کہ حضرت سعدؓ کو خلیفہ بنایا جائے لیکن انصار کے جذبات کو بھڑکایا جا رہا تھا۔ اگر جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور امین الامت ابو عبیدہؓ وہاں بروقت نہ پہنچ جاتے، تو شاید یہ فیصلہ حضرت سعدؓ کے حق میں ہو جاتا۔ صدیق اکبرؓ کے حق میں فیصلہ ہو جانے کے بعد تمام اختلافات ادھر ہی ختم ہو گئے۔ اور اس کے ثبوت میں دورِ صدیقیؓ کی وہ تمام فتوحات ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قوم کا مرکز مضبوط

---

[1] جلال مصطفےٰؐ صفحہ ۵۲، ۵۲، ۱۸۱ اور ۳۵۵ سے استفادہ کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ وہاں موجود نہ تھے، پہلے فوت ہو گئے تھے۔

نہ ہوتا۔ اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی تو اس قوم کی افواج دنیا کے شہنشاہوں کی افواج کے اس طرح پرخچے نہ اُڑا سکتیں۔

معلوم ہوتا ہے اختلافات کو بعد کے زمانے میں کچھ زیادہ ہوا دی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ چونکہ اس مشاورت میں شامل نہ تھے تو شاید اُنہوں نے فرمایا ہو یا پوچھا ہو کہ اتنی جلدی کیا تھی؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب اُن کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو آپ خاموش ہوگئے۔

حضورؐ پاک کیا چاہتے تھے؟

حضورؐ پاک کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوتا تھا اور وہی کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ پاک یہ چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے، وغیرہ، تو اُن کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ حضورؐ پاک کی شان کو سمجھنے کی مزید کوشش کریں۔ قرآن پاک اور سیرۃ طیبہ کا مطالعہ کر کے اپنے دل و دماغ کو اور روشن کریں۔ مشہور مسلمان فلاسفر ابن عربیؒ نے اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضورؐ پاک جو چاہتے تھے، اس کے ہونے میں کچھ دیر نہ لگتی تھی۔ داتا گنج بخشؒ ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی نگاہ ہی سے سب کچھ ہوجاتا تھا۔ پھر قرآنِ پاک میں جنگِ بدر کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ریت یا مٹی آپؐ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشاء کو الگ نہیں کرنا چاہیئے۔ بے شک اللہ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضورؐ پر درود و سلام بھیج کر اُنؐ کی شان کو بلند سے بلند تر کرتے رہتے ہیں۔

قلم دوات منگوانے کی روایات

حضورِ پاکؐ کی جانشینی، یا خلافت کے سلسلہ میں اگر تمام واقعات اور روایات کو ہم اس وجہ سے نظر انداز کر جائیں کہ ان کا جائزہ پیش کرنے سے کچھ لوگ ناراض ہوں گے، تو ہمارے اوپر بھی یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ ہمارا وحدت اور مرکزیت کا فلسفہ زبانی کلامی ہے۔ اِس لئے چند مشہور روایات کا جائزہ ضروری ہے۔ ان میں سے ابن سعد میں ایک روایت ہے۔

کہ حضور پاکؐ جب بیمار ہوئے تو جناب عائشہؓ سے فرمایا کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کو بلاؤ کر میں جناب ابو بکرؓ کے لئے ایک فرمان لکھ دوں تاکہ میرے بعد کوئی ان پر اختلاف نہ کرے۔

طبری میں ایک روایت ہے کہ بیماری میں حضور پاکؐ نے فرمایا، کہ قلم دوات منگوالو تاکہ میں آپ کے لئے ہدایات لکھوا دوں کہ آپ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اور پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔ کچھ صحابہؓ کا خیال تھا کہ ہمارے لئے قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت کافی ہے۔ اور اب قلم و دوات کے چند لفظوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ بہر حال آگے اس روایت پر بڑے تبصرے کئے گئے کہ حضور پاکؐ جانشینی کا پورا سلسلہ لکھ دینا چاہتے تھے، لیکن فلاں نے روڑا اٹکا دیا۔

<u>تبصرہ</u> :- ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک روایت کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دیں۔ اور مجھے دونوں روایتوں پر شک ہے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پاکؐ نے قلم دوات منگوانے کے احکام دیئے۔ تو دونوں روایتوں میں یہ بات واضح ہے کہ قلم دوات نہ پہنچی اور کچھ بھی نہ لکھا گیا۔ تو ہم صرف اتنا تبصرہ کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور حضور پاکؐ چاہتے کہ قلم دوات کی لکھائی سے جانشینی کا فیصلہ اسی وقت ہو جائے تو ایسا ضرور ہو گیا ہوتا۔ شائد حضور پاکؐ کچھ لکھوانا چاہتے ہوں۔ اور پھر ارادہ تبدیل کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا۔

قلم دوات کے منگوانے کے سلسلہ میں ایک اور شک بھی سامنے آتا ہے۔ اپنے زمانے میں حضور پاکؐ نے کسی حدیث مبارکہ کو لکھنے کی اجازت نہ دی، کہ قرآن پاک اور احادیث الگ الگ رہیں۔ اور احادیث یا علمِ مغازی کے لکھنے کا کام آپؐ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ اس لئے حضور پاکؐ اس پر قائم رہے اور آخری وقت کوئی وصیّت بھی نہ لکھائی اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے کہ اگر حضور پاکؐ جانشینی کے بارے کوئی واضح ہدایات دینا چاہتے تو زبانی بھی دے سکتے تھے۔ اگر آخری وقت بھی جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کے بارے بار بار یاد دہانی کرائی تو جانشینی کے سلسلہ میں بھی واضح اعلان کر دیتے۔ اور انصار کے سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع ایک عملی ثبوت ہے کہ حضور پاکؐ نے واضح الفاظ

میں اپنی جگہ کسی جانشین کا اعلان نہ فرمایا۔

حضور پاکؐ کی وفات اور صحابہ کرامؓ

ہمارا تو یہ تجزیہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے شاید یہ بات کبھی سوچی تک بھی نہ ہو کہ حضور پاکؐ وفات پا جائیں گے، یا کم از کم اُن کی زندگی میں وفات پا جائیں گے۔ اس لئے اکثر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی جانشینی کے معاملات کی طرف کبھی دھیان بھی نہ دیا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں ہم یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت جناب عمر فاروقؓ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ "خبردار! اگر کوئی یہ لفظ کہے گا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔" تو ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ کو یہ یقین نہ آرہا تھا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ کی تقریر کے بعد اُن کو یقین آیا کہ واقعی حضور پاکؐ وفات پا چکے تھے اور ایسا ہی ہونا تھا۔

صحابہ کرامؓ اور خاص کر حضور پاکؐ کے خاص رفقاءؓ یعنی چار یار اور عشرہ مبشرہ میں شامل صحابہ کرامؓ کے عقیدہ یا کردار کا جائزہ لینا، سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر امارت کا خواہاں نہ تھا اور نہ ان میں سے کسی نے ایسی کوشش کی۔ بعد کی روایات میں کچھ لوگوں نے اپنے پیمانوں کے لحاظ سے بعض اضافی باتیں کہہ دیں۔ اس سلسلہ میں جناب صدیق اکبرؓ کے رویّہ کو جلالِ مصطفےٰؐ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ آپؐ کا فرمان تھا کہ حکومت اور امارت کبھی طلب نہ کی جائے۔ اور پھر جب آپؓ خلیفہ بن گئے تو نومسلم جر جیس مدینہ شریف میں حاضر ہوا اور آپؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے بارِ خلافت کیوں اٹھا لیا ہے تو آپؓ نے فرمایا "اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ڈر لگ رہا تھا کہ امّت تفرقہ کا شکار نہ ہو جائے۔"

اس پہلو کی وضاحت، واقعات کے ذریعہ سے خود بخود ہوتی جائے گی اور قارئین سے گزارش ہے کہ چاروں کتابوں کو پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم کرنا۔ حضور پاکؐ کے اِن عظیم رفقاءؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اور ظاہری طور پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ سیدھی بات کرتے تھے، جن باتوں کو سننے والوں نے اختلاف کے طور پر بیان کر دیا۔ لیکن عملی اختلاف حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آٹھویں یا دسویں سال تک کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ اور اس سے

آگے جو کچھ ہوا، اس پر تیسری اور چوتھی کتاب میں ساتھ ہی ساتھ جائزہ پیش کر دیا گیا ہے، کہ حضور پاکؐ کے کسی عظیم رفیق پر اس زمانے میں بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

حضرت علیؓ اور خلافت

پہلے گزارش کی جاچکی ہے کہ ہم خلافت کے فلسفہ میں نہ جائیں گے کہ خلافت کا حقدار کون تھا اور کون نہ تھا۔ کیونکہ اگر ہم کوئی فیصلہ دے بھی دیں تو اُمّت کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ امامت کے سلسلہ میں بھی اختلافات ختم نہ ہوئے۔ اس لئے ہم ان عقائد یا نظریات کے جائزہ سے گریز کرینگے۔ ہم صرف عملی پہلو کی وضاحت کریں گے کہ جناب علیؓ کے رویہ سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلہ میں چند واقعاتی ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

اوّل آپؓ نے اُن دستوں کی کمان کی جنہوں نے حضورؐ پاک کی وفات کے بعد مدینہ شریف پر حملہ آور دشمن کو مار بھگایا اور یہ کام آپؓ جناب ابوبکر صدیقؓ کے احکام پر کر رہے تھے۔ دوم تینوں خلفاءِ راشدین کے زمانے میں آپ مشیرِ اعلیٰ تھے اور ہر کارروائی آپؓ کے مشورہ سے کی گئی اور آپ کی مشاورت یا خلیفہ کے نائب ہونے کے واقعات آئندہ صفحات میں آئیں گے۔ سوم آپ کو اصحاب ثلاثہ سے اتنی محبّت تھی کہ بیٹوں کے نام ان کے نام پر رکھے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے نام حضورؐ پاک نے رکھے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوا تو نام محمدؒ رکھا۔ جو محمدؒ بن حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے تیسرے باب اور چوتھی کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں آئے گا۔ اس کے بعد جو بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام اپنے چچا عباسؓ کے نام پر رکھا۔ وغیرہ لیکن ایک بیٹے کا نام ابوبکرؓ رکھا جن کی والدہ لیلیٰ بنتِ مسعود تھیں۔ آپ کربلا میں شہید ہوئے اور چوتھی کتاب کے ساتویں باب میں آپ کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ ایک بیٹے کا نام عمرؓ رکھا جن کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ تھیں اور عین التمر کے نکاح میں سے مالِ غنیمت میں جناب خالدؓ کو ملیں۔ اس کا ذکر اس کتاب کے پندرھویں باب میں ہے۔ ایک اور بیٹے کا نام عثمانؓ رکھا جن کی والدہ ام البنین تھیں، جو اپنے تین اور سگے بھائیوں کے

ساتھ کربلا میں شہید ہوئے اور آپ کا ذکر چوتھی کتاب کے ساتویں باب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ کی شان

حضور پاکؐ نے انتشار کے علاوہ جس دوسرے خطرہ کا ذکر فرمایا، وہ حبّ الدنیا ہے اور دنیا کے بارے جس عملی رویّہ کا جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ کے گھرانے نے مظاہرہ کیا، اُس شان کو بھی کوئی قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی کچھ جھلکیاں چوتھی کتاب کے پہلے باب میں ملیں گی۔ اور اِس گھر میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے جو روایات قائم کیں، ان کی دنیا میں مثال ملنا تو ویسے بھی مشکل ہے۔ لیکن یہ واقعات فرش تا عرش اس قدر پھیلاؤ اختیار کر چکے ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں جناب فاطمہؓ کے بارے کچھ ذکر ضروری ہے۔ حضور پاکؐ نے مجلس کے دوران سرگوشی سے منع فرمایا۔ کہ مجلس میں کسی اکیلے دکیلے سے الگ بات نہ کی جائے۔ لیکن فرمایا کہ دو ہستیوں کے سلسلہ میں حضور پاکؐ اپنے اہلِ مجلس سے معذرت کے بعد الگ بات کرنے کی اجازت چاہیں گے۔ وہ دو ہستیاں جناب ابوذر غفاریؓ اور جناب فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ جناب ابوذر غفاریؓ کے رویہ کے بارے میں کچھ جھلکیاں دوسری کتاب میں بھی ہیں۔ لیکن مکمل پہلو تیسری کتاب کے نویں باب میں موجود ہے۔ جناب فاطمہؓ کے سلسلہ میں روایت ہے کہ وفات سے چند روز پہلے حضور پاکؐ نے جناب فاطمہؓ کو بلا کر کان میں کچھ بات کی تو آپ رو پڑیں۔ پھر حضور پاکؐ نے دوبارہ بلایا اور کان میں پھر کچھ بات کی تو آپ مسکرا دیں۔ اُس وقت یہ بات راز ہی رہا۔ البتہ اپنی وفات سے چند دن پہلے آپؓ نے اس راز سے پردہ اُٹھا دیا کہ پہلی دفعہ جب حضور پاکؐ نے ان کے کان میں بات کی تھی تو وہ حضور پاکؐ کی اپنی وفات کی خبر تھی اس لئے وہ رو پڑیں۔ دوسری دفعہ بلا کر فرمایا کہ آپ مجھے جنت میں سب سے پہلے اور بہت جلد ملیں گی تو وہ خوش ہو گئیں اور مسکرا دیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ان عظیم ہستیوں کے سامنے دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ وہ آخرت کو ہی سب کچھ جانتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اور خلافت

صحابہ کرامؓ میں سے ہر صحابیؓ اس قابل تھا کہ حضور پاکؐ کے بعد امارت کو سنبھال لیتا اور عشرہ مبشرہ میں سے، اپنی فوقیت کی وجہ سے کوئی صحابی بھی خلیفۃ الرسولؐ کے منصب پر فائز ہونے کا مستحق تھا۔ حضرت عمرؓ نے تو شاید اس سلسلہ میں کبھی کچھ سوچا بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ جناب ابوعبیدہؓ بن جراح کے پاس گئے اور ان کو کہا کہ وہ امین الامت ہیں، اس لئے وہ مسلمانوں کی خلافت کو سنبھال لیں۔ جناب ابوعبیدہؓ نے فرمایا۔ "اے ابن خطابؓ! کیا صدیقؓ کے ہوتے ہوئے کوئی اور اس منصب کے قابل ہے؟ میں تو خود آپ کے پاس آ رہا تھا، کہ انصارِ مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہاں پر خلافت کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں"۔ چنانچہ دونوں عظیم صحابہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی تلاش میں نکلے۔ حضرت علیؓ چونکہ حضور پاکؐ کے کفن دفن کی تیاری میں مصروف تھے، اسلئے صرف حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر یہ تینوں صحابہؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ وہاں انصار کا اجتماع تھا۔ سعدؓ خود بیمار تھے۔ وہ ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے الفاظ ان کے بیٹے یا بھتیجوں میں سے کوئی سُن کر یاد کر لیتا تھا اور سارے اجتماع کو سنا دیتا تھا۔ روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے جذبات کو بھڑکانے کی بھی کوشش کی، کہ قریش کی نسبت انصار خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس سلسلے میں لمبی چوڑی بحث چھڑ گئی۔ سوال اٹھا کہ مہاجرین میں حضور پاکؐ کے قرابت دار بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی کافی موجود ہیں جنہوں نے اوّل روز ہی حضور پاکؐ کے پیغام پر لبیک کہا۔ اگر وہ انصار کی امارت کی مخالفت کریں تو پھر کیا رویّہ اختیار کیا جائے؟ ایک تجویز ایسی بھی پیش ہوئی، کہ پھر دو امیر مقرر کئے جائیں ایک مہاجرین سے اور ایک انصار سے۔ اسی دوران جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور ابوعبیدہؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ اور مہاجرین بھی تھے لیکن مورخین نے نام نہیں لکھے۔ حضرت عمرؓ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ وہاں پر پہنچ کر ان کا ارادہ ہوا کہ وہ ایک تقریر کریں۔ لیکن ابوبکرؓ نے ان سے پہل کاری چھین لی

اور آگے بڑھ کر خود خطاب فرمایا۔ جناب فاروقؓ فرمایا کرتے تھے، کہ وہ حیران تب ہوئے کہ جناب صدیقؓ نے وہ تمام دلیلیں اپنے خطاب میں فرمائیں جو حضرت عمرؓ سوچے ہوئے تھے بلکہ ان سے بہتر دلائل بھی دیئے۔ صحابہ کرامؓ کی وحدت فکر اور عمل اور اپنے اختلافات کو بات چیت سے طے کرنے کی یہ پہلی مثال ہے۔

جناب صدیقؓ کی تقریر

آپؓ نے پہلے مختصر الفاظ میں اسلام کا فلسفۂ حیات بیان فرمایا۔ حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے اور مومن کی زندگی کے مقاصد کی تشریح کی اور فرمایا کہ

"دنیا کی زندگی آخر کی کھیتی ہے اور صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔ لیکن بنیادی چیز جس کی ضرورت ہے وہ مسلمانوں کی وحدت اور مرکزیت ہے۔ عرب قبائل نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ اسلام کے اجتماعی پہلو کو وہ اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انصار نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اور اس خدمت کا اظہار حضورؐ پاک جنگِ حنین کے مالِ غنیمت کے تقسیم کے وقت فرما چکے ہیں اور حضورؐ پاک انصار کے ساتھ یہاں تک ایک جان ہوگئے ہیں کہ اپنی آخری آرام گاہ کے لئے بھی انصار کے شہر یثرب کو پسند فرمایا۔ لیکن ابھی کئی قبائل اِن گہرے فلسفوں کو نہیں سمجھتے وہ فی الحال یہ پسند نہ کریں گے کہ ان پر حضورؐ پاک کے قبیلے سے باہر کا کوئی امیر مقرر ہو۔ یہ وقت تو وحدت اور اتحاد کا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ حضورؐ پاک کے خاندانِ قریش میں سے کسی ایک کو خلیفۃ الرسول تسلیم کر کے ہم اپنی وحدت اور اتحاد کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ مکّہ کے قریش پر بھی اس کا اچھا اثر ہو۔ اور کم از کم دو جگہوں، یعنی خانہ کعبہ اور مدینہ منوّرہ میں وحدت کا اظہار ہو جائے۔ یہ عمرؓ ہیں۔ یہ امین الامتؓ ہیں۔ ان میں سے کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیا جائے؟

جناب صدیق اکبرؓ کے ان الفاظ کے بعد حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ آگے بڑھے اور فرمایا کہ "یارِ غارؓ۔ اور صدیقؓ سے بہتر اس منصب کا کون حق دار ہو سکتا ہے؟ جن کی امامت میں حضورؐ پاک خود نماز ادا کر چکے ہیں۔"

اس پر دونوں عظیم صحابہؓ آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد انصار میں سے حضرت بشیرؓ بن سعد اور حضرت اُسیدؓ بن حضیر نے بھی آگے بڑھ کر آپؓ کی بیعت کر لی اور بعد میں تمام انصار یا اجتماع میں شریک مسلمانوں نے جناب صدیق اکبرؓ کی بیعت کر لی۔ روایت ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کچھ عرصہ تذبذب اور کشمکش کا شکار رہے لیکن عملی طور پر چونکہ کسی مخالفت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے ہم اس معاملہ کو یہاں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

بات قوم کی وحدت اور مرکزیت کی تھی۔ مہاجرین کو اوّل اسلام لانے کا اعزاز حاصل تھا اور جناب صدیق اکبرؓ رفاقت، عمر، تجربہ وغیرہ کے لحاظ سے افضل تھے۔

خلیفہ اوّل کا پہلا خطبہ

جناب صدیق اکبرؓ کا پہلا خطبہ بھی قوم کی وحدت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء اور حضور پاکؐ پر درود و سلام کے بعد مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور اندرونی خلفشار کو دُور کرنے پر زور دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کی پابندی کرتے رہیں تو مسلمانوں پر اُن کی اطاعت واجب[۱] ہے۔ آگے آپؓ نے فرمایا کہ حاکمِ وقت کے سامنے سچ بولنا بہت بڑی وفاداری ہے اور سچ کو چھپانا غدّاری ہے۔

جناب صدّیقِ اکبرؓ نے آگے فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو بڑا کمزور ہے، میرے نزدیک وہی بڑا زبردست ہے۔ جب تک میں اس کا حق اس کو نہ دلا دوں اور تم میں جو زبردست ہے وہی میرے نزدیک بڑا کمزور ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس اگر مستحق لوگوں کا حق موجود

---

[۱] اسلامی فلسفہ اطاعتِ امیر کی بنیاد اس اُصول پر ہوتی ہے۔ نہ کہ ایسے فلسفوں پر کہ ایسے لوگ ہمارے امیر بن جائیں جو غیروں کے فلسفوں کا پرچار کریں، اسلام کا مذاق اڑائیں۔ اسلام کے اندر قومیتوں کا پرچار کریں۔ صوبائی عصبیّت کو ہوا دیں، ملک کو دولخت کر دیں اور ایک دوسرے کو "محب وطن" قرار دیتے رہیں۔ گو اسلام میں وطن کو اللہ کا شریک نہیں بنایا جاتا لیکن یہاں فلسفہ "حب اسلام" اور وطن کی قدر تب ہے کہ اس میں اسلامی احکام نافذ ہوں۔

(خواہ مخواہ کیچڑ اچھالا جائے، الزام تراشی ہو یا ذہنی عیاشی ہو، اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام، تاریخ کو صرف اس طرح پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے تاریخ کو قرآن پاک میں پیش کیا ہے۔

کتابوں کی ترتیب

خلفاءِ راشدینؓ کی تاریخ کو اور ہر خلیفہ راشد کے زمانے کو الگ الگ حصوں یا کتابوں میں تقسیم کرنے کی بجائے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ حکمتِ عملی میں تسلسل قائم رہے۔ چنانچہ پہلا حصہ جو آپ کے سامنے ہے، وہ فتوحاتِ عراق وایران پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں فتوحاتِ فلسطین وشام کو شامل کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں فتح مصر اور افریقہ وایشیا کی فتوحات ہیں چوتھا حصہ اندرونی خلفشار کے عملی پہلو کو بیان کرتے ہوئے سانحہ کربلا کے واقعات تک ہے۔ ہر حصہ کے ہر باب کے اختتام پر جہاں تک ممکن ہوا ہے، تبصرہ اور تجزیہ موجود ہے۔ لیکن جہاں کسی باب میں کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے، وہاں اس کے نتائج، نتائج کے اثرات اور اسباق بھی موجود ہیں۔

امیر افضل خان

پہلا باب

وحدت اور مرکزیت

ابتدائیہ

ہمارے آقا حضورِ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو اخوت کا درس دے کر ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ اور ایک مرکز قائم کر دیا۔ اسلامی فلسفہ کو اجتماعی طور پر اپنانے کے لئے وحدت اور مرکز کو اولیت حاصل ہے۔ حضورؐ پاک نے مسلمانوں کو متحد کر کے ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا تھا۔ جو سرزمین عرب میں ایک سپرنگ بورڈ پر کھڑے پَر تول رہے تھے کہ دنیا میں اللہ اور اس کے حبیبؐ پاک کا پرچم جگہ جگہ گاڑ دیں۔ اہلِ حق سرزمینِ عرب میں باطل کو پاش پاش کر چکے، تو ان کی نظر عرب سے باہر کے باطل پرستوں پر مرکوز ہو گئی۔ دینِ حق کا یہ عالمگیر پیغام، اب ان کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا۔ حضورؐ پاک نے اس سلسلہ میں بسم اللہ کر دی تھی اور دنیا کے جانے پہچانے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی جا چکی تھی۔

یہ سب اللہ کے راز ہیں۔ جو کام حضورؐ پاک کی وفات کے چند سال بعد ہوا، وہ آپؐ کی زندگی میں بھی ہو سکتا تھا۔ ایک نکتہ یہ ہے حضورؐ پاک پر جس دین کی تکمیل کی گئی، اسے رہتی دنیا تک جاری و ساری رہنا ہے۔ اس کی حضورؐ پاک نے اپنے غلاموں کو تربیت دی اور آپؐ نے ہر میدان میں عملی نمونہ بھی پیش کیا تاکہ کاروانِ حق حضورِ پاکؐ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہے۔ اسی لئے یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امتحان جاری ہے اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اہلِ حق ہر زمانے میں اس امتحان میں کامیاب و کامران رہے۔

حضورؐ پاک کی جانشینی

حضورؐ پاک کے بعد آپؐ کے غلاموں میں سے کسی ایک نے مسلمانوں کا امیر بن کر قافلۂ حق

کی رہنمائی کرنا تھی۔ ہاں حضورؐ پاک کے بعد ان کا نائب یا مسلمانوں کا امیر کون ہوتا، یہ سوال اتنا اہم نہ تھا، کیونکہ کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے اور حضورؐ پاک کے ارشاد کے مطابق جو امارت کا طلب گار ہوتا تھا اس کو امارت نہ ملتی تھی۔ اور امارت کی ذمّہ داریاں پوری کرنے سے سب ڈرتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے صحابہؓ نے بھی یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش! وہ گھاس کا ایک تنکا ہوتے تاکہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے حساب کتاب سے بچ جاتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ خلافت کے واقعاتی پہلو کا حقیقت پسندانہ جائزہ تاریخی عوامل سے پیش کیا جائے تاکہ اس پہلو کے بامقصد اصول آشکارا ہوں اور ہم ان سے کوئی سبق سیکھ سکیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

پرانے زمانے کے مورّخین نے کسی اور اختلاف یا تفرقہ کا ذکر نہیں کیا سوائے اِس کے کہ انصار کے قبیلہ خزرج کے چند لوگ حضرت سعدؓ بن عبادہ کو امیر یا خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع ہوا۔ سعدؓ بیمار تھے۔ اس اجتماع میں کتنے اصحاب تھے، ان کی تعداد کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ معاملات ابھی بحث وغیرہ تک ہی پہنچے تھے اور انصار میں جناب حبابؓ بن المنذر[1] اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی مستعد معلوم ہوتے تھے اور قبیلہ اوس کے جناب بشیرؓ بن سعد انصار کی خلافت کے حق میں نہ تھے۔ مگر حالات نے بعد میں ظاہر کر دیا کہ انصار کی ایک بڑی جماعت یہ بات پسند نہ کرتی تھی کہ حضرت سعدؓ کو خلیفہ بنایا جائے لیکن انصار کے جذبات کو بھڑکایا جا رہا تھا۔ اگر جناب صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ اور امین الامت ابوعبیدہؓ وہاں بروقت نہ پہنچ جاتے، تو شاید یہ فیصلہ حضرت سعدؓ کے حق میں ہو جاتا۔ صدیق اکبرؓ کے حق میں فیصلہ ہو جانے کے بعد تمام اختلافات ادھر ہی ختم ہو گئے۔ اور اس کے ثبوت میں دَورِ صدیقیؓ کی وہ تمام فتوحات ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قوم کا مرکز مضبوط

---

[1] جلال مصطفےٰ صفحہ ۵۲، ۵۳، ۱۸۱ اور ۳۵۵ سے استفادہ کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ وہاں موجود نہ تھے، پہلے فوت ہو گئے تھے۔

نہ ہوتا۔ اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی تو اس قوم کی افواج دنیا کے شہنشاہوں کی افواج کے اس طرح پرخچے نہ اُڑا سکتیں۔

معلوم ہوتا ہے اختلافات کو بعد کے زمانے میں کچھ زیادہ ہوا دی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ' چونکہ اس مشاورت میں شامل نہ تھے تو شائد انہوں نے فرمایا ہو یا پوچھا ہو کہ اتنی جلدی کیا تھی؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب اُن کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو آپ خاموش ہو گئے۔

حضورؐ پاک کیا چاہتے تھے؟

حضورؐ پاک کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوتا تھا اور وہی کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ پاک یہ چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے، وغیرہ، تو اُن کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ حضورؐ پاک کی شان کو سمجھنے کی مزید کوشش کریں۔ قرآن پاک اور سیرۃِ طیبہ کا مطالعہ کر کے اپنے دل و دماغ کو اور روشن کریں۔ مشہور مسلمان فلاسفر ابن عربیؒ نے اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضورؐ پاک جو چاہتے تھے، اس کے ہونے میں کچھ دیر نہ لگتی تھی۔ داتا گنج بخشؒ ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی نگاہ ہی سے سب کچھ ہو جاتا تھا۔ پھر قرآنِ پاک میں جنگِ بدر کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ریت یا مٹی آپؐ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشاء کو الگ نہیں کرنا چاہیئے۔ بے شک اللہ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضورؐ پر درود و سلام بھیج کر اُنؐ کی شان کو بلند سے بلند تر کرتے رہتے ہیں۔

قلم دوات منگوانے کی روایات

حضورِ پاکؐ کی جانشینی، یا خلافت کے سلسلہ میں اگر تمام واقعات اور روایات کو ہم اس وجہ سے نظر انداز کر جائیں کہ ان کا جائزہ پیش کرنے سے کچھ لوگ ناراض ہوں گے، تو ہمارے اوپر بھی یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ ہمارا وحدت اور مرکزیت کا فلسفہ زبانی کلامی ہے۔ اِس لئے چند مشہور روایات کا جائزہ ضروری ہے۔ ان میں سے ابن سعد میں ایک روایت ہے۔

کہ حضور پاکؐ جب بیمار ہوئے تو جناب عائشہؓ سے فرمایا کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کو بلاؤ کہ میں جناب ابوبکرؓ کے لئے ایک فرمان لکھ دوں تاکہ میرے بعد کوئی ان پر اختلاف نہ کرے۔

طبری میں ایک روایت ہے کہ بیماری میں حضور پاکؐ نے فرمایا، کہ قلم دوات منگوالو تاکہ میں آپ کے لئے ہدایات لکھوادوں کہ آپ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اور پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔ کچھ صحابہؓ کا خیال تھا کہ ہمارے لئے قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت کافی ہے۔ اور اب قلم و دوات کے چند لفظوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال آگے اس روایت پر بڑے تبصرے کئے گئے کہ حضور پاکؐ جانشینی کا پورا سلسلہ لکھ دینا چاہتے تھے، لیکن فلاں نے روڑا اٹکا دیا۔

تبصرہ :- ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک روایت کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دیں۔ اور مجھے دونوں روایتوں پر شک ہے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پاکؐ نے قلم دوات منگوانے کے احکام دیئے۔ تو دونوں روایتوں میں یہ بات واضح ہے کہ قلم دوات نہ پہنچی اور کچھ بھی نہ لکھا گیا۔ تو ہم صرف اتنا تبصرہ کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور حضور پاکؐ چاہتے کہ قلم دوات کی لکھائی سے جانشینی کا فیصلہ اسی وقت ہو جائے تو ایسا ضرور ہو گیا ہوتا۔ شائد حضور پاکؐ کچھ لکھوانا چاہتے ہوں۔ اور پھر ارادہ تبدیل کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا۔

قلم دوات کے منگوانے کے سلسلہ میں ایک اور شک بھی سامنے آتا ہے۔ اپنے زمانے میں حضور پاکؐ نے کسی حدیث مبارکہ کو لکھنے کی اجازت نہ دی، کہ قرآن پاک اور احادیث الگ الگ رہیں۔ اور احادیث یا علمِ مغازی کے لکھنے کا کام آپؐ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ اس لئے حضور پاکؐ اس پر قائم رہے اور آخری وقت کوئی وصیّت بھی نہ لکھائی اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے کہ اگر حضور پاکؐ جانشینی کے بارے کوئی واضح ہدایات دینا چاہتے تو زبانی بھی دے سکتے تھے۔ اگر آخری وقت بھی جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کے بارے بار بار یاد دہانی کرائی تو جانشینی کے سلسلہ میں بھی واضح اعلان کر دیتے۔ اور انصار کے سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع ایک عملی ثبوت ہے کہ حضور پاکؐ نے واضح الفاظ

میں اپنی جگہ کسی جانشین کا اعلان نہ فرمایا۔

حضور پاکؐ کی وفات اور صحابہ کرامؓ

ہمارا تو یہ تجزیہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے شاید یہ بات کبھی سوچی تک بھی نہ ہو کہ حضور پاکؐ وفات پاجائیں گے، یا کم از کم اُن کی زندگی میں وفات پا جائیں گے۔ اس لئے اکثر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی جانشینی کے معاملات کی طرف کبھی دھیان بھی نہ دیا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں ہم یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت جناب عمر فاروقؓ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ "خبردار! اگر کوئی یہ لفظ کہے گا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا"۔ تو ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ کو یہ یقین نہ آرہا تھا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ کی تقریر کے بعد اُن کو یقین آیا کہ واقعی حضور پاکؐ وفات پا چکے تھے اور ایسا بھی ہونا تھا۔

صحابہ کرامؓ اور خاص کر حضور پاکؐ کے خاص رفقاءؓ یعنی چار یار اور عشرہ مبشرہ میں شامل صحابہ کرامؓ کے عقیدہ یا کردار کا جائزہ لینا، سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر امارت کا خواہاں نہ تھا اور نہ ان میں سے کسی نے ایسی کوشش کی۔ بعد کی روایات میں کچھ لوگوں نے اپنے پیمانوں کے لحاظ سے بعض اضافی باتیں کہہ دیں۔ اس سلسلہ میں جناب صدیق اکبرؓ کے رویّہ کو جلالِ مصطفےٰؐ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ آپؓ کا فرمان تھا کہ حکومت اور امارت کبھی طلب نہ کی جائے۔ اور پھر جب آپؓ خلیفہ بن گئے تو نومسلم جرجیس مدینہ شریف میں حاضر ہوا اور آپؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے بار خلافت کیوں اٹھالیا ہے تو آپؓ نے فرمایا "اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ڈر لگ رہا تھا کہ امّت تفرقہ کا شکار نہ ہو جائے"۔

اس پہلو کی وضاحت، واقعات کے ذریعہ سے خود بخود ہوتی جائے گی اور قارئین سے گزارش ہے کہ چاروں کتابوں کو پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم کرنا۔ حضور پاکؐ کے ان عظیم رفقاءؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اور ظاہری طور پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ سیدھی بات کرتے تھے، جن باتوں کو سننے والوں نے اختلاف کے طور پر بیان کر دیا۔ لیکن عملی اختلاف حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آٹھویں یا دسویں سال تک کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ اور اس سے

آگے جو کچھ ہوا، اس پر تیسری اور چوتھی کتاب میں ساتھ ہی ساتھ جائزہ پیش کر دیا گیا ہے، کہ حضور پاکؐ کے کسی عظیم رفیق پر اس زمانے میں بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

حضرت علیؓ اور خلافت

پہلے گزارش کی جا چکی ہے کہ ہم خلافت کے فلسفہ میں نہ جائیں گے کہ خلافت کا حقدار کون تھا اور کون نہ تھا۔ کیونکہ اگر ہم کوئی فیصلہ دے بھی دیں تو اُمّت کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ امامت کے سلسلہ میں بھی اختلافات ختم نہ ہوئے۔ اس لئے ہم ان عقائد یا نظریات کے جائزہ سے گریز کرینگے ہم صرف عملی پہلو کی وضاحت کریں گے کہ جناب علیؓ کے رویہّ سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلہ میں چند واقعاتی ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

اوّل آپؓ نے اُن دستوں کی کمان کی جنہوں نے حضورؐ پاک کی وفات کے بعد مدینہ شریف پر حملہ آور دشمن کو دھکیلا اور یہ کام آپؓ جناب ابوبکر صدیقؓ کے احکام پر کر رہے تھے۔ دوم تینوں خلفاءِ راشدین کے زمانے میں آپ مشیرِ اعلیٰ تھے اور ہر کارروائی آپؓ کے مشورہ سے کی گئی اور آپ کی مشاورت یا خلیفہ کے نائب ہونے کے واقعات آئندہ صفحات میں آئیں گے۔ سوم آپ کو اصحاب ثلاثہ سے اتنی محبّت تھی کہ بیٹوں کے نام ان کے نام پر رکھے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے نام حضورؐ پاک نے رکھے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوا تو نام محمدؓ رکھا۔ جو محمدؓ بن حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے تیسرے باب اور چوتھی کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں آئے گا۔ اس کے بعد جو بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام اپنے چچا عباسؓ کے نام پر رکھا۔ وغیرہ لیکن ایک بیٹے کا نام ابوبکرؓ رکھا جن کی والدہ لیلیٰ بنتِ مسعود تھیں۔ آپ کربلا میں شہید ہوئے اور چوتھی کتاب کے ساتویں باب میں آپ کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ ایک بیٹے کا نام عمرؓ رکھا جن کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ تھیں اور عین التمر کے نکاح میں سے مالِ غنیمت میں جناب خالدؓ کو ملیں۔ اس کا ذکر اس کتاب کے پندرھویں باب میں ہے۔ ایک اور بیٹے کا نام عثمانؓ رکھا جن کی والدہ ام البنین تھیں، جو اپنے تین اور سگے بھائیوں کے

ہے تو ان کو واپس نہ دلا دوں۔"

آپؓ نے اس طرح امیر اور اس کی بیعت کرنے والوں کے تعلقات پر بھرپور روشنی ڈالی جناب موسیٰؒ بن عقبہ کے ناپید کاغذات سے ابن اسحٰقؒ کی تاریخ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"میں نے نہ کبھی امارت کی خواہش کی اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ سے اس سلسلہ میں دعا مانگی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ اس مشکل کام میں وہ میری مدد کرے۔"

صدّیق اکبرؓ کی شان

صحابہ کرامؓ کی شان بیان کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ پاک کی سیرت اور جناب ابوبکرؓ کے کردار سے تو غیر مسلم بھی متاثر ہوئے۔ مشہور یورپین مورخ کارلائل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کتنے عظیم ہوں گے جن کا جانشین اتنے بلند پایہ کردار کا مالک ہے صحابہ کرامؓ میں سے جناب عمرؓ، جناب علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص نے ایسے الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس زمانے میں غیروں کی نقالی میں ہم "بامقصد تجزیوں" کے تحت حضورؐ پاک کے رفقاء کی بے ادبی کر جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک مبصر کی کتاب کے چند الفاظ یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

"حضور پاکؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی حالت اس طرح ہو گئی تھی، جس طرح سردیوں کے موسم میں ایک بھیڑ بارش سے ٹھٹھر جاتی ہے۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کے غم گہرے ہو گئے۔ کیونکہ ابوبکرؓ کسی امارت کی صفات کے لئے کچھ زیادہ مشہور نہ تھے۔ اور مسلمانوں کے جہاز کو طوفان سے نکالنا تو بڑا کٹھن کام تھا۔ اس موقع پر کسی مضبوط دل اور سخت لیڈر کی ضرورت تھی۔ اور ابوبکرؓ کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ وہ ایک دُبلے پتلے انسان تھے۔ اُن کی بھنویں نازک تھیں، جن کے نیچے آنکھیں دبی ہوئی تھیں۔ وہ وسمہ اور مہندی لگاتے تھے لیکن بڑھاپا ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے نظر آتا تھا۔ بڑے رحم دل تھے اور بات بات پر رو دیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے لئے ابوبکرؓ کی خدمات بہت زیادہ تھیں۔

انھوں نے حضور پاکؐ کو وفاداری دکھائی اور حضور پاکؐ نے آپ کو صدیق کا خطاب دیا۔ ذاتی حوصلے میں بڑے بلند تھے۔ اور ان کے اسلام پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تیسرے فرد تھے جو اسلام لے آئے اور عشرہ مبشرہ میں ان کو بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ لیکن کیا یہ خوبیاں مشکل اوقات میں لیڈری کے لئے کافی ہیں؟ جبکہ حضرت اُسامہؓ کے لشکر کا معاملہ بھی تشویش پیدا کئے ہوئے تھا۔"

تبصرہ :۔ قارئین! آپ اس کی لفاظی، اور تضاد بیانی میں جائیں کہ مخالفت میں صرف لفاظی ہی لفاظی ہے۔ اور اسی بناء پر یہ مبصر آپؓ کو خلافت کے لئے موزوں نہیں سمجھتا (نعوذ باللہ) اور یہی مبصر آگے جاکر اپنی کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ "چند مہینوں کے لعد باغی اور مرتدین، ابوبکرؓ کا نام سن کر کانپ کانپ جاتے تھے۔" چنانچہ ہمارا بامقصد تجزیہ اس قسم کی لفاظی اور بے ادبی سے مبرّا ہے۔ ہم بامقصد تجزیہ سے سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور غلط باتوں کو صحیح باتوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لحاظ سے جناب ابوبکرؓ پہلے ہی روز سے امارت اور خلافت کے لئے موزوں ترین تھے۔ اپنی پہلی تقریروں اور کارروائیوں ہی میں انہوں نے اپنی عظمت کو ثابت کیا اور آگے جو کچھ کیا اُس کی آج تک دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بے شک حضور پاکؐ کے وصال کے غم نے مسلمانوں کو چند لمحوں کے لئے نڈھال ضرور کیا۔ لیکن ابوبکرؓ کے پہلے الفاظ نے اُن میں جان ڈال دی اور ان کو یاد آگیا کہ اسلام کا فلسفۂ حیات کیا ہے۔ ٹھٹھری ہوئی بھیڑ والی بات کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ ابوبکرؓ مسلمانوں کو اپنے اصلی مقام پر واپس لے آئے۔ حضور پاکؐ خود فرما چکے تھے۔" کہ اے مسلمانو! میں نے سب لوگوں کو اُن کے احسانات کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ایک شخص کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں ان کو پورا نہ کر سکا اور وہ ابوبکرؓ ہیں۔" حضور پاکؐ کے اس بیان کے اندر کئی راز پنہاں ہیں، جن کو سمجھنا ہم گنہ گاروں کے لئے ناممکن ہے۔ ہاں علامہ اقبالؒ کچھ نشاندہی فرما گئے ہیں:۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

جیش اُسامہؓ

جیشِ اسامہؓ کا معاملہ وہ مشکل کام تھا جس کے ساتھ جناب صدیق اکبرؓ کا سب سے پہلے واسطہ پڑا۔ آپؓ خود اِس لشکر میں شامل تھے۔ لیکن حضور پاکؐ کی بیماری اور وفات کی وجہ سے اس لشکر کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔ حضور پاکؐ وفات سے ایک آدھ دن پہلے صحابہؓ کو اس سلسلہ میں یاد دہانی فرما چکے تھے اور تاکید فرمائی تھی کہ تاخیر نہ کرنا۔ جناب ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اسی معاملہ پر توجہ دی اور حضرت اُسامہؓ کو موتہ کی طرف کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ موتہ وادی بلقا اور موجودہ اردن میں ہے۔ اس زمانے میں ان سب علاقوں کو بلادِ شام اور فلسطین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جلالِ مصطفیٰؐ کے پانچویں باب میں جنگِ موتہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ ادھر ہی جناب اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارث شہید ہوئے تھے۔ حضور پاکؐ بعد میں، خود ایک لشکر کو لے کر اس علاقہ میں تشریف لے گئے جس کو مہم تبوک کہتے ہیں اور اس کا بھی مکمل ذکر جلالِ مصطفیٰؐ کے آٹھویں باب میں موجود ہے[1] حضور پاکؐ کا دشمن کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہوا لیکن آپؐ کی خواہش تھی کہ اُس علاقہ میں ایک اور سخت حربی مظاہرہ ہو، تاکہ دشمن کو اس طرف سے مسلمانوں پر یورش کرنے کی ہمت نہ پڑے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد کچھ صحابہؓ اِس خیال کے حامی ہو گئے کہ اوّل تو اس طرف کوئی مہم بھیجی ہی نہ جائے، لیکن اگر مہم بھیجی جائے تو حضرت اُسامہؓ کی بجائے کسی اور تجربہ کار صحابی کو سالارِ لشکر مقرر کیا جائے۔ اہلِ لشکر مدینہ سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی بیچ میں شامل تھے۔ اُن کو کچھ صحابہ کرامؓ نے قائل کر لیا کہ ان کی اس قسم کی تجویز کو وہ خلیفۃ الرّسولؐ کو پیش کریں۔ حضرت عمرؓ، جناب صدیقِ اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دونوں گزارشات پیش کر دیں تو صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا:-

"اے ابنِ خطابؓ! سنو، یہ احکام اللہ کے حبیبؐ کے ہیں اور ابو قحافہؓ[2] کے بیٹے کو ان

---

[1] جلالِ مصطفیٰؐ کے صفحہ ۲۹۳ پر اس کا ذکر آچکا ہے۔

[2] جناب ابوبکرؓ کے والد کا نام۔

میں تبدیلی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کیا تم مجھے ایسے سالارِ لشکر کو ہٹانے کے لئے کہہ رہے ہو جس کو اللہ کے رسولؐ نے مقرر فرمایا۔"

جنابِ فاروقِ اعظمؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس جاکر اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

تبصرہ :- حضورِ پاکؐ کی حدیث مبارکہ میں جن اختلافات کو باعثِ رحمت قرار دیا گیا ہے کہ بات چیت سے معاملات کو طے کیا جائے، اُس طریقِ کار کی یہ عملی مثال ہے۔

اِس سیدھے سادے واقعہ کو اِس زمانے کے ایک مبصرؔ کی کتاب میں پڑھیں تو آپ کو فرق نظر آجائے گا۔ وہ رقمطراز ہیں :-

"حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس اِس طرح آئے، جس طرح وہ پہلے زمانے میں ایک مضبوط اور سخت آدمی کی طرح ایک کم گو اور فرمانبردار دوست کے پاس آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ الٹے پاؤں واپس ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا۔ گو پرانے زمانے کے مورخین نے جنابِ اُسامہؓ کی مہم کو بڑی دانائی والی بات قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بڑی غلطی تھی۔ حکمتِ عملی کے لحاظ سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی۔ اور چونکہ بڑے بڑے تجربہ کار صحابہ نے اس مہم کی مخالفت کی تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی دانائی والی بات نہ ہوگی (نعوذ باللہ) جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے تھے۔ اور باغی خوش تھے کہ اسامہؓ کی فوج مدینہ سے چلی گئی ہے۔ اور اب ان کا مسلمانوں کے کمزور خلیفہ یا امیر کے ساتھ واسطہ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ابوبکرؓ نے کسی حکمتِ عملی کے تحت نہ کیا تھا، بلکہ حضورؐ پاک کے ساتھ اپنی عقیدت کی وجہ سے کیا۔"

یہ مبصر کوئی غیر مسلم نہیں۔ بلکہ بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں، جن کی بعض باتیں دودھ کی طرح شفاف ہیں۔ لیکن ادب ملحوظ نہیں رکھا اور تفرقہ کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مورخین نے اگر نتائج کے طور پر بھی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی مہم کو دانائی والی کارروائی قرار دیا تو پھر کونسی حکمتِ عملی کے تحت یہ مبصر اس کارروائی کو سیاسی غلطی قرار دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلام کے فلسفۂ حیات پتہ نہیں ہوتا۔ اور اسلام کو انہوں نے مغرب کی عینک سے پڑھا ہوتا ہے اور مغربی پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے

کہ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر سب حکمتِ عملیاں قربان کی جا سکتی ہیں اور جلالِ مصطفیٰؐ میں اِس پہلو کی کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے بلکہ بیسویں صدی تک غیرت مند مسلمان اور خاص کر غازی انور پاشاؒ جیسے لوگ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر لاکھوں سلطنتِ عثمانیہ قربان کرنے کو تیار تھے۔

پھر ہر واقعہ کو بقول کلاسوٹز نتائج کے اثرات سے پرکھا جائے۔ جب حضرت اسامہؓ کی مہم کے نتائج اچھے نکلے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوا تو حکمتِ عملی بھی صحیح سمجھی جائے۔ ویسے مدینہ شریف کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ جلال مصطفیٰؐ میں یہ پہلو واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور پاکؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا کر مدینہ شریف کو ایک ایسے مستقر میں تبدیل کر دیا تھا کہ چند سو آدمی، عورتیں اور بچے بھی کسی بڑے سے بڑے لشکر کا ایک ماہ تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ مکّہ مکرّمہ کے قریش اور طائف کے قبیلے وفادار تھے۔ مدینہ شریف کا محاصرہ کرنے والی کسی فوج کے خلاف وہ تیسرے یا چوتھے دن پہنچ سکتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کے لشکر کو واپس بلایا جا سکتا تھا۔ مدینہ شریف کے گرد و نواح سے کوئی قبیلہ چار یا پانچ ہزار سے زیادہ نفری کا لشکر مدینہ شریف کے خلاف نہ لا سکتا تھا۔ اور اگر لاتا تو یا تو اسے بھاگنا پڑتا یا اس کو تہس نہس کر دیا جاتا۔ اگلے باب میں مدینہ شریف پر حملہ آور لشکروں کے یلغار کی کہانی سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ شریف میں اتنی طاقت تھی کہ کسی کو اس کا محاصرہ کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ یہ دو باتیں تفصیل سے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بامقصد تجزیہ سے تفرقہ کی بجائے وحدت پیدا کی جائے اور بزرگوں کے ادب کو ملحوظ رکھ کر تجزیے پیش کیے جائیں۔ یاد رکھیئے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں میں جو یک رنگی پیدا کی اسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمّت مردانہ
(اقبالؒ)

؎ جلالِ مصطفیٰؐ ص ۳۴۹

جیشِ اُسامہؓ کی روانگی

جنابِ صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کی پہلی کارروائی حضور پاکؐ کے حکم کی تعمیل، اور قوم میں وحدت اور جذبۂ جہاد پیدا کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ عزت مند قومیں موت سے نہیں ڈرتیں اور مدینہ شریف کے مسلمان، عورتیں اور بچے ہر سختی کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے، اور جنابِ صدّیقِ اکبرؓ مقررہ وقت پر حضرت اسامہؓ کے پڑاؤ میں حاضر ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے سالارِ لشکر سے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کو اُن کی مشاورت کے لئے مدینہ چھوڑ جائیں۔ پھر لشکر کے لئے الوداعی دعا مانگتے ہیں اور لشکر ترتیب کے مطابق آپؓ کی آنکھوں کے سامنے کوچ کرتا ہے۔ حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار ہیں۔ خلیفۂ وقت زمین پر کھڑے ہیں۔ جب حضرت اُسامہؓ کے چلنے کی باری آتی ہے تو خلیفۂ وقت بھی ساتھ پیدل چل پڑتے ہیں۔ حضرت اسامہؓ گھوڑے سے اُترنے لگتے ہیں تو خلیفۂ وقت منع فرماتے ہیں اور ساتھ ساتھ چلتے جاتے ہیں اور پھر اسی طرح کافی دُور تک چلنے کے بعد ایک جگہ رک جاتے ہیں اور سارے لشکر کو اپنے پاس سے گزرنے تک انتظار کرتے ہیں۔ جب آخری آدمی آپؓ کے پاس سے گزر جاتا ہے تو پھر آپؓ ربّ العزّت کے دربار میں ہاتھ اُٹھا کر عاجزی سے دُعا مانگتے ہیں اور جب لشکر کافی دُور نکل جاتا ہے تو حضرت عمرؓ کی معیت میں مدینہ پیدل واپس آتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کا فلسفۂ حیات، اور یہ ہیں اسلام میں امیر اور مسلمانوں کے تعلقات۔ ایسی حکمت عملیوں کے نتائج آپ اگلے باب میں پڑھیں گے، لیکن یہ نتائج اُس آنکھ کو نظر آتے ہیں جس میں مدینہ کی آنکھ کا سُرمہ ہو۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (اقبال)

نتائج واسباق کا خلاصہ

کتاب کے اس پہلے باب میں ہمارے لئے متعدد اسباق ہیں۔ واقعات کا تجزیہ پیش کرتے

وقت، واقعات کے نتائج، نتائج کے اثرات، اسلامی فلسفۂ حیات اور زندگی کے مقاصد پر کھل کر تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ مختصر طور پر اسباق و نتائج حسب ذیل ہیں۔

۱. دینِ اسلام کو جاری و ساری رکھنے کے لئے وحدت اور مرکزیت کی سخت ضرورت ہے۔

۲. خلافت اور امارت کے سلسلے میں اختلافات وقتی تھے، جو جلدی ختم ہو گئے۔

۳. حضورؐ پاک اور صحابہ کرامؓ کی شان کو سمجھنا ضروری ہے۔ جو مسلمان یہ نہیں سمجھتا اور اس سلسلے میں اپنی انکساری کا اظہار نہیں کرتا، اس کے تجزیئے اس کے عقلی پیمانوں کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ایسا شخص یا تو غیروں کے فلسفوں سے متاثر ہوتا ہے یا اسلام کے فلسفۂ حیات اور زندگی کے مقاصد کو نہیں سمجھتا۔

۴. اگر اسلامی فلسفۂ حیات اور حضورؐ پاک کے نبی مبعوث ہونے اور اسلام کے قافلے کو صراطِ مستقیم پر رواں دواں رکھنے کے نظریہ کو سمجھ لیا جائے تو پھر سارے اختلافات مٹ جاتے ہیں۔

۵. تاریخ میں غیر ضروری لفّاظی اور اضافی باتیں لکھنے والے لوگوں کے تجزیوں کو نظر انداز کیا جائے۔

۶. جناب صدّیق اکبرؓ کی فوجی حکمت عملی اور حضورؐ پاک سے ان کی رفاقت کی وجہ سے اُن کی شان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپؓ نے اپنی تمام تر کارروائیوں کی بنیاد حضورؐ پاک کی غلامی پر رکھی اور مسلمانوں کا عمل اسی بنیادی فلسفہ سے شروع ہوتا ہے۔

۷. سیّدنا علیؓ اور جناب فاطمہؓ الزہرا کو جو بلندیاں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں، ان کو اپنے دنیاوی پیمانوں سے نہ ناپا جائے اور عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کیا جائے جو کچھ ان ہستیوں نے کیا۔

۸. آگے واقعات ثابت کریں گے کہ حضرت علیؓ اور اُن کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ ہی اُن لشکروں کی کمان کر رہے تھے جو مدینہ شریف کے دفاع کے لئے باہر نکلے اور لشکر میں زیادہ تعداد بنو ہاشم اور حضورؐ پاک کے قریبی رشتہ داروں کی تھی کہ حضورؐ پاک کی وفات کی وجہ سے اُن میں سے اکثر حضرت اسامہؓ کے لشکر میں شریک نہ ہو سکے۔

۹. اسلام ایک اللہ اور ایک دین کے ماننے کا نام ہے اس میں علاقائی نسلی یا لسانی تعصّب کی اجازت نہیں۔ اس لئے اسلام کا وہ مزاج نہیں جو مغربی جمہوریت کا ہے۔ یہاں شرط، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ یہاں تعصّب یا نسلی معاملات کو ہوا دینے والے یا مرکز

کو کمزور کرنے والے غیر اسلامی فلسفوں کو لانے والے یا مادر پدر آزادی کے پرچار کرنے والے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۰۔ اسلام کی فوجی حکمتِ عملی ایک اللہ، ایک رسُول، ایک کتاب اور ایک امّت کے فلسفہ پر مبنی ہوتی ہے۔ یہاں اولی الامر کا حکم چلتا ہے۔ اس کو ہمیں مغربی عینکوں سے نہیں پرکھنا چاہیئے۔

۱۱۔ صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اُن کا طرزِ کلام سیدھا تھا۔ اور وہ پشتو اور پنجابی زبان کی طرح بے تکلّف ہو کر ایک دوسرے کو "تُو" کر کے پکارتے تھے۔ وہ اپنے اختلافات مُنہ پر بیان کر دیتے تھے اور جب اُن کے سامنے صحیح صورتِ حال بیان کی جاتی تو اختلافات کو بھول جاتے تھے۔ یہ ہمارے لئے عملی سبق ہے۔

دوسرا باب

منکرین و مرتدین کا ارتداد

حضورؐ پاک کی زندگی ہی میں یمن میں اسود عنسی بغاوت کر چکا تھا، لیکن حضورؐ پاک کی بیماری کی خبر سن کر چند دوسرے قبائل میں بھی بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان میں طلیحہ، سجاح اور مسلیمہ کذّاب نے تو نبوت کا بھی اعلان کر دیا تھا اور مدینہ شریف کو فوری خطرہ بھی طلیحہ سے تھا، کیونکہ بنی اسد، بنی سلیم اور غطفان قبائل میں سے کئی لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بلکہ ہوازن قبیلہ کے لوگ بھی کچھ بین بین ہی تھے۔ مسلیمہ کذاب گو نبوت کا اعلان کر چکا تھا لیکن وہ یمامہ میں بیٹھ کر اپنے قبیلہ بنو حنیفہ میں اپنی پوزیشن مضبوط کر رہا تھا۔ نقشہ اوّل میں چیدہ چیدہ باغی قبائل اور ان کے سرداروں کو الگ ظاہر کیا گیا ہے۔

اسود عنسی اور یمن کے واقعات

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یمن میں اسود عنسی کی بغاوت حضورؐ پاک کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکی تھی، لیکن وہاں پر کافی لوگ مسلمانوں کے وفادار رہے۔ حتیٰ کہ اسود کی بیوی آزاد بھی مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ شروع میں یمن کے معاملات بڑے بھیانک نظر آتے تھے۔ لیکن حضورؐ پاک اپنی زندگی ہی میں اسود کے قتل کی خوشخبری مسلمانوں کو سنا چکے تھے۔ گو قاصد کے ذریعے سے یہ خبر آپؐ کی وفات کے بعد حضرت اسامہؓ کے لشکر کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد ملی۔ یہ فتنہ تقریباً تین یا چار ماہ تک رہا اور اب اس طرف سے تسلی تھی

طلیحہ کی بغاوت

طلیحہ مختلف قبائل کو اکٹھا کر رہا تھا۔ بنی غطفان کے علاوہ، ہوازن اور طے قبیلے کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ بنو اسد اور بنی سلیم بھی اس کے ساتھ تھے۔ حضورؐ پاک کے زمانے

ہی ہیں مخبروں کو ادھر بھیجا جا چکا تھا۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے بعد چند مخبروں نے خود بخود آ کر حالات کا جائزہ پیش کیا۔ اور زکوٰۃ دینے سے تو تقریباً سب قبائل انکار کر چکے تھے۔ قریش مکہ کو چھوڑ کر یا طائف کے بنو ثقیف قبائل کے علاوہ ہر جگہ بغاوت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شمال کی طرف جہاں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا لشکر بھیجا گیا، اس راستے پر قضاعہ قبیلہ کے لوگ بھی باغی ہو چکے تھے اور جو چھوٹے چھوٹے قبائل اگر باغی نہ ہوئے تھے تو وفادار بھی نہ تھے لیکن جیسے ہی اُن قبائل نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو دیکھا وہ تتر بتر ہو گئے۔ ایسے قبائل میں سے اکثر نے دومۃ الجندل میں جا کر پناہ لی یا شر پسند جگہ جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت اسامہؓ اپنے مِشن پر رواں دواں رہے اور جناب صدیقِ اکبرؓ مدینہ شریف کے گرد و نواح کے باغی قبائل کے ساتھ از خود کسی بڑی جھڑپ کے لئے اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک حضرت اسامہؓ واپس نہ آ گئے۔

قبائل کا زکوٰۃ دینے سے انکار

جناب صدیق اکبرؓ نے البتہ حفظِ ماتقدم کے طور پر مدینہ شریف کے دفاع کو اور مضبوط بنایا اور جگہ جگہ قاصد بھیجے کہ باغی قبائل کے درمیان سے وفادار لوگ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ آ جائیں۔ قبیلہ طے سے جناب عدیؓ بن حاتم اور کئی چھوٹے قبائل سے جناب صفوانؓ اور جناب البرقانؓ وغیرہ کچھ دستوں کو لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ نقشہ اوّل کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد آپ پر ظاہر ہو گا کہ باغی قبائل کا زیادہ تعلق اس علاقہ سے تھا جو مدینہ شریف سے شمال اور شمال مشرق و مغرب کی طرف ہے اور سرزمین عرب کا یہ وسطی علاقہ بھی ہے۔ لیکن باغیوں کی بڑی بڑی جمعیتیں زیادہ تر نقرہ، ابرق اور بزوخا میں تھیں۔ یہ جگہیں نقشہ اوّل میں بھی ہیں لیکن ان کے محلِ وقوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے نقشہ دوم سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان باغیوں کے علاوہ مدینہ شریف کے نزدیک کے چھوٹے قبائل خاص کر ثعلبہ بن سعد، بنو اسد، مرہ اور عبسی[1]

---

[1] ان سب قبائل کی مسلمانوں کے ساتھ جھڑپوں کا ذکر جلالِ مصطفےٰؐ کے ضمیمہ میں تفصیل سے موجود ہے کہ حضور پاکؐ نے کیسے ان کے خلاف حربی کارروائیاں کی تھیں۔

کے کچھ لوگ ذوقصہ میں بھی اکٹھے ہو گئے۔ طلیحہ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے بھائی حبال کو بھی اپنے قبائل کے ایک دستہ کے ساتھ ان شرپسند قبائل کی طرف بھیج دیا، جس نے آکر ان قبائل کی عارضی سپہ سالاری بھی سنبھال لی۔

چنانچہ اِن قبائل نے اپنے کچھ لوگوں کو وفد کی صورت میں مدینہ شریف بھیجا جمقصد حالات کو قریب سے دیکھنے کا بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس وفد کی حسبِ دستور مہمانداری کی۔ لیکن ان لوگوں کے خیالات اور ارادوں میں تبدیلی آ چکی تھی۔ کہنے لگے کہ وہ نماز ضرور پڑھیں گے۔ لیکن زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ وہ اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی سننا پسند نہ کریں گے اور زکوٰۃ کی رقم کا پیسہ پیسہ وصول کریں گے۔

تبصرہ

اب اسلام اگر جدید طرز کا جمہوری نظام ہوتا تو فیصلہ ہو جاتا کہ زکوٰۃ کا معاملہ ختم ہے۔ کیونکہ اکثریت نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن اسلام میں اللہ کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اولی الامر کو اس سلسلہ میں اللہ کے احکام کی پیروی کرنی ہوتی ہے۔

قبائل کا ردِّ عمل

بہرحال اہلِ وفد حیران تھے کہ مدینہ شریف میں ان کو جنگجو لوگ کم ہی نظر آرہے تھے اور یہ چیز ان کی سمجھ سے باہر تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کس بل بوتے پر یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ اس چیز کی سمجھ ان کو بعد میں آئی جب وہ اسلام میں دوبارہ داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ یاں اسلام دین فطرت ہے اور یہاں پر عقیدہ کی حفاظت کے لئے غیرت کی موت یا شہادت کو زندگی پر ترجیح دی جاتی ہے اور مسلمان گیدڑ کی زندگی کی بجائے شیر کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔

باغی قبائل کی مدینہ شریف کی طرف پیش قدمی

بہرحال اس وقت مختلف وفدوں کے لوگوں نے واپس جاکر اپنے قبائل کو بتایا کہ مدینہ شریف کی

حالت کمزور ہے اور حملہ کے لئے بہترین وقت آگیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ذوقصہ سے ذوحسی کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ دونوں شہر اب وہاں موجود نہیں۔ ان کا مدینہ شریف سے فاصلہ کوئی بیس پچیس میل تھا لیکن صحیح طور پر یہ کہنا کہ یہ لوگ مدینہ شریف کے کتنے نزدیک پہنچ گئے، کافی مشکل ہے۔ بہر حال جناب صدیق اکبرؓ باخبر تھے اور مدینہ شریف بھی اس طرح خالی نہ تھا جس طرح وفد کے لوگوں نے سمجھ لیا۔ یا جن مبصروں کو حضرت اسامہؓ کے لشکر والی حکمتِ عملی صحیح نظر نہیں آئی تھی - واقعات ظاہر کریں گے کہ ان کا تبصرہ جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے مدینہ شریف کا انفعالی دفاع بھی نہ کیا بلکہ حضور پاکؐ سے سیکھے ہوئے طریقہ کے مطابق آپؓ نے متحرک دفاع اختیار کیا۔ مجاہدین کو تین چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کیا اور ان کی کمان عشرہ مبشرہ سے جناب علیؓ، جناب زبیرؓ اور جناب طلحہؓ کے سپرد کی۔ بلکہ طبری کے مطابق ایک چوتھا لشکر بھی تیار کیا گیا جس کی کمان جناب عبداللہؓ بن مسعود کو سونپی گئی اور ان تمام لشکروں کو باغیوں سے دو دو ہاتھ کرکے بھگا دینے کی ذمہ داری سونپی۔ باغیوں نے اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو ذوحسی میں چھوڑا اور باقی لشکر کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف پیش قدمی کی۔ مسلمان لشکر اپنی منتخب کی ہوئی زمین پر متحرک دفاع اختیار کئے ہوئے تھے اور دشمن کے حملہ کے منتظر تھے۔ دفاع میں تدبیرات کے صحیح استعمال کے لئے "اصولِ انتظار" کے تحت کارروائی کرنے میں بڑے سلیقے اور ہنر کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمان یہ سب جانتے تھے۔ کافی انتظار کے بعد بھی جب دشمن کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہو سکا تو مسلمان سمجھ گئے کہ بھان متی کے کنبہ کے پاس، حملہ کی کوئی خاطر خواہ تجویز نہیں ہے اور جناب صدیق اکبرؓ سے اجازت لینے کے بعد مسلمان دستے مرتدین پر ٹوٹ پڑے۔ مرتدین کا کافی نقصان ہوا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے بے ترتیبی سے پسپائی اختیار کی۔

دشمن کا تعاقب

مسلمانوں کے پاس سواری کے جانور نہ تھے۔ اس لئے حضور پاکؐ سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق وہ دشمن کا تعاقب نہ کر سکے اور دشمن کی پسپائی بھی کسی تجویز کے تحت نہ تھی۔ بہرحال مسلمانوں نے کچھ بار برداری والے اونٹ اکٹھے کئے اور کچھ دستوں کو ان پر سوار کر کے دوسرے دن دشمن کی

نقشۂ اوّل

خلیفۂ اوّل جناب صدّیقِ اکبرؓ کی خلافت
عرب کے شہروں اور باغی قبائل و سرداروں کا نقشہ

بحیرہ روم
شمال
دمشق
غسان
موتہ
قضاعہ
تبوک
دومۃ الجندل
یہود
خیبر
جالبدہ
طے
سلمہ
اسد طلیحہ
بزوخا
ظفر
یناج
مدینہ
فزارہ
سجاح
مالک
کاظمہ
سلیم
لطاح
نقرہ
تمیم
مسیلمہ
یمامہ
مکہ
طائف
یربوع
حنیفہ
بحرین
بحیرہ قلزم
جدّہ
خلیج فارس
ہجر
مہرہ
ازد
نجران
ناجیہ
عمان
(اومان)
کندہ
اشعث
لقیط
صنعا
اسود عنسی
یلیح
حضرموت
یمن
عدن
بحیرہ عرب

۱۵۰ ۰ ۱۵۰ ۳۰۰ ۴۵۰ میل

وضاحت
۱. شہر باریک قلم میں
۲. باغی قبائل موٹے قلم میں
باغی سردار کے نام کے نیچے لکیر۔

خبر حاصل کرنے یا تعاقب کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے گھوڑے اور شتر، حضرت اسامہؓ کے لشکر کے ساتھ چلے گئے تھے۔ مسلمانوں کے یہ دستے جب ذوحسی کے قریب پہنچے، تو مرتدین نے اونٹوں کے پاؤں میں پانی کے کپے ڈال دیئے۔ یہ کپے رسیّوں سے باندھے ہوئے تھے اور اچانک ان کو کھینچ کر اونٹ کے پاؤں پر پھینک دیا جاتا تھا۔ اونٹ لڑائی والے نہ تھے۔ وہ ڈر گئے اور شتر بے مہار ہو گئے اور اپنے سواروں کو لے کر مدینہ شریف پہنچ گئے اور وہاں بڑی مشکل کے ساتھ ان کو روکا گیا۔ اس چال اور داؤ سے دشمن بہت خوش ہوا اور اس نے سمجھا کہ مسلمان دستوں کو شکست ہو گئی ہے، حالانکہ یہ دیکھ بھال یا تعاقب والے دستے تھے۔ مسلمانوں کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کو پتہ چل گیا کہ ان کی حرکت محدود ہو گئی تھی اور ان کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ وہ مدینہ شریف کا دفاع محدود، متحرک طریقہ سے کریں۔ یعنی نزدیک سے کریں

مرتدین کی مدینہ شریف پر دوسری یلغار

مسلمانوں نے مدینہ شریف کا دفاع اب بہتر طریقہ سے اپنایا۔ وفادار قبائل سے کچھ اور کمک بھی پہنچ گئی تھی، جن میں حضرت عدیؓ، ان کے ساتھی اور بنو تمیم کے حضرت قعقاعؓ اور بنو اسد کے حضرت ضرارؓ وغیرہ اسلام پر قائم تھے اور آگے چل کر یہ لوگ اسلام کے عظیم مجاہدین کے طور پر ہماری تاریخ کے درخشندہ ستارے بن کر چمکے۔ بہر حال اس امداد کی وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ نے مدینہ کا ایک بیرونی دفاع تیار کیا، اور کچھ صحابہؓ، عورتوں اور بچوں کو اندرونی دفاع یعنی خندق کے ذریعہ دیکھ بھال کرنے اور چوکنا رہنے پر مامور کیا۔ مدینہ کے بیرونی دفاع کے لئے خلیفہ اوّل خود درمیان میں تھے۔ مرتدین نے ذوحسی سے آگے بڑھ کر پھر مدینہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اونٹوں کو بھگا دینے کے بعد وہ خوشی میں ذوحسی سے چل تو پڑے، لیکن مدینہ کے باہر آ کر رک گئے۔ مسلمانوں کا لشکر مدینہ کے باہر موجود تھا۔ رات کے اندھیرے میں خلیفہ اوّل نے صف آرائی کی۔ نعمانؓ بن مقرنؓ میمنہ پر، خلیفہ اوّل درمیان میں، عبداللہؓ بن مقرنؓ میسرہ پر اور سویدؓ بن مقرنؓ عقب میں ریزرو تھے۔ یہ صف آرائی کچھ اس قسم کی تھی جس طرح آجکل بھی ہم رات کے حملہ کے لئے کرتے ہیں اور اس صف آرائی کے ساتھ

مسلمانوں نے سحری کے وقت مرتدین پر شبخون مارا۔ دشمن جو یلغار کے لئے آیا تھا، خود یلغار کا شکار ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے سوئے ہوئے دشمن کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ جب کچھ روشنی ہوئی، تو دشمن کی لاشیں تھیں یا بے ترتیبی میں دشمن بھاگ رہا تھا۔

تبصرہ

یہاں پر دو نکتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ حضرت مقرنؓ انصار تھے اور ان کا نام عبیدؓ تھا۔ جنگِ بدر میں چار قیدیوں کو جوڑی جوڑی باندھنے کی وجہ سے مقرنؓ کا نام پڑ گیا۔ آپؓ کے دس بیٹے تھے اور سب نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور بڑے بلند مقامات پر پہنچے۔ ہماری اس کتاب میں اکثر اس عظیم باپ کے عظیم فرزندوں کے نام جگہ جگہ آئیں گے۔ اس لئے پہلے سے تعارف ضروری ہے۔ دوسرا پہلو رات کے حملہ کا ہے۔ دنیا کی عسکری تاریخ میں رات کے حملے کا ذکر کہیں مشکل سے ملتا ہے۔ مشہور جنگی ماہر کلاسوٹز رات کے حملہ کے بارے میں خاموش ہے۔ انگریز تو رات کے وقت دشمن کے علاقہ میں حرکت بھی نہ کرتے تھے۔ ہمارے موجودہ صوبہ سرحد کے علاقہ میں رات کو کسی دوسری پکٹ کو کمک تک نہ بھیجتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں پہلی دفعہ مچنی کے قلعہ سے آگے کسی پکٹ پر ایسی کارروائی پہلی دفعہ کی گئی اور انگریزوں کی اس خطہ کی عسکری تاریخ میں یہ یادگار دن ہے لیکن مسلمان ایسی کارروائی آج سے چودہ سو سال پہلے کر رہے تھے۔

دشمن کا تعاقب

اس دفعہ مسلمان تعاقب کرنے کے لئے بہتر حالت میں تھے۔ دشمن کا کافی نقصان ہوا تھا۔ وقت موزوں تھا۔ سارا دن اس کام پر صرف ہو سکتا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے تعاقب کرنے کے لئے خود دستوں کی کمان سنبھالی اور سارے راستے دشمن کو سنبھلنے نہ دیا۔ چنانچہ دوسرے دن مرتدین کو ذوقصہ میں جا لیا۔ وہاں پر وہ کوئی منظم مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کی صفوں میں ابتری آ چکی تھی اور مسلمانوں کی یلغار کی تاب نہ لا کر ذوقصہ سے بھی بھاگ گئے۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نے ان کا کئی میل تک تعاقب کیا۔ ذوقصہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے حضرت نعمانؓ بن مقرنؓ کو ایک

دستہ کے ساتھ وہاں متعین کر دیا اور خود باقی لشکر کے ساتھ مدینہ شریف واپس آ گئے۔

حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی واپسی

اس واقعہ سے صرف دو دن بعد حضرت اسامہؓ تقریباً دو ماہ کے سفر اور حربی مظاہرے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ واپس آ گئے۔ یعنی جمادی الاوّل کے درمیان میں واپس آئے۔ قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی اور ان کو تتر بتر کیا جا چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت اسامہؓ تبوک، دومۃ الجندل موتہ اور وادیٔ بلقا میں دُور دُور تک گئے۔ حضرت اسامہؓ نے کوئی بڑی جنگ نہ لڑی۔ البتہ بنو کلب اور بنو غسّان کے ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔ یہ قبائل جنگِ موتہ کے وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکے تھے۔ اس مہم میں حضرت اسامہؓ نے ان کا کافی نقصان کیا۔ مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا۔ اور مسلمانوں کا رُعب دُور دُور تک بیٹھ گیا۔ اور اس طرح شمال کی طرف سے مسلمانوں کے لئے خطرات کم ہو گئے۔ اور جن جن قبائل کے علاقوں سے مسلمان لشکر گزرا وہ بھی اس حربی مظاہرے سے دب گئے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بات بھول بھی جائیں کہ حضورؐ پاک کا حکم ماننا ہی بہت بڑی حکمتِ عملی ہوتی ہے اور صرف عقلی اور دنیاوی پیمانوں سے اس مہم کا تجزیہ کیا جائے تو اس مہم کو حکمتِ عملی کا ایک شاہکار کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند نکتے حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ مدینہ شریف کسی بڑے خطرے سے دوچار نہ تھا۔ قبائل کے گروہ بھان متی کے کنبہ کی طرح تھے۔ وہ کوئی خاص فوجی کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ واقعات اس تجزیہ کے ثبوت میں جاتے ہیں۔

۲۔ اس قسم کے حربی مظاہرے سے غسّانی اور دوسرے عیسائی قبائل پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔ اور صدیقِ اکبرؓ نے سال، ڈیڑھ سال کے بعد جو شام و فلسطین کو فتح کرنے کی حکمتِ عملی بنائی اس کی بنیاد حضرت اسامہؓ کے لشکر نے رکھ دی تھی۔ اور دوسرے مرحلہ میں حضرت عمروؓ بن عاص، حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کی کارروائیاں اس سلسلہ کی کڑیاں تھیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بہرحال حضرت اسامہؓ کی مہم کی وجہ سے جناب صدیقِ اکبرؓ شمال کی طرف سے بے فکر ہو کر دیگر حکمت عملیوں کا تعین کرتے رہے۔

۳ - نقشۂ اول کا مطالعہ ظاہر کرے گا کہ مرتدین کا زیادہ زور مدینہ کے شمال یا وسطی عرب میں تھا۔ ویسے تو بغاوت، بحرین، ادمان اور یمن کے متعدد علاقوں اور حضرموت وغیرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں جب حضرت اسامہؓ کے لشکر کے حربی مظاہرہ سے جو کامیابی ہوئی، تو اس سے نہ صرف وسطی عرب کی بغاوت ختم کرنے میں جلد کارروائی ہو سکی۔ بلکہ مشرق میں پیشقدمی کر کے یمامہ کو بھی کفر سے پاک کر دیا گیا۔ اور بے فکر ہو کر یمامہ کے محاذ سے آگے بڑھ کر مسلمانوں نے اسلام کے پرچم کو عرب کی سرحدوں سے باہر، پہلے عراق اور پھر ایران کی طرف پیش قدمی کر کے لہرا دیا۔

۴ - خلفاءِ راشدین کی کتاب کے اس پہلے حصّہ میں ہمارا موضوع بھی فتوحاتِ ایران و عراق ہے اور اس کے لئے جو حکمتِ عملی بنائی گئی اس کا جائزہ پیش کرنا ہے۔ اور شام و فلسطین کی فتوحات کو حصّہ دوم میں۔ اوّل حضرت اسامہؓ اور دوم خلیفۂ اوّل کی باقی حکمت عملی کے واقعات ملا کر پیش کریں گے۔ آگے ضروری مقامات پر اس بارے میں اشارے موجود ہوں گے۔ جناب صدیق اکبرؓ کی ساری حکمتِ عملی کو سمجھنے کے لئے اُس زمانے کے بین الاقوامی حالات کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے سب سے پہلے عراق کے محاذ کو کیوں چنا؟ اور اس میں کیا راز تھا؟ ان سب باتوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

ا :- اوّل عراق کے لوگ ایرانیوں کے محکوم تھے اس لئے وہاں پر مسلمانوں کی کامیابی کی جلدی امید تھی اور ایسے ہی ہوا۔

ب :- دوم ایران کی بادشاہت میں کچھ کمزوریاں آ رہی تھیں، اُن سے فائدہ اٹھانا تھا۔ بلکہ وہاں پر حضورؐ پاک کے زمانے میں ایک عورت حکمران بن گئی اور ایک سے زیادہ عورتیں تخت پر براجمان ہو چکی تھیں۔ حضورؐ پاک فرما گئے تھے کہ جن ملکوں میں مردوں کی جگہ، حکومت عورتوں کے ہاتھوں میں چلی جائے، تو وہاں معاملات خراب صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

ج :- سوم ایران کی بادشاہت کو ایشیا میں وسعت تو کافی تھی، لیکن روم کے مقابلہ میں جغرافیائی سیاسی یعنی جیوپولیٹیکل حیثیت سے کچھ کم تر تھی۔

د :- ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے جناب صدیق اکبرؓ، جو حضورؐ پاک کے ہمراز تھے، اُن کو

ضرور معلوم ہوگا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ ان کی حکمتِ عملی میں عراق و ایران کی فتح کو ترجیح حاصل تھی۔ اس لئے حضرت اسامہؓ کی مہم اصل کارروائی سے پہلے ایک "انحرافی" کارروائی کا مظاہرہ بھی تھی۔

س ر :۔ صحابہ کرامؓ کی شان کو ہم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کیا جانتے تھے یا کیا کچھ کر سکتے تھے، اس بارے میں یہ نکتہ یاد رکھیں کہ سرکارِ دو عالمؐ کی رفاقت اور نگاہ نے ان کو وہاں پہنچا دیا تھا، جس کا تصوّر کرنا ہم گنہ گاروں کی بس کی بات نہیں۔

ذاتی مثال

حضرت اسامہؓ کے لشکر کے واپس مدینہ شریف پہنچ جانے پر جناب صدیقِ اکبرؓ کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور جناب اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور ان کے لشکر کو آرام کی تاکید کی۔ اور باقی جو لوگ مدینہ میں موجود تھے، ان میں سے ایک لشکر تیار کیا۔ سواری والے جانور حضرت اسامہؓ کے لشکر سے لیئے اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ مرتدین کے قلع قمع اور ان پر بھرپور وار کرنے کے لئے وہ خود اُس لشکر کی کمان کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس لشکر میں عظیم صحابہ جناب عمرؓ، جناب عثمانؓ، جناب علیؓ، جناب عبدالرحمٰنؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، جناب سعدؓ اور جناب ابوعبیدہؓ وغیرہ سب شامل ہوں گے۔ اور گو تاریخ دان اس سلسلہ میں لشکر کی تعداد اور فوج کے ناموروں کے ناموں کا ذکر نہیں کرتے، شاید ان میں سے کچھ صحابہؓ حضرت اسامہؓ کے لشکر کے ساتھ گئے ہوں۔ لیکن حضرت اسامہؓ کو نائب بنانا اور پھر صرف ان کے ساتھیوں کو آرام کی تاکید کرنا' ظاہر کرتا ہے کہ جو لوگ مدینہ میں رہ گئے تھے' وہ اس لشکر میں ضرور شامل ہوں گے۔ بہرحال روایت ہے کہ کچھ صحابہؓ نے عرض کی کہ خلیفہ کی بجائے کسی اور صاحب کی سپہ سالاری میں یہ کام انجام پائے۔ لیکن صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ بسم اللہ ان کو خود کرنا ہوگی۔ اس حکمتِ عملی میں یہ راز پنہاں تھا کہ آگے چل کر خلیفہ' وقت پر کام کا زیادہ بوجھ پڑنے والا تھا اور مدینہ شریف کو ایک مستقر کے علاوہ' اب ایک مرکز یعنی ایک BASE بھی بن جانا تھا۔ اور شاید اس کے بعد خلیفہ بنفسِ نفیس لشکر کی کمان نہ کر سکیں۔ باقی مسلمانوں کو بھی دن

رات ایک کر کے جہاد میں مصروف ہو جاتا تھا، اس لئے یہ ذاتی مثال ضروری تھی۔ کیونکہ اسلام کی رُو سے ایک لیڈر کو نہ صرف وہی کرنا پڑتا ہے جو اُس کے ماتحت کو کرنا ہوتا ہے بلکہ اس کو چند قدم آگے بھی رہنا پڑتا ہے۔

اس سے پہلے جب لشکرِ اسلام نے مرتدین کو مدینہ شریف کے نزدیک شکست دی تھی تو اُس کے اثرات کے طور پر مدینہ شریف کے گرد و نواح میں تو کافی مرتدین واپس اسلام میں داخل ہو گئے تھے، لیکن شمال میں ابرق تک کے علاقہ کو مرتدین سے جلد خالی کرانا ضروری تھا، تاکہ وفادار مسلمان یا تو آسانی سے مدینہ شریف میں آسکیں، یا جہاں کہیں وہ مرتدین کے اندر گھرے ہوئے تھے، ان کو وہاں سے نکالا جائے۔ گو پہلے ان تمام علاقوں پر صرف بنو ثعلبہ کا غلبہ تھا، لیکن بعد میں بنی ذبیان اور بنی عبس وغیرہ نے بھی ان علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا۔

لشکرِ اسلام کی فتح

چنانچہ جمادی الثانی میں جناب صدیق اکبرؓ اپنے لشکر کے ساتھ پہلے ذوقصہ پہنچے جہاں نعمانؓ بن مقرنؓ پہلے سے موجود تھے۔ حضرت نعمانؓ فاتح نہاوند بھی ہیں اور کتاب کے آخری حصہ میں تو ان کے ذکر سے ہمارا خون ضرور گرم ہو جائے گا۔ لیکن باقی جنگوں میں بھی آپ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے جنگِ اُحد میں آپ اُن تین لڑکوں میں شامل تھے جن کو جنگ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی بہرحال جناب صدیق اکبرؓ نے ذوقصہ پہنچ کر حضرت نعمانؓ اور آپؓ کے بھائیوں کو لشکر کی کمان کا وہی شرف عطا کیا، جو تینوں عظیم بھائیوں نے مرتدین پر سحری کے وقت حملہ میں حاصل کیا تھا۔ اور اس ترتیب سے جناب صدیق اکبرؓ ابرق پہنچ گئے۔ آگے مرتدین صف بندی کر کے جنگ کے لئے تیار تھے۔ مؤرخین نے لشکروں کی تعداد کی مکمل وضاحت نہیں کی، سوائے اس کے کہ مرتدین کو برتری حاصل تھی۔ اور بہتر تدبیرات اور جذبۂ جہاد کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی مرتدین کے سردار حارث اور عوف بھاگ گئے اور سمیرہ میں جا کر طلیحہ کے ساتھ مل گئے۔ حطیہ زندہ گرفتار ہوا۔ اور نزدیک کے قبائل نے توبہ کر لی۔ یہ لوگ نہ صرف واپس اسلام میں داخل ہو گئے اور زکوٰۃ ادا کر دی بلکہ اسلامی لشکر کی مہمانداری کی اور تحائف بھی پیش کئے۔ یہ ایک

بہت بڑی فتح تھی. جناب صدیقِ اکبرؓ نے وفادار مسلمانوں کو اس علاقہ میں اکٹھا کیا اور علاقہ کا بندوبست ان کے سپرد کر دیا اور خود جلدی واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یہاں پر صرف چند دن قیام کر کے حکومت کے دیگر معاملات سلجھائے (جناب صدیقِ اکبرؓ کی اس پیش قدمی اور حربی مظاہرہ کو نقشہ دوم پر دکھایا گیا ہے)

اسلامی فوج کھلی فضاؤں میں

مدینہ شریف میں جناب صدیق اکبرؓ نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا جن میں حضرت اسامہؓ کے لشکر کے مجاہد، اردگرد سے آئے ہوئے مجاہد اور دوسرے لشکر جن کا ذکر ہو چکا ہے ان کے مجاہد، سب کو شامل کیا اور جمادی الثانی ہی کے مہینہ میں ذوقصہ کا رخ کیا وہاں مجاہدین کی کھلی فضاؤں میں تنظیم کی، ان کو ترتیب دی اور آنے والے زمانے کے لئے اپنی حکمتِ عملی کی چیدہ چیدہ باتوں سے مجاہدین کو آگاہ کیا۔ آپؓ نے اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا، اُن پر امیر مقرر فرمائے اور انہیں نشان اور عَلَم عطا فرمائے اور ان کے امیروں کو آئندہ کے لئے ذمہ داری سونپی۔ یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ گیارہ کے گیارہ لشکر اسی ایک دن تیار ہو گئے، لیکن بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لشکر کسی حد تک مکمل تھے. کچھ آدھے تھے اور کچھ کے ڈھانچے تھے۔ کہ بعد میں نفری پوری کر دی جائے گی۔ احکام زبانی تھے لیکن اس طرح تھے جس طرح آجکل ہم جنرل ہیڈ کوارٹر سے کوئی احکام یا اوپریشنل آرڈر جاری کرتے ہیں۔ ایسے احکام کو مدینہ شریف سے جاری کرنے کی بجائے آپؓ نے ذوقصہ کی فضاؤں کو منتخب کیا کہ "نیلے تنبو" کے نیچے رہ کر معاملات کی جو سوجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے وہ ایئرکنڈیشنڈ کمروں میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ جناب صدیقِ اکبرؓ اس فوج کو سرگرم عمل رہنے کا سبق دے رہے تھے، جس کی بنیاد حضورؐ پاک رکھ گئے تھے۔ اور اب ان لوگوں نے دنیا فتح کرنی تھی اور اس کے لئے بیابان اور کھلی فضاؤں کی تربیت زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقیؓ و سلمانیؓ (اقبالؒ)

لشکر اور ذمّہ داریاں

لشکروں کو جو ذمّہ داریاں سونپی گئیں انکو نقشۂ اوّل اور دوم سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن تمام تر لشکروں کی ذمہ داریوں کو کسی ایک نقشے پر واضح کرنا مشکل تھا۔ پھر یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ ذمہ داری اور کارروائی کے لیئے الگ الگ نقشے بنائے جائیں۔ ذمّہ داریوں میں تبدیلیاں بھی ہوئیں چنانچہ نقشۂ سوم میں پہلے پانچ لشکروں کی کارروائی دکھائی گئی ہے اور نقشۂ چہارم میں اگلے پانچ کی۔ گیارھواں لشکر ریزرو ہی رہا۔ لشکروں کو ہدایات مکمل طور پر دی گئیں جن کی تفصیل بعد میں ہر لشکر کے ذکر کے ساتھ آئے گی۔ بلکہ خلیفۂ وقت نے اپنی تجاویز اور نتائج کو جسے ہم FORECAST OF OPS کہتے ہیں وہ بھی بتا دیئے اور پھر اپنی پوری کارروائی کو واضح کیا۔ اوقات مقرر فرمائے اور جنگی حکمتِ عملی کو واضح طور پر بیان کیا۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ لشکروں کی ذمہ داریوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ باقی پہلو آگے خود عیاں ہو جائیں گے۔ مختصر ذمہ داریاں حسب ذیل تھیں:۔

۱۔ حضرت خالدؓ بن ولید:۔ اوّل بزوخا میں طلیحہ کا قلع قمع پھر بطحا میں مالک بن نویرہ کا خاتمہ اس کے بعد اگلے احکام کے لئے تیار رہنا۔ جو دراصل مسلیمہ کذاب کی سرکوبی تھی۔

۲۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل:۔ یمامہ کے نواح میں پہنچ کر مسلیمہ کذاب پر نظر رکھنا۔ لیکن جب تک زیادہ فوج اکٹھی نہ ہو جائے اور مدینہ شریف سے احکام نہ ملیں تو کسی بڑی لڑائی سے گریز کرنا۔ ظاہر ہے خلیفہ اوّلؓ، خالدؓ کی فتوحات کے منتظر تھے اور یہ کٹھن کام خالدؓ اور بڑی قوت سے کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کا کام مسلیمہ کذاب کو محدود کرنا تھا تاکہ وہ کسی اور کی مدد نہ کر سکے اور نہ کسی سے مدد لے سکے۔

۳۔ حضرت شرجیلؓ بن حسنہ، حضرت عکرمہؓ کے پیچھے ریزرو کا کام کریں اور خلیفہ کے احکام کا انتظار کریں۔ دراصل یہ لشکر بھی بعد میں حضرت خالدؓ کے لشکر کا حصہ ہو گیا۔ تینوں لشکروں نے مل کر مسلیمہ کے خلاف کارروائی کرنا تھی کہ وہ بڑا خطرناک دشمن تھا

۴۔ حضرت عمروؓ بن عاص:۔ پہلے بنو قضاعہ کے علاقے میں جا کر حربی مظاہرے کریں کہ وہ لوگ حضرت اسامہؓ کو دیکھ کر تتر بتر ہو گئے تھے اور ان کی واپسی کے بعد پھر اکٹھے ہو رہے

تھے۔ اس کے بعد قضاعہ کے علاقوں سے نکل کر دومتہ الجندل کے علاقوں تک حربی مظاہرے جاری رکھے جائیں گے۔

۵۔ حضرت خالدؓ بن سعید :۔ شام و فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ کے علاقہ کے قبائل کی سرکوبی اور وہاں مظاہرے (چوتھے اور پانچویں لشکر نے دراصل اہل روم پر نظر رکھنا تھی) اس حکمتِ عملی کا پہلا مرحلہ حضرت اسامہؓ کا لشکر تھا۔ یہ کارروائی کا دوسرا مرحلہ تھا، اور تیسرا مرحلہ دوسری کتاب میں بیان کیا جائے گا۔

۶۔ حضرت طریفہؓ بن حاجز :۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ شریف کے درمیان کے علاقوں میں بنو سلیم اور بنو ہوازن کے مرتدین کا مزاج درست کرنا۔

۷۔ حضرت حذیفہؓ بن محصن :۔ علاقہ اومان یا عمان کے باغی قبائل کی سرکوبی کرنا۔

۸۔ حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ :۔ علاقہ مہرہ میں باغیوں کی سرکوبی (نمبر شمار ۷ اور ۸ کے علاقے ساتھ ساتھ تھے۔ حکم دیا گیا کہ اکٹھا ہو جانے کی صورت میں جس کا علاقہ ہوگا، وہی سپہ سالارِ اعظم بن جائے گا)۔

۹۔ حضرت مہاجرؓ بن امیہ :۔ آپؓ کو یمن اور خاص کر کندہ اور حضرموت کے علاقے میں مامور کیا گیا۔ دراصل آپ بھی نمبر شمار ۷ اور ۸ کے نزدیک تھے اور یہ لشکر بعد میں اکٹھے بھی ہو گئے۔

۱۰۔ حضرت علاءؓ بن الحضرمی :۔ آپؓ کو آپ کے پرانے علاقے بحرین ہی میں مامور فرمایا۔

۱۱۔ حضرت سویدؓ بن مقرنؓ :۔ آپؓ یمن اور مکہ مکرمہ کے راستوں والے علاقہ کے ذمہ دار تھے۔ لیکن آپ کو زیادہ تر ریزروہی میں رہنا پڑا۔

خلیفہؓ اول کی حکمتِ عملی کا جائزہ

خلیفہ اوّل نے لشکروں کو جو ذمہ داریاں سونپیں، ان میں سے صرف نمبر شمار ۴ اور ۵ میں حضرت عمروؓ بن عاص اور حضرت خالدؓ بن سعید کا رخ، شام و فلسطین کی طرف تھا۔ باقی تمام لشکروں کا رخ یا کام ایسا تھا کہ اپنی کارروائی کو ختم کرنے کے بعد، وہ آسانی کے ساتھ کا نظمہ

کی طرف سے نچلے عراق پر یلغار کر سکتے تھے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ دومۃ الجندل کے راستے عراق پر اوپر یعنی شمال سے بھی حملہ کرنا چاہتے تھے، اور اس کا آگے بھی ذکر آئے گا۔ لیکن ایسی مہم کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے مرحلہ میں مسلمان دریائے فرات کو پار نہیں کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصود حیرہ تھا۔ آگے چل کر اس پہلو کی کھل کر وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لئے بہترین طریقہ وہی تھا جو خلیفہ اوّل نے اختیار کیا۔ اسی دوران جناب صدیق اکبرؓ مدینہ شریف میں کئی اور مجاہدین کو تربیّت دے رہے تھے۔ جناب ابوعبیدہؓ بن جراح اور یزیدؓ بن ابوسفیانؓ کے ماتحت فتوحاتِ شام کی بھی تیاریاں ہو رہی تھیں جن کا ذکر دوسری کتاب میں ہوگا۔ اس حکمتِ عملی کا انحصار اس پر تھا، کہ عراق میں حیرہ تک کے علاقوں پر قبضہ کرنے میں کتنی کامیابی اور کب تک یہ کامیابی ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد شام و فلسطین کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ آگے چل کر حیرہ کی فتوحات کے بعد دونوں محاذوں کی حکمتِ عملیوں کے تانے بانے ملا کر تمام حالات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے کہ مسلمانوں نے اس طرح آسانی کے ساتھ دنیا کو فتح نہ کر لیا تھا۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے موّرخین میں سے اکثر نے اور خاص کر بعد کے زمانے کے موّرخین نے تمام تر جنگی کارروائیوں کو الف لیلیٰ کی کہانیوں کے طور پر پیش کیا۔ زیادہ تر میمنہ، میسرہ، جیش المقدم اور عقب کا ذکر اس طرح کیا کہ تدبیرات ساری کی ساری پوری ہو گئیں، اور اہلِ قلم بھی "سرخرو" ہو گئے حقیقت بڑی گہری ہوتی ہے اس کو کھودنا پڑتا ہے۔ اور شائد ہم اس کو کرید بھی نہ سکیں۔ یاد رکھیں کہ مسلمان با مقصد جنگ لڑتے تھے۔ لوگوں کو غاصبوں کی غلامی سے چھٹکارا دلا کر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرتے ہیں، ملک نہیں فتح کرتے، لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ غیروں نے ہماری جنگوں کو اپنے تعصّب کی وجہ سے قہر و جبر کی جنگوں کا نام دے دیا۔ یہ بہت بڑی سازش ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے :-

یہ جبر و قہر نہیں، یہ عشق و مستی ہے ۔ کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بانی

(اقبالؔ)

مُرتد قبائل کے نام خط

جناب صدیقِ اکبرؓ نے اپنے لشکروں کو ان میں سے ہر ایک مقصود کی طرف روانہ کرنے سے پہلے تمام مرتد قبائل کو ایک ہی مضمون کے خط لکھے۔ ان خطوط میں اللہ کی حمد اور حضورؐ پاک پر سلام بھیجنے کے بعد، اسلام کے عقائد اور فلسفۂ حیات بیان فرمایا اور تفصیل کے ساتھ وضاحت کی کہ دینِ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور یاد دلایا کہ اب ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ کیونکہ ابوبکرؓ نے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ اور اولی الامر کے طور پر ان پر فرض ہے کہ اللہ کے احکام نہ صرف جاری و ساری کریں، بلکہ ان پر عمل بھی کرائیں، وغیرہ۔ آگے لکھا کہ" ان کو معلوم ہوا ہے کہ کافی لوگ اسلام لائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اِس سے مُرتد ہو گئے ہیں۔ اُن کو یہ جسارت اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا اور اس کے طریق کار سے وہ واقف نہیں۔ ظاہر ہے کہ شیطان نے ان کو ورغلایا۔" اس کے بعد خلیفۃ الرّسول نے متعدد قرآنی آیات کے حوالے سے مرتدین کو توبہ کرا کے اسلام میں واپس آنے کی ہدایات فرمائیں۔ اور لکھا کہ" اگر ایسا نہ ہوا تو جنگ کے ذریعہ ان کو راہِ راست پر لایا جائے گا۔"

تبصرہ

یہاں پر یہ واضح کرنا از حد ضروری ہے کہ اسلام کی رُو سے حاکمِ وقت پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام پر عمل پیرا کرانے کے لئے ہر قسم کی طاقت اور تدبیر کا استعمال کرے۔ غیروں کے فلسفے سے متاثر ہو کر ہم نے جو انفرادی آزادی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور مذہب ذاتی معاملہ بنتا جا رہا ہے یہ ایک بہت بڑی سازش ہے۔

لشکر کے امیروں کے نام خطوط

اسلام میں جنگ لڑنے کا ایک واضح مقصد ہے اور مرتدین کو جو خط لکھے گئے وہ بھی اسی

یا مقصد جنگ کی وضاحت کے طور پر تھے کہ مسلمان اللہ کے احکامات نافذ کرنے کے لئے ایک ہاتھ میں
قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر اپنے گھروں سے باہر نکلے تھے۔ یہی اسلام کا فلسفہ اور نظریہ
ہے۔ جنگ کسی مادی غرض یا سیاسی ضرورت یا دشمنانہ حرکت کے لئے نہیں لڑی جاتی۔ تمام
مغربی مؤرخین، مبصرین اور ماہرین کی کتابوں کو کھنگال ڈالیں، ان جائزوں اور تبصروں کو پڑھیں
عسکری تاریخوں کا مطالعہ کریں۔ وہ لوگ جنگ کے مقاصد کو واضح نہیں کر سکے اور نہ
جنگ کے نتائج کو۔ یہ صرف دینِ فطرت کا خاصہ ہے کہ جنگ کے مقاصد واضح ہیں۔ چنانچہ ہر
لشکر کو جناب صدّیقِ اکبرؓ نے ہدایات لکھ کر بھیجیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ "وہ اللہ سے ڈرتے رہیں
جہاں جائیں قبائل کو اسلام میں واپس آنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام میں واپس آجائیں تو
اُن کو کچھ نہ کہا جائے۔ اگر اسلام میں واپس نہ آئیں تو ان سے جنگ کریں اور تب تک سرکوبی کرتے رہیں
جب تک وہ اسلام میں واپس نہیں آجاتے۔ اور جب وہ اسلام میں واپس آجائیں تو انہیں ان فرائض
سے آگاہ کیا جائے جو ایک مسلمان کو پورا کرنا ہوتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرایا جائے"۔ اس سلسلہ میں
خلیفۂ وقت نے متعدد تفصیلی ہدایات بھی جاری کیں، جن میں ہر پہلو پر عمل کرنے کے طریق کار کی
وضاحت کی تھی۔ ہم اس تفصیل میں اس لئے نہیں جانا چاہتے کہ آگے چل کر ان ہدایات پر عمل
ہی ہماری کتاب کا مضمون ہے۔ اور انہی عملی کارروائیوں کے نتائج و اسباق کو ہر باب میں خلاصہ
کے طور پر بھی شامل کیا گیا ہے۔

خالدؓ بن ولید (اللہ کی تلوار نیام سے باہر آگئی)

خلیفۂ اوّل نے دشمنوں پر فتوحات حاصل کرنے کے بعد لشکرِ اسلام کو اللہ کی زمین پر ہر طرف
پھیلا دیا۔ انہوں نے از خود بسم اللہ کی اور دشمن پر سخت چوٹ کرنے کے بعد اب اللہ کی تلوار کو بھی
نیام سے باہر نکال لیا۔ خالدؓ کو جو کام سونپا گیا اس کی وضاحت نقشہ سوم پر ہے۔ لیکن پہلے
دو مرحلوں کی کارروائی کو نقشہ دوم پر زیادہ وضاحت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ خالدؓ نے سب سے
پہلے طلیحہ کا قلع قمع کرنا تھا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن خلیفہ وقت نے ہدایات دیں
کہ طلیحہ کے خلاف کارروائی سے پہلے قبیلہ طے کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا۔ قبیلہ طے کے

جناب عدیؓ بن حاتم جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ اپنے چند وفادار ساتھیوں سمیت لشکر اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔

طلیحہ کی بغاوت

طلیحہ کا تعلق بنو اسد کے ساتھ تھا۔ حضرت ابو سلمہ مخزومیؓ، جناب ام المومنین ام سلمہؓ کے پہلے خاوند کے ماتحت حضور پاکؐ نے اپنے زمانے میں جن قبائل کی سرکوبی کے لئے ایک مہم بھیجی ان میں بنو اسد بھی شامل تھے۔ جنگِ خندق کے وقت جن گروہوں نے مدینہ شریف پر حملہ کیا ان میں بھی بنو اسد[1] شامل تھے اور یہی طلیحہ ان کا سالار تھا۔ دو سال بعد یہ سارا قبیلہ[2] اسلام میں داخل ہو گیا۔ گو یہ لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ وہ اسلام پر کوئی احسان کر رہے ہیں اور قرآن پاک میں جو ذکر ہے کہ "اے اللہ کے رسولؐ آپ فرما دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ اس نے تمہیں ایمان عطا فرمایا" تو اس سلسلہ میں مفسرین کے لحاظ سے یہ آیت اسی قبیلہ کی اس غلط فہمی کے متعلق ہے۔ حضور پاکؐ نے البتہ اس قبیلہ کے ضرارؓ بن الازور[3] کو ان پر عامل مقرر فرما دیا۔ یہ بات شاید طلیحہ کو پسند نہ تھی، اور حضور پاکؐ کی بیماری کے زمانے ہی میں اس نے بغاوت کر دی تھی اور ضرارؓ کو اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا۔ اس کے بعد باغی قبائل کی مدد کیلئے طلیحہ نے کس طرح اپنے بھائی حبال کو بھیجا، اس کا ذکر ہو چکا ہے اور قبائل کو جب مدینہ شریف کے گرد و نواح میں شکست ہوئی، تو طلیحہ بھی سمیرہ کے مقام پر چلا گیا۔

اسی دوران طلیحہ کو کچھ اور قبائل کی امداد ملنے امید لگ گئی۔ خاص کر بنو غطفان کے

---

[1] ان واقعات کی تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰؐ کے صفحہ ۱۱۷، ۱۳۲، ۱۳۳ اور ۳۱۴ سے استفادہ کریں۔

[2] جلالِ مصطفیٰؐ صفحہ ۲۶۲

[3] حضرت ضرارؓ اسلام پر قائم رہے۔ آگے اس کتاب میں بھی اور دوسری کتاب میں بھی جناب ضرارؓ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے اور ان کے کارنامے پڑھ کر خون گرم ہو جاتا ہے۔

چھوٹے قبیلہ بنو فزارہ کی، جن کا سردار عیینہ[1] بن حصن سات سو جوانوں کے ساتھ طلیحہ کی امداد کو پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ قبیلہ طے اور قبیلہ جدیلہ کی امداد بھی مل چکی تھی۔ اسیئے حضرت خالدؓ کے ذو قصہ سے روانہ ہونے سے پہلے، طلیحہ بزوخا کے مقام کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

حضرت خالدؓ نے بزوخا کے لئے ابرق کے راستے پیش قدمی شروع کر دی۔ لیکن ابھی وہ بزوخا سے چند منزلیں دُور تھے تو انھوں نے بائیں طرف رُخ کر دیا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خیبر کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن دراصل خلیفۂ وقت کی ہدایات کے مطابق وہ "اُجا" یا "اُدجا" پہاڑ کے علاقے میں پہلے قبیلہ طے کے ساتھ معاملات کرنا چاہتے تھے۔ نقشۂ دوم کے مطالعہ سے یہ معاملات اور کھل کر سامنے آجائیں گے۔ حضرت عدیؓ بھی حضرت خالدؓ کے ساتھ تھے اور انھوں نے حضرت خالدؓ کی اجازت سے اپنے قبیلہ کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ حضرت خالدؓ بہت زیادہ مہلت دینے پر تیار نہ تھے۔ اور حضرت عدیؓ کو بھی پہلے رابطہ کے طور پر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ وجہ یہ تھی، اور جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے، قبیلہ طے کے کچھ لوگ طلیحہ کے لشکر میں شامل ہو چکے تھے، اور قبیلہ والے ان لوگوں کو وہاں سے نکالنا چاہتے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں یہ رحمت کی۔ گو قبیلہ طے والے اپنے سارے قبیلہ والے لوگوں کو طلیحہ کے لشکر سے ایک ساتھ تو الگ نہ کر سکے، لیکن ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو گیا اور ان لوگوں نے بزوخا کی جنگ میں طلیحہ کی کوئی مدد نہ کی۔ اور جن لوگوں کے ساتھ حضرت عدیؓ کا براہِ راست رابطہ قائم ہو گیا، وہ اسلام میں واپس آگئے اور پانچ سو سوار لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کا حلیف قبیلہ جدیلہ بھی اسلام کی آغوش میں واپس آگیا، اور ایک ہزار مجاہد اس قبیلہ سے بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد کوئی چار ہزار کے قریب تھی۔ اب یہ تعداد بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ خلیفۂ وقت کی ہدایات اور حکمتِ عملی کے تحت ہوا۔

---

[1] جلالِ مصطفےٰ صفحہ ۱۳۲ اور صفحہ ۳۳۶ پر عیینہ کا ذکر ہے۔

تبصرہ

مسلمان بے مقصد جنگ نہیں لڑتے۔ وہ تو باطل کو مٹا کر حق لاتے ہیں اور جو کوئی اس کارِ خیر میں ان کا ساتھ دے، وہ اسلامی معاشرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فتح کا اختتامی مقام یہ ہوتا ہے کہ فاتح اور مفتوح کے دلوں کو جوڑ دیا جائے اور ایک خاندان بنایا جائے۔ اور اللہ کے احکام کو جاری وساری کر دیا جائے۔ اگر مفتوح اسلام کی برادری میں شرکت نہیں کرتا تو پھر بھی اسلام کی رُو سے مسلمان اپنے باجگذاروں کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ دین کے معاملات میں کوئی جبر نہیں اور زبردستی کلمہ پڑھانے کا کوئی حکم نہیں۔ اب دوسری طرف تمام مغربی مبصرین کی کتابیں پڑھ لیں۔ وہ فتح کے اختتامی مقام پر آ کر رُک جاتے ہیں اور کلاسوٹز جیسا ماہر اور کافی حد تک غیر جانبدار مبصر بھی اپنی ساتویں کتاب کے آخری باب میں اس مضمون کو کسی نکتہ پر نہ پہنچا سکا۔ کہتا ہے کہ جنگ سے جنگ نکلتی ہے اور شکست سے فتح۔ اور فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہے۔ لیکن دینِ فطرت میں جنگ بامقصد ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں اختتامی مقام بھی ہوتا ہے کہ مسلمان غارتگری نہیں کرتے بلکہ دلوں کو فتح کرتے ہیں۔

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگریست جنگِ مومن سنّتِ پیغمبریست

(اقبالؔ)

بزوخا کی جنگ

چنانچہ جمادی الآخر ۱۱ھ ہجری کے آخری ایام میں اللہ کی تلوارؓ، اب ایک دشمنِ اسلام کی طرف روانہ ہوگئی۔ خلیفۂ وقت کی ہدایات پر عمل ہو چکا تھا اور اب کارروائی دوسرے مرحلہ میں داخل ہونے والی تھی۔ بزوخا سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچنے کے بعد حضرت عکاشہؓ بن محصن اور ثابتؓ بن اقرم کو مخبری کے لئے آگے سکاؤٹ کے طور پر بھیجا گیا۔ دونوں عظیم صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ طلیحہ کو بھی مسلمانوں کی پیش قدمی کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اس نے اپنے بھائی حبال کو ایک ساتھی کے ساتھ مخبری کے لئے آگے بھیجا۔ آپس میں ٹکراؤ ہوا۔ حبال تو واصلِ جہنم ہوا لیکن اس کا ساتھی بھاگ گیا اور طلیحہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ طلیحہ اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے آگے بڑھا۔ ساتھ ہی اس کا

دوسرا بھائی سلمہ بھی تھا، دستہ پیچھے رہا۔ اور یہ دونوں گھات لگا کر بیٹھ گئے اور دونوں عظیم صحابہؓ پر اچانک وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔ دراصل حضرت عکاشہؓ تلوار زنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ لیکن داؤ اور گھات میں آگئے اور پھر دشمن کا سارا دستہ ان پر حملہ آور ہو گیا۔ جناب عکاشہؓ پہلے یمن میں تھے اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

طلیحہ اس کارروائی کے بعد جلد اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور مسلمانوں کی پیش قدمی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لشکر کو صف بند اور منظم کیا۔ لشکر کی کمان عینیہ بن حصن کے سپرد کی اور ایک خیمہ میں بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کہ وہاں پر وہ جبرائیل فرشتہ سے ہدایات حاصل کرے گا اور ادھر ہی سے احکام جاری کرے گا۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کے دوران اپنے دو عظیم ساتھیوں کے جسد خاکی دیکھے تو ان کے جذبات سخت مجروح ہوئے۔ وہ مرنے مارنے پر تو پہلے سے تیار تھے، اب ان کے جذبات میں زیادہ شدت آگئی۔

میدانِ جنگ

بزوخا ویسے تو چٹیل میدان ہے لیکن نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجا پہاڑ کا جنوب مشرقی حصہ بزوخا تک پھیلا ہوا ہے۔ اور وہاں کچھ ٹیلے اور ٹیکریاں بھی ہیں۔ لیکن مؤرخین نے جنگ کے واقعات کو جس طرح پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کھلے میدان میں ہوئی اور ٹیلوں کا استعمال نہ کیا گیا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔ دشمن کی تعداد کے بارے میں مؤرخین خاموش ہیں کہ کتنی تھی، لیکن دشمن میں یک جہتی نہ تھی۔ بنو طے اور جدیلہ کے جو لوگ وہاں تھے وہ دل سے طلیحہ کے ساتھ نہ تھے۔ بنو عامر کا قبیلہ بھی جنگ سے کترا رہا تھا۔ بنو اسد کے کئی لوگ مثلاً ضرارؓ، قضاعیؓ اور سنانؓ وغیرہ مسلمانوں کے ساتھ شامل تھے۔ سارا دارومدار طلیحہ کے اپنے قرابت داروں اور عینیہ بن حصن کے قبیلہ فزارہ پر تھا۔ جناب خالدؓ لشکر کی کمان خود فرما رہے تھے۔ اور دراصل خود مختار کمانڈر کی حیثیت سے ان کی یہ پہلی بڑی جنگ تھی۔ جنگِ موتہ میں آپ کو چوتھے مرحلہ میں کمان ملی۔ اور حضور پاکؐ کے زمانے میں چھوٹے دستوں کی کمان ضرور کی۔ لیکن کسی بڑے لشکر کی

علیحدہ کمان نہ کی اور اب تک جو جھڑپیں یا لڑائیاں خلیفہ اوّل کے زمانے میں ہوئیں وہاں بھی حضرت خالدؓ کی کسی چھوٹی موٹی کمان کے سلسلہ میں بھی مورّخین خاموش ہیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ خود صفوں سے آگے گئے تھے۔ مسلمانوں کی پہلی یورش سے مرتدین کے دانت کھٹے ہوگئے۔ عیینہ اور اس کا قبیلہ بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن مسلمانوں کی ایک دو یورشوں اور یلغاروں کے بعد اُن کی صفوں میں شگاف پڑنا شروع ہوگئے۔ عیینہ بہادر آدمی تھا اور ایک دفعہ اسلام بھی لے آیا تھا۔ لیکن بڑا متعصب انسان تھا۔ بنو اسد اس کے قبیلہ کے حلیف تھے۔ اس لئے اس کا خیال تھا کہ حلیف قبیلہ کا "پیغمبر" قریش کے پیغمبر کی نسبت اس کو زیادہ قابلِ قبول تھا (نعوذ باللہ) اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ قریش کا پیغمبرؐ اللہ کا حبیبؐ ہے، سرکارِ دوعالمؐ ہے، رحمۃ اللعالمینؐ ہے۔ اور ایسی صفات کا مالک جس کی تعریف قلم سے بیان ہی نہیں کی جا سکتی۔ طلیحہ ایک کاہن تھا۔ نفسیات کا ماہر تھا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ بڑا اچھا ایکٹر تھا اس لئے وقتی طور پر عیینہ کو متاثر کیا تھا اب جو عیینہ کو جنگ میں مایوسی ہوئی تھی تو وہ بھاگ کر طلیحہ کے پاس پہنچا تھا اور یہ پوچھتا کہ جبرائیل کیا خبر لائے۔ طلیحہ اوٹ پٹانگ اور اٹکل پچو جواب دیتا رہا۔ اور آخر عیینہ تنگ آکر اعلان کرنے ہی والا تھا کہ طلیحہ جھوٹا ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگ جاؤ کہ طلیحہ نے "پہل کاری" چھین لی اور اپنی بیوی کے ساتھ تیز اونٹنی پر بیٹھ کر خود ہی فرار ہوگیا۔

مُرتدین کی شکست

طلیحہ اور عیینہ دونوں بہادر آدمی تھے اور جنگ کے نبض شناس بھی تھے۔ طلیحہ نے بعد میں اسلام کی خدمت بھی کی اور عیینہ بھی اسلام لے آیا۔ اس میدانِ جنگ سے اُن کے بھاگنے کو بزدلی پر محمول نہ کیا جائے۔ حالات ان کے قابو سے باہر ہوگئے تھے۔ ان کا باطل فلسفہ اور طریق کار جواب دے گیا تھا۔ چنانچہ بزوخا کی جنگ ایک دن کا کچھ حصہ ہی جاری رہ سکی کہ مرتدین نے تتر بتر ہونا شروع کر دیا۔ اور کچھ میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ اسی طرح سب قبائل افراتفری میں بھاگے۔ ان کے نزدیک نہ کوئی جنگ کا مقصد تھا اور نہ شکست کے

بعد کوئی تجویز تھی کہ اگلا مرحلہ کیا ہوگا۔ یہاں مٹی کے کنبہ کا اتحاد کسی بنیاد پر نہ تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ حسد اور منفی بنیادوں پر یہ اتحاد قائم تھا۔ چنانچہ حق کی ایک ہی وار نے باطل کو پاش پاش کر دیا۔

جنگ کے نتائج

یہ جنگ تو بزوخا کے میدان میں ختم ہوگئی لیکن حضورؐ پاک سے سیکھے ہوئے طریقہ اور خلیفہ اوّل کی حکمتِ عملی کے تحت فتح کو آگے بڑھانا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہر سمت میں مرتدین کا تعاقب کیا۔ طلیحہ تو بھاگ کر نقع میں بنو کلب کے پاس جاکر ٹھہر گیا۔ اور جب سنا کہ اس کا سارا قبیلہ اسلام لے آیا ہے تو وہ بھی دوبارہ اسلام میں داخل ہوگیا اور کچھ عرصہ بعد مدینہ شریف سے گزر کر مکّہ مکرّمہ میں جاکر عمرہ بھی ادا کیا۔ خلیفہ اوّل نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے پر ان کی بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضرت عمرؓ کے دل میں جو کچھ تھا وہ کہہ دیا کہ "اے طلیحہ تمہارے ہاتھ سے دو عظیم صحابہ حضرت عکاشہؓ اور حضرت ثابتؓ شہید ہوئے۔ اس لئے میں تمہیں دل سے پسند نہیں کرتا۔" طلیحہ نے عرض کی۔ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا کہ ان کو شہادت کا رتبہ مجھ جیسے گنہ گاروں کے ہاتھوں سے ملنا تھا۔ اِس گفتگو کو اِس زمانے کے ایک مبصّر نے مورّخین کے حوالے سے لفّاظی کو جو رنگ دیا ہے اور درمیان میں خود اپنی رائے بھی دی ہے، وہ سب اضافے معلوم ہوتے ہیں۔ طلیحہؓ بہادر آدمی تھا۔ نہاوند کی جنگ میں شہید ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے سب گناہ معاف فرما دیئے ہوں گے جس دن وہ اسلام کی آغوش میں دوبارہ داخل ہوا ہوگا۔ اور متعدد جنگوں میں ایک مانے ہوئے مجاہد کی طرح کام کرتا رہا۔

حضرت خالدؓ نے البتہ عیینہ کا تعاقب کیا جسے سمیرہ کے نزدیک غمرہ کے مقام پر جالیا۔ عیینہ نے مقابلہ کیا، لیکن آخر گرفتار ہوا۔ حضرت خالدؓ نے عیینہ کو ایک اور مرتد قرۃ بن سمیرہ کے ساتھ خلیفہ وقت کی خدمت میں مدینہ شریف بھیج دیا۔ خلیفہ نے اُن کو اس شرط پر معاف

صفحہ ۴۰

نقشہ دوم ۔ مرتدین کا ارتداد

مدینہ شریف کے گردو نواح کا علاقہ اور
فوجی کارروائیاں
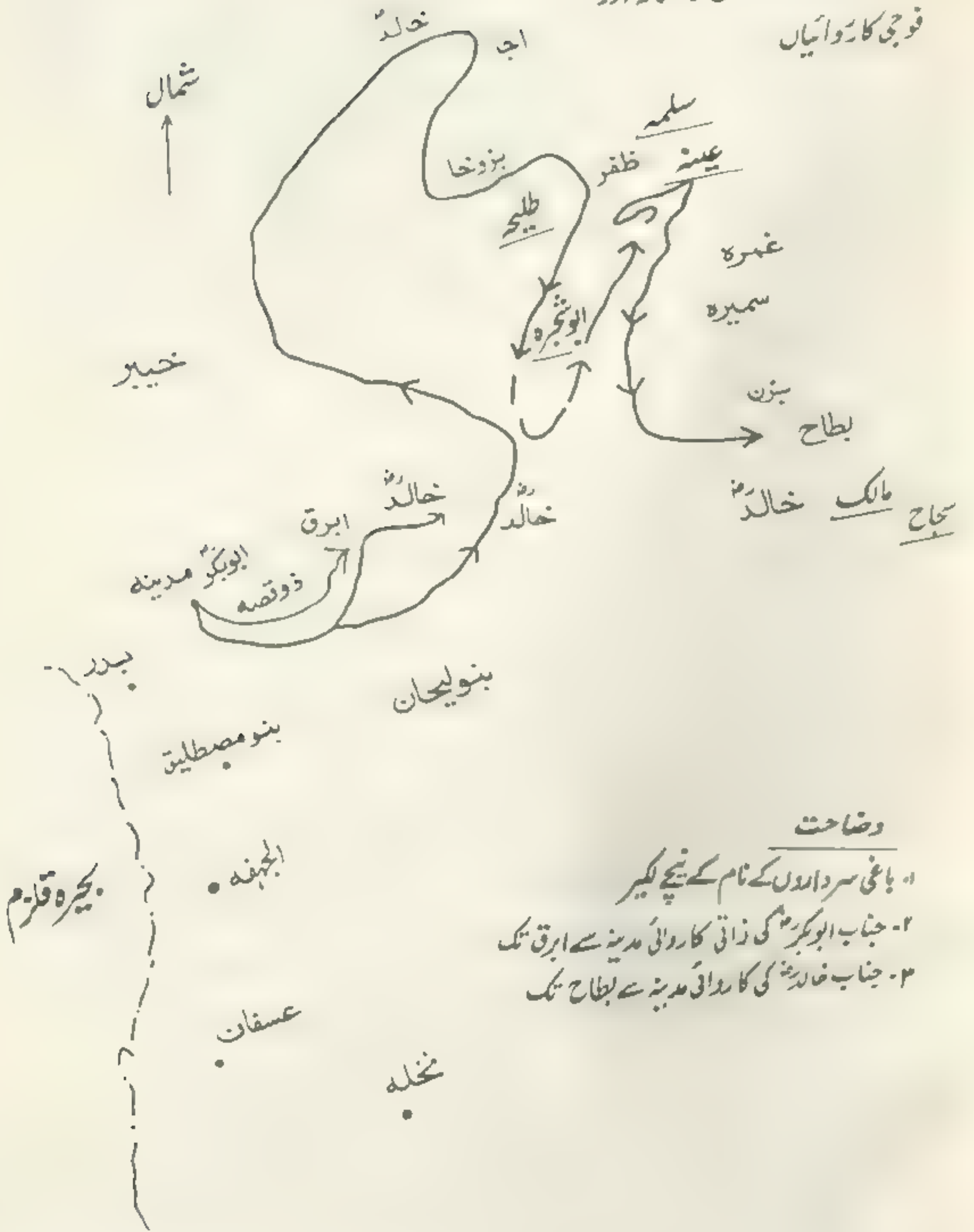
وضاحت

۱. باغی سرداروں کے نام کے نیچے لکیر
۲. جناب ابوبکرؓ کی ذاتی کارروائی مدینہ سے ابرق تک
۳. جناب خالدؓ کی کارروائی مدینہ سے بطاح تک

سکیل- RF 1/۴۰۰۰۰۰۰

کر دیا کہ وہ دونوں اسلام میں واپس آنے پر تیار ہو جائیں۔ دونوں نے اسلام میں واپس آنے کا اعلان کر دیا اور اس کے بعد اپنے قبیلہ میں خاموشی اور گوشہ نشینی سے دن گزارے۔ عیینہ کا اسلام البتہ اپنی مرضی کا تھا۔ اور ماہِ رمضان میں دن کی بجائے رات کو روزہ رکھتا تھا۔ آدمی بہادر تھا لیکن بہت آزاد منش طبیعت کا تھا۔ اس لئے کسی ایک بات پر قائم نہ رہتا تھا۔ اور ایسے لوگ کسی بھی زمانے میں اسلام کے لئے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کر سکتے۔ اسلام میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کی مکمل اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عیینہ کی ایک بیٹی لبنہ حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آ گئی۔

حضرت خالدؓ کی ظفر کی طرف پیش قدمی

یہاں پر مورخین میں اختلاف ہے کہ غمرہ کے بعد حضرت خالدؓ واپس نقرہ گئے یا بزخا یا ظفر کے مقام کی طرف جا کر اُم سلمیٰ کی سرکوبی کی۔ نقشے اور فاصلہ کے لحاظ سے تو یہ بہتر نظر آتا ہے کہ غمرہ سے بڑھ کر پہلے ام سلمیٰ کے خلاف کارروائی ختم کر کے پھر نقرہ میں جا کر ابو شجرہ کا مزاج درست کرتے اسلیئے نقرہ میں ابو شجرہ کے خلاف کارروائی کا ذکر بعد میں ہوگا۔ اُم سلمیٰ جس کو ام زمل بھی کہتے ہیں، عیینہ بن حصن کی قریبی رشتہ دار تھی اور ام قرفہ[1] کی بیٹی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی اور حضورِ پاکؐ نے یہ لڑکی حضرت عائشہؓ کو خدمت کے لئے دے دی تھی۔ بدقسمت لڑکی وہاں خوش نہ تھی اور حضرت عائشہؓ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اپنے قبیلہ میں جا کر اس نے بھی اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ اور خاص کر عیینہ کی گرفتاری کے بعد اپنے قبیلہ اور نزدیک کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور ظفر کے مقام پر ایک لشکر اکٹھا کر لیا۔ اللہ کی تلوارؓ نے پیش قدمی کر کے ایک ہی نبیٹ میں دشمن کا صفایا کر دیا۔ یہ قبائل بڑی بہادری سے لڑے۔ خاص کر جس اونٹ پر اُم سلمیٰ

---

[1] تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰ کا صفحہ ۳۲۱ اور ۳۲۲ دیکھیے۔

سوار تھی، اس کے گرد لوگ اپنی جان پر کھیل گئے۔ لیکن مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت خالدؓ نے چند زور آور مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھ کر اُم سلمیٰ کے اونٹ کی کانچیں کاٹ دیں اور اس کا ہودہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ تدبیرات کے اصولوں میں مرکز کو تباہ کرنے سے لڑائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اُم سلمیٰ بھی اپنی ماں کی طرح اس جنگ میں ماری گئی اور فتنہ ختم ہو گیا۔

نقشہ دوم کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ذوقصہ سے خیبر تک، پھر اُجا پہاڑ۔ بزوخا، ظفر، سلمٰہ، ثمرہ اور سمیرہ وغیرہ کے علاقوں میں بغاوت کو تہس نہس کر دیا گیا تھا متعدد چھوٹے بڑے قبائل غطفان، فزارہ، اسد، طے، جدیلہ، عدم، قیس، غوث اور بنو سلیم کے کافی لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے تھے اور کچھ ایسے لوگوں کو سخت سزائیں بھی دی گئیں، جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے۔ عبرت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بہرحال بنو سلیم کے کچھ مرتد نقرہ کے گردونواح میں موجود تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ پہلے خود یہاں تک تشریف لائے تھے، لیکن قبائل خانہ بدوش تھے تتّر بتّر ہو گئے تھے۔ یہ اہم مقام تھا اور بطحا میں مالک بن نویرہ کی سرکوبی سے پہلے اس علاقہ سے باغیوں کا صفایا ضروری تھا۔

قبیلہ بنو سلیم کے سردار ابو شجرہ کی سرکوبی

خلیفہ اوّل نے جو مختلف لشکر تعین کئے اُن میں حضرت طریفہؓ بن حاجز بھی بنو سلیم کے علاقوں میں بغاوت کو رفع کرنے میں لگے ہوئے تھے لیکن وہ زیادہ تر مدینہ شریف اور مکہ کے درمیان والے علاقہ میں مصروف تھے۔ اس لئے جناب خالدؓ کو یہ احکام دوبارہ ملے یا خود علاقے کا مکمل صفایا کرنے کے لئے انہوں نے ادھر کا دوبارہ رخ کیا۔ اِس پہلو کو مورّخین نے واضح نہیں کیا۔ بہرحال حضرت خالدؓ نقرہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں بنو سلیم کا سردار عمر بن عبدالعزیٰ تھا، جو شاعر بھی تھا اور ابو شجرہ تخلص کرتا تھا۔ وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ خالدؓ کا لشکر جلد کمزور ہو جائے گا اور وہ اس پر جھپٹ کر مدینہ شریف تک مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دے گا۔ اس نے ایک نظم لکھی جس کے ایک شعر کا مفہوم یہ تھا:-

"مجھے معلوم ہے کہ میں اپنے نیزے سے خالدؓ کے دستہ کو سیراب کروں گا
اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ مدینہ جاکر عمرؓ کی خبر لوں گا۔"

لیکن اللہ کی تلوارؓ خود اس کی خبر لینے کے لئے روانہ ہوگئی اور خالدؓ نے اچانک بنوسلیم کے بچے کھچے مرتدین پر یورش کر دی۔ بنوسلیم فتح مکہ اور جنگِ حنین کے وقت خالدؓ کے ماتحت کام کر چکے تھے، جس کی تفصیل جلالِ مصطفےٰ میں موجود ہے۔ ان میں کتنے لوگ ایسے تھے، جو خالدؓ کے ماتحت کام کر چکے تھے اور کئی نئے تھے۔ اس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ بہرحال یہ لوگ خالدؓ کی یورش کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے جلد ہتھیار ڈال دیئے۔ ابوشجرہ گرفتار ہوا اور اسے مدینہ شریف بھیج دیا گیا۔ جہاں پر اس نے معافی مانگی جو اس کو مل گئی اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

مورخین کے اضافے

طبری سمیت متعدد مورخین اور خاص کر بلاذاری نے لکھا ہے کہ بعد میں ابوشجرہ پر بڑے دن آئے اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ صدقہ یا خیرات لینے کے لئے مدینہ شریف حاضر ہوا۔ جہاں حضرت عمرؓ نے چابکوں سے اس کی تواضع کی (نعوذ باللہ)۔ طبری تو صرف دُرہ اٹھانے تک بات کرتا ہے۔ لیکن بلاذاری ایک کے بعد دوسرا اور دُروں کی بھرمار کی بات کرتا ہے۔ جس کو ہمارے موجودہ زمانے کے ایک مبصّر نے مزے لے کر بیان کیا ہے۔ اوّل تو ابوشجرہ کو جب معافی ملی اُس وقت بھی حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے اور وہ ابوشجرہ کو پہچانتے ہوں گے۔ اب اوّل بات یہ ہے کہ جو خیرات بانٹ رہا ہو تو کیا وہ چابک اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے؟ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ ایک خستہ حال پر چابک اٹھاتے درخاص کر جب وُہ مسلمان ہوگیا تھا۔ یہ لفّاظی اور یہ اضافے اور الف لیلیٰ کی کہانیاں اپنے تجزیہ کو دلچسپ بنانے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ لیکن لکھنے والوں کو یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ کتنی بے ادبی کر رہے ہیں۔ بات ابوشجرہ کی خستہ حالی کی تھی کہ اونچے بول نے اس کو خستہ حال کر دیا۔ لیکن بیچ میں چابکوں کو لاکر جناب عمرؓ کی شان کو گھٹانے کی دانستہ یا

حضرت طریفہؓ بن حاجز

اسی زمانہ میں حضرت طریفہؓ بن حاجز بھی اس علاقہ میں اپنی ذمہ داریاں نباہ چکے تھے۔ اس علاقے میں ایک بہت بڑا مُرتد بھی تھا، جو فجاہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا اصلی نام عبدیالیل تھا۔ یہ مردود جناب صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کافی ہتھیار حاصل کئے۔ کہنے لگا اپنے علاقہ سے مرتدین کا قلع قمع کروں گا۔ لیکن واپس آکر اپنے نائب بجنہ بن المثنیا کے ساتھ مل کر جگہ جگہ مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اس نے قبیلہ ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر کے مسلمانوں پر بھی حملے کر کے، ان پر ظلم ڈھائے اور غارت گری کی۔ وہ حضرت طریفہؓ کے دستوں کے درمیان سے نکل جاتا تھا۔ جناب صدیق اکبرؓ نے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے عبداللہؓ بن قیس کو بھی جناب طریفہؓ کی مدد کے لئے بھیجا۔ مسلمانوں نے تمام علاقہ کو گھیرے میں لے کر ان کی تلاش شروع کی، اور ایک جھڑپ میں بجنہ تو ہلاک ہو گیا۔ لیکن فجاہ بھاگ گیا۔ اسی دوران شمال سے خالدؓ بن ولید کا لشکر پہنچ گیا تھا اور فجاہ، محدود علاقہ میں گھر گیا۔ اور آخر مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہاں پر خلیفۂ اوّل نے اُس مردود کو زندہ جلا دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے دھوکہ دیا تھا، مسلمانوں پر ظلم ڈھائے تھے۔ مسلمانوں سے ہتھیار مانگ کر، مسلمانوں کے خلاف استعمال کئے۔ جناب صدّیق اکبرؓ نے ایسے مردود کو دیکھا ہوگا تو آنکھوں میں خون آگیا ہوگا اور اس کو زندہ جلا دیا۔ روایت ہے کہ خلیفۂ اوّل نے بسترِ مرگ پر اس کارروائی پر افسوس کیا کہ فجاہ کو زندہ جلانے کی بجائے صرف قتل کر دیا ہوتا۔

تبصرہ

یہ روایت سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے شاید ایسا ضرور فرمایا ہوگا اور وہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آگ میں اللہ تعالیٰ دوزخ میں گنہ گاروں کو جلائے گا۔ دنیا میں قتل اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فجاہ جیسے مردود کو آگ میں جلنا چاہیئے تھا کہ

لوگوں کو عبرت ہوتی۔ اس سے عبرت بھی حاصل ہوئی کہ اس کے بعد مدینہ سے لے کر مکہ تک اور شمال میں خیبر سے غمزہ تک اور نیچے ذوقصہ تک کسی کو سرکشی کی نہ سوجھی۔ اور ان تمام علاقوں میں امن ہوگیا۔

خالدؓ بن ولید کا خلیفہ اوّل کو خط

ویسے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ پر جناب خالدؓ، خلیفہ وقت کو حالات سے آگاہ کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن تمام فتنوں کے ختم ہوجانے کے بعد مؤرخین کے مطابق حضرت خالدؓ نے ایک مفصل خط لکھا۔ اس میں تمام تر کارروائی کا ذکر کیا گیا تھا۔ جن لوگوں کو سزائیں دیں یا کچھ کارروائی کی اُن سب کا ذکر تھا۔ خلیفۂ اوّل نے خالدؓ کی تمام کارروائیوں کو صحیح تسلیم فرمایا اور خالدؓ نے جو کامیابیاں حاصل کیں، آپؓ نے خالدؓ کے لئے اللہ کے دربار میں انکی جزا کیلئے گزارش کی اور باقی لشکریوں کو دُعائیں دیں اور فرمایا کہ "میری ہدایات کے بعد رواں دواں رہو۔"
دینِ اسلام ایک متحرک فلسفہ ہے۔ اور اگلے باب میں ہم خالدؓ کی کارروائیوں کو بطحا یا بطاح کے معاملات سے شروع کریں گے۔ یہاں پر اس باب کے واقعات کے نتائج کا خلاصہ پیش کرنا ضروری ہے جو حسب ذیل ہے:۔

نتائج واسباق

۱۔ اسلام میں جنگ کا ایک واضح مقصد ہوتا ہے کہ جنگ اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دشمنوں سے لڑی جاتی ہے۔ دیکھ لیں کہ سب کارروائی اسی مقصد کے تحت ہوئی اور ہر وقت اس مقصد کو سامنے رکھا گیا۔
۲۔ اسلام کسی جبر و قہر کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن دشمن کو سر پر بھی نہیں چڑھاتا۔
۳۔ جو کام صلح صفائی سے ہو سکے، وہاں پر لڑائی سے گریز کیا جائے۔
۴۔ حملہ اتنا زوردار ہو کہ دشمن کے چھکے چھوٹ جائیں۔
۵۔ ہر وقت چوکنا رہا جائے۔

۶ - حکمتِ عملی کا تعین اوپر والے کمانڈر یا مرکز کو کرنا چاہیئے ۔ تدبیرات کا کام محاذِ جنگ کے کمانڈر کے ہاتھ میں ہو اور اس میں دخل اندازی نہ کی جائے ۔

۷ - مسلمان علاقہ یا زمین کی بجائے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے ہیں اور وہ جہاں جاتے ہیں اچھے اور وفادار لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں ۔ یہ اس لئے ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک فلسفۂ حیات ہے ۔ اس پر وہ خود عمل کرتے ہیں ۔ یہی فلسفہ وہ دوسروں کو پیش کرتے ہیں ۔ اور فاتح کہلانا بھی پسند نہیں کرتے ۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں ۔ اور اللہ کے احکام کو جاری و ساری کر رہے ہوتے ہیں ۔

۸ - صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے ان کی بے ادبی نہ ہو ۔ اور ایسی لفّاظی سے بھی گریز کیا جائے جس سے قوم میں تفرقہ پھیلے یا کسی کے عقیدہ کو ٹھیس پہنچے ۔

۹ ۔ تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا مقصد نہ کیچڑ اچھالنا ہے نہ ذہنی عیاشی ، نہ غیروں کے پیمانوں کا استعمال ، نہ اُتار چڑھاؤ کہ قارئین سے داد لی جائے بلکہ بامقصد مطالعہ کا مدعا یہ ہونا چاہیئے کہ اس سے سبق سیکھیں ۔

۱۰ - اسلام کی تاریخ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ایک معطّر باغ کی طرح پاک ہیں ۔ اِس خوشبو سے فائدہ اٹھایا جائے ۔

تیسرا باب

مُرتدین کا قلع قمع

حضرت خالدؓ سیف اللہ اب اپنی کارروائی کے دوسرے مرحلہ کے لئے رواں دواں تھے۔ اکثر مورخین کے لحاظ سے انہوں نے یہ کوچ ظفر یا سلمیٰ پہاڑی کے نزدیک سے کیا۔ جہاں وہ ام سلمیٰ کی سرکوبی کر چکے تھے اور نقرہ میں ابو شجرہ کے خلاف کارروائی ام سلمیٰ کی سرکوبی سے پہلے کر چکے تھے۔ نقشہ دوم میں تمام مقامات دیئے گئے ہیں اور قارئین تجزیہ خود کر لیں۔ ہم اس بحث میں اس لئے نہیں پڑتے کہ بات چند میل کے فاصلہ اور صحیح راستے کی ہے۔ لیکن جنگ میں بعض دفعہ لمبے اور دوہرے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ اس لئے ہمارا مقصد اس سے حل ہو جاتا ہے کہ خالدؓ، مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہاں البتہ مورخین نے اس سلسلہ میں انصارِ مدینہ کے بارے میں جو کہانی لکھی ہے کہ انہوں نے حضرت خالدؓ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا کہ خلیفۂ وقت نے ان کو صرف پہلے مرحلہ یعنی بزوخا کے علاقوں کے مرتدین سے پاک کرنے کے احکام دیئے تھے۔ پھر حضرت خالدؓ ان کو چھوڑ کر اپنے مشن پر چل پڑے۔ انصار کو بعد میں خیال آیا کہ اگر حضرت خالدؓ کامیاب ہو گئے تو ان کو جو شہرت حاصل ہو گی اس کی وجہ سے انصار کو ندامت اٹھانا پڑے گی۔ اور اگر خالدؓ کے لشکر پر کوئی مصیبت آ گئی، تو یہ ذلت ساری مسلمان قوم کے لئے ہو گی۔ اس لئے خالدؓ کے لشکر کی روانگی کے بعد وہ بھی چل پڑے۔ اور جلد ہی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

غلط کہانیاں

یہ سب غلط کہانی ہے اور کسی "زرخیز" دماغ کی اختراع ہے۔ کچھ مخالفین ہر موقع پر ایسے تفرقے ڈالنے میں لگے رہتے ہیں۔ ممکن یہ ہو سکتا ہے کہ بطحا کے لئے کوچ کرتے وقت آپس میں

کچھ بحث ہوگئی ہو۔ مسلمانوں کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ کوئی لڑائی کا تھکاماندہ مجاہد یا بچوں کی جدائی کی وجہ سے کوئی صاحب اگلے مرحلہ کے بارے میں کوئی سوال کر بیٹھا ہو۔ اور کچھ بحث ہوگئی ہو۔ لیکن ایک گھنٹے کا اختلاف اور پھر انصار کو ندامت یا خالدؓ کا ان کو چھوڑ کر چل پڑنا سب غلط کہانیاں ہیں۔ جس فوج کے ضبط کا یہ حال ہو، جیسا اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس طرح فتوحات حاصل نہیں کرسکتی جس طرح خالدؓ کی فوج فتوحات حاصل کررہی تھی۔ حضرت خالدؓ، خلیفۂ وقت سے خط و کتابت میں مصروف تھے۔ اور یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ انہوں نے خلیفۂ وقت کو کئی خطوط لکھے۔ گو مورخین نے ایک بڑے خط کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے خالدؓ کی کارروائی کو تسلیم کیا اور اگلے مرحلہ پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ خلیفۂ وقت جس نے ساری حکمت عملی بنائی اور یہاں تک گئے کہ طلیحہ کے خلاف کارروائی سے پہلے بنوطے اور جدیلہ قبائل کو ساتھ ملانے کی کوشش بھی کرنا۔ تو کیا خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر خالدؓ چل پڑے ؟ (نعوذ باللہ) تو پھر کیا خلیفہ وقت لشکر کے ہر سپاہی کو الگ الگ ہدایات دیتے؟ یہاں تو فاصلہ اتنا نزدیک تھا کہ خالدؓ کو گھڑی گھڑی کی ہدایات مل رہی تھیں اور وہ سب کچھ خلیفۂ وقت کے احکام کے تحت کر رہے تھے۔

اس لئے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کی کہانیاں ہماری تاریخ سے خارج ہوجانی چاہییں۔ صحابہ کرامؓ تو آگاہ تھے اور دینِ فطرت کی وسعتوں کو سمجھتے تھے لیکن بیچ میں کئی سادہ لوگ تھے، جو سادگی سے کوئی بات کرجاتے تھے جو بڑی وقتی ہوتی تھی۔ ایسے سادہ لوگوں میں حضرت شویلؓ بھی تھے جن کا ذکر آگے چل کر فتح حیرہ کے موقع پر آئے گا۔ اس لئے ہم پر واجب ہے کہ ایمان افروز تجربوں کے بعد ایسی باتوں کو تاریخ سے خارج کرنے کی مہم چلائیں۔ اس سلسلہ میں ایک نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ پرانے تاریخ دانوں نے جو کچھ سنا لکھ دیا۔ واقعات کو بیان کرنے والے لوگوں میں بعد میں کئی ایسے بھی ہوئے ہیں جو مکمل طور پر اسلام کی وسعتوں کو نہ سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کو بھی صرف ایک عام طرزِ زندگی یا فلسفہ یا معاشرت یا طرزِ تمدن سمجھتے تھے اور اس حد تک بات صحیح ہے کہ اسلام

سب کچھ ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور مکمل فلسفۂ حیات۔ اس کا نہ تو غیروں کے فلسفہ کے ساتھ موازنہ کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ غیروں کی عینک سے پڑھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو غیروں کے پیمانے سے ناپ سکتے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں ہم اس چکر میں پڑ گئے کہ غیروں کے ہاں ایسا ہوتا تھا یا ہوتا ہے۔ اور اسلام میں بھی ایسا ہوا ہو گا یا ہو سکتا ہے تو یہ درست نہ ہو گا۔

خالدؓ کی پیش قدمی

حضرت خالدؓ دوسرے مرحلہ کے لئے پیش قدمی شروع کر چکے تھے جس کا مقابلہ مالک بن نویرہ کے ساتھ تھا۔ جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا۔ جلال مصطفٰےؐ[1] میں اس قبیلہ کی حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضری کا ذکر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو علم الکلام اور لفاظی کے ماہر سمجھتے تھے لیکن اللہ کے کلام کے سامنے ان کے سر جھک گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور پاکؐ نے مالک بن نویرہ ہی کو ان پر عامل مقرر فرمایا۔ اور مالک پہلے وفاداری سے کام کرتا رہا لیکن جیسے ہی اس نے حضورؐ پاک کی وفات کی خبر سنی تو زکوٰۃ کی جتنی رقم اکٹھی کی تھی وہ واپس اپنے خزانہ میں ڈال دی اور کہنے لگا بہتر ہے یہ رقم اپنے قبیلہ کے کام میں لائی جائے، اور اسلام سے پھر گیا۔ لیکن اس کے قبیلہ کے کئی آدمی اسلام پر قائم رہے۔ خاص کر حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور آپ کے بھائی حضرت عاصمؓ جیسے لوگ جن کے بارے آگے چل کر قارئین ایمان افروز واقعات پڑھیں گے۔

مالک بن نویرہ اور اُس کی بیوی

بنیادی طور پر مالک اچھا آدمی تھا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کی بیوی لیلیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اچھی شکل و صورت بخشی تھی۔ لیکن مورخین اور ہمارے اِس زمانے کے ایک

---

[1] جلالِ مصطفٰےؐ صفحہ ۲۸۶

مبصر نے لیلیٰ کی خوبصورتی کے لئے لفاظی کے جو تانے بانے باندھے ہیں اور سب معاملات کو روحانی کیفیت دے دی ہے تو اس کا ایک خاص غلط روی والا مدعا ہے۔ کہ آگے چل کر جناب خالدؓ اور جناب عمرؓ کے اختلافات کو ہوا دینے کے لئے اس خوبصورتی کو ایک بنیاد بنایا جائے پہلے مورخین، صرف خوبصورتی کا ذکر کرتے ہیں، کئی سو سال بعد اصفہانی صاحب آنکھوں کی تعریف کرتے کرتے لیلیٰ کی ٹانگوں کی خوبصورتی کو بھی بیچ میں لے آتے ہیں۔ اور اس حاشیہ آرائی کو اس قدر بڑھایا کہ ایسی ٹانگیں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ عرب میں ٹانگیں ڈھکی ہوتی ہیں اور صرف اہلِ یورپ میں ٹانگوں کی خوبصورتی کی بات ہوتی ہے۔ اس لئے اصفہانی کے اس اضافے کو تاریخ سے خارج کر دیا جانا چاہیئے تھا۔ ہاں شاید پرانی ایرانی تہذیب و تمدن میں ٹانگوں کی خوبصورتی کا ذکر ہو۔ اسلام کے بعد تو وہاں بھی ٹانگوں کو ڈھانپنا "سترِ عورت" ہوتا ہے۔

مالک بن نویرہ اور سجاح

مالک بن نویرہ کے مرتد ہونے کے بعد وہاں پر کچھ اور حالات ظہور پذیر ہوئے اور یہ حضورؐ پاک کی وفات سے لے کر خالدؓ کی بطحا کی طرف پیش قدمی تک کے زمانے میں ہوئے۔ ان کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ معاملات پوری طرح سمجھ میں آجائیں۔ بنو تمیم از خود کئی چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مالک کا تعلق بنی حنظلہ سے تھا۔ اور بنی حنظلہ خود آگے بنی یربوع کی ایک شاخ تھے۔ بنی یربوع کے حارث بن سوید کی ایک لڑکی سجاح بھی اسی زمانے میں ابھری، جو ماں کی طرف سے بنو تغلب[1] کے ساتھ منسلک تھی۔ تمام قبیلوں کے خاندانی تعلقات کے بیانات سے قارئین بھول بھلیوں میں پڑ جائیں گے۔ اور یہ لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ سجاح کا خاندانی تعلق بڑے بڑے قبائل کے ساتھ تھا اور وہ خود عراق کی سرحد کے نزدیک بنی تغلب میں رہتی تھی۔ یہ لوگ بنیادی طور پر عیسائی تھے۔ لیکن

---

[1] بنو تغلب کا آگے بھی ذکر آئے گا۔

عقائد کے کچھ زیادہ پکّے بھی نہ تھے۔

سجاح کا نبوّت کا دعویٰ

اُس زمانے میں جگہ جگہ جھوٹے نبی پیدا ہو رہے تھے۔ طلیحہ اور مسیلمہ کذّاب تو کافی مشہور بھی ہو چکے تھے۔ سجاح نے سوچا کہ مَردوں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے، کیوں نہ کوئی عورت بھی اس سلسلہ میں آگے بڑھے۔ وہ شاعرہ تھی، علم الکلام کی ماہر تھی اور پیشگوئیاں بھی کر لیتی تھی۔ اس زمانے میں حضورؐ پاک کی کامیابی نے نقّالوں کے لئے دروازے کھول دیئے تھے ہر قبیلہ نے کچھ اس طرح سوچنا شروع کر دیا کہ ان کا کوئی آدمی نبی ہو گا، تو ان کو بھی وہی وسعت نصیب ہو جائے گی جو قریش مکّہ کو نصیب ہو گئی تھی۔ چنانچہ سجاح نے جیسے ہی نبوت کا اعلان کیا، لوگ دھڑا دھڑ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اس نے ایک لشکر کے ساتھ بنو تمیم کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔

سب سے پہلے تو اس نے مالک بن نویرہ کے ساتھ خاندانی تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے ' ایک معاہدہ کیا اور پھر دونوں نے مل کر بنو تمیم کے کئی چھوٹے قبیلوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ یعنی وہاں جا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ کوئی مذہبی جنگ نہ تھی۔ بلکہ صرف کسی ضرورت کے تحت یا طاقت کے بل بوتے پر سب کارروائی ہوتی رہی۔ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، سوائے اس کے کہ ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ اس سے مالک بن نویرہ کو اور طاقت نصیب ہوئی۔

سجاح کی یمامہ کی طرف پیش قدمی

لیکن حالات نے پلٹا کھایا اور کسی ایک جنگ میں سجاح کو شکست ہو گئی۔ تو اس کے لشکر والوں کو فکر ہوئی اور پوچھنے لگے کہ "اب کیا ہو گا؟" تو سجاح کے زرخیز دماغ نے ایک نیا نعرہ دیا کہ "یمامہ چلو۔ یمامہ چلو"۔ اس نعرہ میں بڑی کشش تھی اور لوگ جوق در جوق سجاح کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسیلمہ کذّاب جس نے یمامہ میں نبوّت کا اعلان کیا ہوا تھا، اس کے مکمل

حالات تو تفصیل کے ساتھ ذرا آگے آئیں گے۔ یہاں پر صرف اتنی وضاحت ضروری ہے کہ مسلیمہ کو مسلمانوں سے خطرہ تھا اور شاید اُس وقت عکرمہؓ بن ابوجہل اس طرف پیش قدمی کر چکے تھے یا کرنے والے تھے، اس لئے مسلیمہ اس وقت سجاح کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ مؤرخین نے سجاح کی یمامہ کی طرف پیش قدمی کی تاریخ نہیں لکھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلیمہ اس وقت عکرمہؓ کے ساتھ جھڑپ میں کامیاب ہو چکا ہو اور شرجیلؓ بن حسنہ کی پیش قدمی کا منتظر ہو۔ یہ سب ذکر آگے آئیں گے۔ طبری نے اس سلسلہ میں کچھ اشارہ بھی کیا ہے۔ بہرحال روایت ہے کہ مسلیمہ چالیس آدمی لے کر سجاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تحفے پیش کئے۔ اور "آدھی زمین" سجاح کے لوگوں کو دے کر سمجھوتہ کر لیا۔ مسلیمہ اس سے پہلے اس "آدھی زمین" کا تحفہ مسلمانوں کو بھی پیش کر چکا تھا، جس کی تفصیل بعد میں آئیگی۔

مسلیمہ اور سجاح کی شادی

مسلیمہ بڑا مکار تھا وہ کسی نہ کسی طرح سجاح پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ طبری نے اس سلسلہ میں جو دوسری روایت بغیر کسی راوی کے نام کے لکھی ہے، اس کہانی کو بڑا رومانی رنگ دے دیا گیا ہے۔ کہ کس طرح سجاح یمامہ پہنچی اور کس طرح مسلیمہ نے ایک الگ خیمہ لگا کر اس کے اندر عود اور لوبان کی دھونی دی وغیرہ۔ اس روایت یا کہانی کی تفصیل بیان کرنا یہاں مقصود نہیں۔ بہرحال مسلیمہ اور سجاح کی شادی ہو گئی۔ لیکن وہ اس کے پاس نہ ٹھہری اس لئے شادی بھی شاید "وقتی" تھی۔ قارئین! ہم پر بھی الزام لگا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیوں کیا۔ لیکن ہم یہ سب کچھ تاریخ کے بامقصد مطالعہ کے تحت کر رہے ہیں کہ جھوٹے نبیوں کا یہ کردار ہوتا ہے اور یہ خاتمہ۔ کہ سجاح نے شہرت حاصل کی تھی، وہ ختم ہو گئی اور وہ بنی تغلب کے پاس واپس چلی گئی۔ روایت ہے کہ سجاح نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور جناب امیر معاویہؓ کے عہد میں کوفہ میں آکر آباد ہو گئی، جہاں پر باقی زندگی ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح گزاری۔

دوم اس سے یہ نتیجہ بھی نکالنا مقصود ہے کہ سجاح کی اس آخری کارروائی سے مالک بن

نویرہ کو جو قوت حاصل ہوئی تھی، وہ کافی حد تک کم ہو گئی۔ اور مسیلمہ کی قوت نہ صرف برقرار رہی بلکہ بڑھ گئی۔ چونکہ خالدؓ نے آگے چل کر ان دونوں کا قلع قمع کرنا تھا۔ اس لئے دونوں کی طاقت اور حالات کا تجزیہ آپ کے سامنے آ گیا۔

مالک بن نویرہ کا خاتمہ

مالک اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ اس قابل نہ تھا کہ حضرت خالدؓ کا مقابلہ کر سکے۔ مورخین نے مالک کے خاتمے کو مختلف روایتوں سے پیش کر کے حالات کو عجیب و غریب شکل دے دی ہے۔ ان تمام روایات کا موازنہ کر کے حقیقت تلاش کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ بہرحال چند واضح پہلو اس طرح ہیں۔ مالک ایک خاندانی قسم کا شہزادہ تھا اور کافی حد تک بااصول اور باعزت آدمی تھا اور اپنے قبیلہ کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ دینے سے انکار کر بیٹھا۔ اور سوچا کہ حالات کے مطابق وہ ٹھیک کر رہا تھا۔ اس نے سجاح کے ساتھ اتحاد بھی مجبور ہو کر اور ضرورت کے تحت کیا تھا کہ شائد اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ یہ دونوں اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا اور جب حضرت خالدؓ نے پیش قدمی کی تو مالک کو اپنی شکست نظر آئی۔

مالک کا قتل

مالک معاملات کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔ یا زندگی میں اتنے پلٹے کھا چکا تھا کہ اب مکمل پلٹا کھا کر غیر مشروط طور پر اسلام میں داخل ہونے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ ہاں لڑائی سے ضرور گریز کیا۔ اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں اپنے کام پر لگے رہیں اور زکوٰۃ کی رقم پیش کرنے کے لئے اپنے قاصد حضرت خالدؓ کے لشکر کی طرف بھیج دیئے۔ یہ رقم بھی تھوڑی تھی۔ اور حضرت خالدؓ نے نہ صرف پوری رقم واپس لینے پر اصرار کیا بلکہ جب تک مالک تو بہ کر کے اسلام میں واپس نہیں آ جاتا اس کو معافی نہیں مل سکتی۔

چنانچہ حضرت خالدؓ نے [illegible]

لے آئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ پھیل گئے۔ اور حکم کے مطابق اذان دیتے تھے۔ جہاں پر سے جواباً اذان کی آواز آتی ان لوگوں کو چھوڑ دیتے۔ جہاں سے آواز نہ آتی ان کو گرفتار کر لیتے اور مالک کے گھر سے اذان کی آواز نہ آئی اس لئے اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو کچھ بھی ہوا، مالک کو حضرت خالدؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور جب وہ اُن سے بات کرتا تو حضورؐ پاک کے لئے "تمہارے صاحب" کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ خالدؓ نے کہا کہ "اپنے صاحبؐ کیوں نہیں کہتے۔ کیا وہ تمہارے صاحبؐ نہیں ہیں؟" مالک خاموش ہو گیا اور حضرت خالدؓ کو غصہ آ گیا۔ ضرارؓ بن ازور کو اس کے قتل کا حکم دیا گیا جو حکم پورا کر دیا گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے مالک کو قید کر دیا اور ارادہ مالک کو مدینہ بھیجنے کا تھا یا ابھی اور پرسش کرنا تھی۔ امین وغیرہ اور قیدی بھی تھے اور مالک سمیت یہ سب حضرت ضرارؓ بن ازور کی نگرانی میں تھے۔ رات کو کچھ بارش ہوئی اور سردی زیادہ ہو گئی۔ جناب خالدؓ نے اپنے خیمے سے آواز دی اور پوچھا کہ کیا قیدیوں کو گرم نہیں کیا؟ بہر حال عربی کے جو الفاظ استعمال ہوئے، 'بنی کنانہ' کی تلمیح کے مطابق اس کے چھپے ہوئے معنی یہ تھے کہ قیدیوں کو خاتمہ کر دو۔ چنانچہ حضرت ضرارؓ نے مالک، امین اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

ابو قتادہ انصاریؓ کا اختلاف

مشہور صحابی ابو قتادہؓ بھی لشکر میں تھے۔ وہ سخت اصول پسند تھے۔ فتح مکہ کے وقت بھی انہوں نے حضرت خالدؓ کی کارروائی پر کچھ اعتراض کر کے حضورؐ پاک کے پاس شکایت کی تھی، لیکن حضورؐ پاک نے خالدؓ کو قصوروار نہ ٹھہرایا اور بات ختم ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں کا یہی طریقہ تھا کہ بات چیت جب ختم ہو جاتی تھی تو سب کچھ بھول جاتے تھے۔ اب وہی ابو قتادہؓ، خالدؓ کے لشکر میں وفاداری کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ لیکن اس قتل پر جب اختلاف ہوا، تو آپ نے حضرت خالدؓ سے بڑے سخت سوال کئے۔ جناب خالدؓ نے، جناب ابو قتادہؓ کو ڈانٹ پلا دی تو ابو قتادہؓ ناراض ہو کر لشکر چھوڑ کر مدینہ شریف چلے گئے اور

جناب ابو بکر صدیقؓ کے سامنے خالدؓ کی سخت شکایت کی۔ خلیفہ اوّل نے حضرت ابو قتادہؓ کو حکم دیا کہ ابو قتادہؓ واپس جائیں اور اپنے سالارِ لشکر سے بغیر اجازت اپنی جگہ چھوڑنے کی معافی مانگیں۔ ابو قتادہؓ واپس آ گئے اور خالدؓ نے ابو قتادہؓ کو معاف کر دیا۔

تبصرہ

صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان کی رنجشیں بھی وقتی ہوتی تھیں اور ابو قتادہؓ والی بات تو ادھر ہی ختم ہو گئی۔ لیکن اب ذرا اس روایت کی طرف آئیں جو اس باب کے شروع میں زیر بحث آ چکی ہے کہ انصارِ مدینہ نے خالدؓ کے ساتھ چلنے سے ہی انکار کر دیا تھا اور ایک گھنٹہ تک تذبذب میں رہنے کے بعد پیش قدمی کی، اور خالدؓ ان کو وہیں چھوڑ کر چل پڑے۔ اسلام میں سخت ضبط کا حکم ہے اور حضورؐ پاک کا حکم ہے کہ جب دو ہوں تو ایک کو امیر بنا لو۔ اس لئے جہاں کہیں کوئی روایت آئے کہ وہاں اطاعتِ امیر میں کوتاہی ہوئی، تو اگر اس کی سزا یا معافی نہیں ملی تو روایت غلط سمجھو۔ اور جناب ابو بکرؓ کا ابو قتادہؓ کے سلسلہ میں فیصلہ کو یاد رکھو۔ ظاہر ہے کہ انصار کے تذبذب والی کہانی غلط ہے۔

دوم مالک بن نویرہ کے قتل کی دونوں روایات کو پرکھیں۔ جناب خالدؓ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ پہلی صورت میں جو آدمی حضورِ پاک کو اپنا نہیں سمجھتا وہ مرتد ہے۔ اس کی گردن اڑانا عین اسلامی فعل تھا۔ اور دوسری روایت میں مالک غلط فہمی کی وجہ سے قتل ہوا۔

مالک بن نویرہ کا خون بہا

خالدؓ اور ابو قتادہؓ میں اختلاف کی بات البتہ ضرور پھیل گئی۔ اور مالک کے بھائی مہتمم نے اس سے فائدہ اٹھایا اور وہ مدینہ شریف پہنچ گیا اور وہاں جاکر ثبوت پیش کیا کہ مالک دل سے مسلمان ہو گیا تھا یا مسلمان تھا۔ شرمیلا آدمی تھا بار بار ریلٹے کھانے کی وجہ سے اپنے اسلام کا کوئی کھلم کھلا اعلان نہ کیا یا نہ کر سکا، لیکن اسلامی لشکر کی مخالفت نہ کی۔ مہتمم نے اپنے اسلام کا ثبوت پیش کیا اور بھائی کے قتل کا خون بہا مانگا۔ جناب ابو بکر صدیقؓ نے

باز پرس کے لئے حضرت خالدؓ کو بلا بھیجا. خالدؓ نے صفائی پیش کی جس کو خلیفہ وقت نے منظور فرمایا. مالک کے بارے میں معاملات کچھ مشکوک تھے اس لئے خلیفۂ وقت نے مالک کے نو مسلم خاندان کو خون بہا ادا کرنے حکم دے دیا کہ ان کی دلجوئی بھی مقصود تھی. لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ جگہ مشہور ہو گیا کہ مالک، حضرت خالدؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے قتل ہوا.

مورخین کی رنگ آمیزی

یہاں تک بات صحیح تھی. پرانے زمانے میں تو اس بات کو زیادہ نہ اچھالا گیا. صرف طبری نے حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے درمیان تلخ کلامی کا ذکر کیا. کہ حضرت عمرؓ نے جناب خالدؓ کے لئے "اللہ کے دشمن" کے الفاظ استعمال کئے اور خالدؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے "ام شملہ کے بیٹے" یعنی بائیں ہاتھ والی ماں کے بیٹے کے الفاظ استعمال کئے. ہم دوسری کتاب میں واضح کریں گے کہ جناب خالدؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنی جائیداد کی تقسیم کے لئے حضرت عمرؓ کو وارث منتخب کیا. کہ حضرت عمرؓ کی والدہ ان کے سگے چچا کی بیٹی تھی. تو وہ اس کے لئے ایسے لفظ کیسے استعمال کرتے. ہم کہہ آئے ہیں کہ عرب کے پرانے رواج کے مطابق بھی چچی کو ماں کہتے تھے. کہ جنگِ حنین میں ابو سفیانؓ بن حارث نے جب حضور پاکؐ کی رکاب پکڑ لی. اور حضور پاکؐ نے پوچھا کہ کون ہے. تو حضور پاکؐ کے اس چچا کے بیٹے کے الفاظ تھے." میں آپؐ کی ماں کا بیٹا." علاوہ حضرت عمرؓ بھی "اللہ کی تلوار" کے لئے اللہ کے دشمن کے الفاظ کبھی نہ استعمال کرتے. یہ مورخین کی رنگ آمیزیاں ہیں.

ویسے جنگوں میں کیا ہوتا ہے. اس کا ذکر قرآن پاک میں سورۃ نمل میں بلکہ سیاسی زبان میں یہ لکھا ہے کہ لشکر ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں. جن لوگوں نے جنگیں دیکھی ہیں. اُن کو معلوم ہے کہ جنگوں میں عورتوں کی عزت بچانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے. اسی وجہ سے دین فطرت نے شادی یا ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے کی راہ کھول لی. ہم اس لئے یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کی لیلیٰ کے ساتھ شادی پر کوئی اعتراض ہو.

خلیفہ اوّل کی حکمتِ عملی کی ایک اور جھلک

اب مسیلمہ کذاب کی باری تھی۔ قارئین ذرا ذوقصہ واپس جائیں اور نقشۂ سوم اور چہارم پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ خلیفہ اوّل نے جو گیارہ لشکر منظم کئے تھے، ان سب کی ذمہ داریاں نقشوں کی مدد سے سمجھیں۔ بہر حال بحال ہمارا واسطہ یمامہ سے ہے اور دوسرا لشکر جو حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کا تھا اس کو حکم ملا کہ یمامہ کے علاقہ میں جاکر مسیلمہ پر نظر رکھیں۔ لیکن اپنے آپ کو کسی جنگ یا لڑائی میں نہ الجھا دینا۔ تیسرا لشکر شرجیلؓ بن حسنہ کا تھا جو عکرمہؓ کے ریزرو تھے۔ اب ذرا حکمتِ عملی پر نظر دوڑائیں۔ جناب صدیق اکبرؓ نے جو گیارہ لشکر مقرر فرمائے، ان میں جناب خالدؓ کے لشکر کو چھوڑ کر باقی کا کام یا دشمن پر نظر رکھنا تھا یا معمولی قسم کے دشمن کے ساتھ واسطہ تھا۔ خالدؓ نے مدینہ سے نکل کر ذوقصہ ہوتے ہوئے، ابرق سے ایک طرف ہو کر طے اور جدیلہ کے علاقوں سے ہوتے ہوئے بزوخا، سمیرہ، غمرہ، ظفر، سلمیٰ اور ابرق وغیرہ سے دشمنوں کو ادھیڑتے اور اکھیڑتے بطحا تک آکر دشمنوں کو تہس نہس کرنا تھا۔ تو ظاہر ہوا کہ خلیفہ اوّل کی حکمتِ عملی کی کشش کا مرکز جناب خالدؓ کا لشکر ہی تھا۔ ادھر ادھر جو لشکر بھیجے، ان میں سے کچھ کسی اور بڑی حکمتِ عملی کا حصہ تھے اور کچھ نے مرتدین کو ان کے علاقوں میں الجھائے رکھنا تھا کہ کہیں سب مرتدین اکٹھے ہو کر یا ملاپ کر کے خالدؓ کے خلاف ایک محاذ نہ بنا سکیں۔ آپ خلیفہ اوّل کی حکمتِ عملی کو سمجھیں کہ ہر لشکر کی نفری اس کی ذمہ داری کے مطابق تھی۔ اور اندازہ لگائیں جناب ابوبکرؓ کی فوجی بصیرت کا۔ کہ ہر کام انہوں نے کس طرح ناپ وتوں کے ساتھ کیا۔ ہم جو تدبیرات میں دوسروں کی نقالی میں صرف فائر بندی کے انتظار تک سوچتے ہیں اور یہی کچھ بڑے بڑے اداروں میں پڑھاتے ہیں وہ ان عظیم رہنماؤں کی حربی مہارت اور بصیرت میں کیسے غوطہ لگا سکتے ہیں کہ ہم نے اپنوں کے نقشِ قدم پر چلنا جو چھوڑ دیا ہے۔

چنانچہ قافلۂ حق میں سے سب سے پہلے جناب عکرمہؓ بن ابوجہل نے مسیلمہ کے ساتھ ٹکر لی گو خلیفۂ اوّل نے اس کی اجازت نہ دی تھی، کہ وہ حالات کو بہتر طور پر سمجھتے تھے۔ شاید حضرت خالدؓ کی فتوحات کا اثر اُس کے ہم عمر بھتیجا عکرمہؓ بن عمرو بن ہشام بن مغیرہ پر بھی ہوا۔ خالدؓ کے والد

ولید اور ہشام بھائی تھے۔ اور عکرمہؓ کا باپ عمرو بن ہشام جو زمانۂ جاہلیت کا ابوالحکم یعنی دانائی کا باپ تھا اور آجکل اس کو ہم جہالت کا باپ یعنی ابوجہل کہتے ہیں۔ وہ جناب خالدؓ کا چچیرا بھائی تھا۔ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی والدہ ماجدہ عکرمہؓ کی پھوپھی اور ابوجہل کی بہن تھی۔ بہرحال خلیفۃ الرّسولؐ، عکرمہؓ سے سخت ناراض ہوئے اور ان کو ڈانٹ دی، کہ اس حالت میں مدینہ نہ آنا۔ شرجیلؓ بن حسنہ کو اُن کی جگہ بھیجا، اور حضرت عکرمہؓ کو حضرت حذیفہؓ اور عرفجہؓ کے پاس اومان اور مہرہ کے علاقوں میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے بعد حضرموت میں جناب مہاجرؓ بن امیہ کے ساتھ مل جائیں۔ ان لشکروں کی ذمہ داری نقشہ چہارم پر موجود ہے اور عکرمہؓ نے ادھر بڑی بہادری دکھائی جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ فی الحال ہمارا مقصود یمامہ ہے اور جناب شرجیلؓ بن حسنہ کو لمبی چوڑی ہدایات دے کر خلیفہ نے یمامہ بھیجا، کہ وہ وہاں پر خالدؓ کا انتظار کریں اور یمامہ کی فتح کے بعد شام کی سرحدوں کی طرف بنو قضاعہ کے علاقوں میں جاکر حضرت عمروؓ بن عاص سے مل جائیں وغیرہ۔ اس حکمتِ عملی کا ذکر دوسری کتاب میں ہے۔ لیکن شرجیلؓ نے بھی وہی غلطی کی جو عکرمہؓ کر چکے تھے۔ وہ بھی خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے مسیلمہ کے ساتھ اُلجھ پڑے اور شکست کھائی۔ چنانچہ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو ان سے ناراض ہوئے۔

مسیلمہ کی جھوٹی نبوّت

مسیلمہ بن حبیب کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔ دس ہجری میں بنو حنیفہ کا ایک وفد مدینہ آیا جس کا مختصر ذکر جلال مصطفےؐ[1] میں کیا گیا ہے۔ مسیلمہ اس وفد میں شامل تھا۔ وفد میں دو اور آدمی بھی شامل تھے جو تاریخ میں باقی رہ گئے۔ ان میں سے ایک نہار الرجال تھا جس نے مسیلمہ کے عروج میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ دوسرا مجاعہ بن مرارہ تھا جس کے ہاتھ اور مشیت ایزدی کی وجہ سے بنو حنیفہ ایک بہت بڑی بربادی سے بچ گئے۔ کہ اس کا داؤ کام

---

[1] صفحہ نمبر ۲۹۱

صفحہ ۱۵۸

نقشہ سوم ۔ مرتدین کا ارتداد

جناب خالدؓ، عکرمہؓ، شرجیلؓ، عمروؓ بن عاص
اور خالدؓ بن سعید کی کارروائیاں
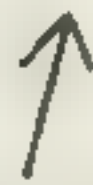
بحیرہ روم
شمال
موتہ
خالدؓ بن سعید
عمروؓ بن عاص
دومة
تبوک
شرجیلؓ
بزوخا
بطاح
ذوقصہ
خالدؓ
یمامہ
مدینہ
خلیج فارس
بحیرہ قلزم
نجران
عکرمہؓ
عمان
(اومان)
یمن
حضرموت
بحیرہ عرب
میل ۴۵۰ ۳۰۰ ۱۵۰ ۰ ۵۰

آیا۔ بہرحال بنو حنیفہ کا یہ وفد جب مدینہ شریف حاضر ہوا، تو حضورؐ پاک نے ان کو تحائف بھی دیئے۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اُن کا ایک ساتھی باہر اونٹوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ حضورؐ پاک نے اس کے لئے بھی ایک تحفہ دیا اور فرمایا۔ "وہ تو ایسا نہیں کہ تم سے پیچھے رہ جائے اور تمہارے سامان کی حفاظت پر لگا رہے۔" یہ مسلیمہ تھا اور حضورؐ پاک کو نظر آ رہا تھا کہ گو غلط صورت ہو گی لیکن ایک دن وہ اپنی قوم کے اُوپر آ جائے گا۔ یعنی وہ پیچھے رہنے والا نہیں، آگے آئے گا۔ مسلیمہ نے ان الفاظ کو اپنے حق میں خوب استعمال کیا۔

نہار الرجال نے اس سلسلہ میں مسلیمہ کی بہت مدد کی۔ طبری کے مطابق وہ مہاجرین میں سے تھا۔ یعنی یہ معلوم نہیں کہ وہ قبیلہ قریش میں سے تھا یا بنو حنیفہ یا کسی اور قبیلہ سے۔ لیکن ہجرت کر کے مدینہ ٹھہرا رہا اور اسلام سے اچھی طرح واقف تھا اور بنو حنیفہ کو اسلام کی طرف راغب کیا اور پھر اُن کے ساتھ وفد میں شامل ہو کر حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور پاکؐ نے اس کو بنو حنیفہ کے لئے مبلّغ اور معلّم بنا کر بھیج دیا۔ اس شخص کا بنو حنیفہ پر بڑا اثر تھا اور اسی نے شرارت کی بنیاد رکھی اور یہ جھوٹ باندھا کہ (نعوذ باللہ) اس نے خود حضورؐ پاک سے سنا کہ مسلیمہ کو نبوّت میں ان کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔

کذّاب کی جھوٹی نبوّت کے اثرات

مسلیمہ کی جھوٹی نبوّت کا بنو حنیفہ پر عجیب و غریب اثر ہوا۔ بنو حنیفہ دنیاوی چکر میں تھے۔ ان کو جب حضورؐ پاک کی نبوّت کی وجہ سے قریش اور انصار مدینہ کی شان نظر آئی تو انہوں نے صرف دنیاوی پہلو کو دیکھا۔ وہ دینِ فطرت کے فلسفہ حیات کو نہ سمجھ پائے تھے۔ انہوں نے جب مسلیمہ سے سُنا کہ وہ "آدھی دنیا" کے مالک ہو گئے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ اور مسلیمہ نے اس قسم کا ایک خط بھی حضورؐ پاک کو لکھا۔ حضورؐ پاک نے جواب میں مسلیمہ کو کذّاب کے نام سے پکارا اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ ویسے مسلیمہ اپنے اُوپر جن آیات کے اُترنے کی بات کرتا تھا وہ بالکل بیہودہ اور لغو ہوتی تھیں۔ مثلاً کبھی بکری کی قسم اور کبھی مینڈک کی قسم۔ شاید مینڈک کی کوز کام والی بات بھی وہیں سے شروع ہوئی ہو گی باتیں بڑی

غلیظ قسم کی ہوتی تھیں۔ اور کئی معمولی باتوں کو معجزہ بنا کر پیش کیا جاتا تھا کہ بکری سیاہ اور دودھ سفید۔ اللہ کی قدرت ہے۔ اور دودھ میں پانی مت ملاؤ۔ وغیرہ۔ پھر حضورؐ پاک کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا جس کے چند الٹ اثرات تو اسی زمانے میں ظاہر ہوگئے اور کچھ بعد میں۔ کسی کنوئیں میں پانی کم تھا، زیادتی کی دُعا کی تو مزید کم ہوگیا۔ فصلوں اور کھیتوں کی زرخیزی کی دعا کی تو وہ زمینیں بنجر ہوگئیں۔ جن بچوں کی پیدائش پر ان کے لئے دُعا کی اور جہاں ہاتھ لگایا، وہ عمر بھر کا روگ بن گیا۔

اس سلسلہ میں پوری کہانیاں بیان کرنے سے مضمون بہت وسیع ہوجائے گا۔ حضورؐ پاک آخری نبی ہیں۔ نبوّت کا سلسلہ ان پر ختم ہے۔ جھوٹے نبیوں کو ایسی ذلّت نصیب ہونا ضروری ہے تاکہ انہیں اور باقی لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ پہلے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے خدائی دعویٰ کرنے والوں کو بھی کچھ عرصہ برداشت کیا۔ پھر نمرود کے لئے حضرت ابراہیمؑ پیدا کئے اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰؑ۔ جھوٹا نبی بھی خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ اور اس جھوٹے نبی کو ختم کرنے کے لئے کوئی نبی تو نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرتا ہے اور غلامانِ محمدؐ کو شرف دیتا ہے کہ اس مردود کو ختم کریں۔ اسود، طلیحہ یا باقی جھوٹے نبی کچھ زیادہ اثرات پیدا نہ کرسکے۔ لیکن جن لوگوں نے ان کو ختم کیا ان کی بڑی شان ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھیں کہ جھوٹے نبی کو ختم کرنا اور اس پر لعنت بھیجنا اور اس کو کذّاب کے نام سے پکارنا یہ سب دینِ اسلام کی بڑی خدمتیں ہیں۔ کسی جھوٹے نبی کو ماننے والا مسلمان نہیں ہوسکتا اور ایسے جھوٹے جنہوں نے جہاد کو بھی معطل کردیا تو ایسوں کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

وہ نبوّت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوّت میں نہیں قوّت و شوکت کا پیام

ویسے تو مسلیمہ کے قبیلہ کے کئی لوگ جانتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے۔ لیکن قبائلی حسد کی وجہ سے دنیاوی چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک طلحہ نے تو اس کے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم جھوٹے ہو اور محمدؐ برحق نبی ہیں۔ لیکن اپنے قبیلہ کا جھوٹا نبی، قریش کے سچے نبی سے بہتر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بدقسمت انسان اپنے اس حسد کی وجہ سے جنگِ یمامہ میں مسلیمہ کذّاب کے ساتھ

ہی جہنم واصل ہوا۔ مسلیمہ میانہ قد کا تھا اور بدنی طور پر مضبوط آدمی تھا۔ اُس کی ناک چپٹی تھی اور یہی اس کی پہچان تھی۔ ویسے حضورؐ پاک نے فرمایا تھا کہ ایک شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور جب شیطان اس کے پاس آتا تھا تو مسلیمہ کی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ مُنہ سے جھاگ بہنے لگتی تھی۔

جنگِ یمامہ۔ طرفین کی تیاریاں

پرانے نقشوں میں بھی یمامہ کو ایک شہر کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ جہاں مسلیمہ کا ہیڈ کوارٹر تھا یہ سارا علاقہ موجودہ ریاض کے نزدیک ہے۔ اور مسلیمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ اسی علاقے میں آباد تھا لبطاح یا بلطحا سے یمامہ کو جو راستہ آتا ہے وہ وادی حنیفہ میں عقربہ کے نزدیک سے داخل ہوتا ہے اور وہ جگہ وہاں سے تقریباً پچیس میل دور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنو حنیفہ جنگ و جدل کے معاملات کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی لشکر وادی کے اندر داخل ہو کر ان کے آباد علاقے اور زرخیز زمینوں سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ مسلیمہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ، جس کی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کو چھوڑ کر عقربہ پہنچ چکا تھا۔ وہاں پوزیشن میں ہونے کا ایک فائدہ یہ تھا کہ اگر حضرت خالدؓ راستے سے ہٹ کر آگے بڑھتے تو مسلیمہ ان کے بائیں بازو پر وار کر کے ان کو اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر لڑائی لڑنے کے لئے مجبور[1] کر سکتا تھا۔ حضرت خالدؓ کو اس چیز کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے وادی والے راستہ سے ہٹ کر جبیلہ شہر کی مخالف سمت میں ایک اونچی زمین پر پوزیشن اختیار کر لی۔ یہاں سے عقربہ کا میدان مکمل طور پر نظر آتا تھا

اسلامی لشکر

حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار بتائی جاتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہے کہ

---

[1] جنگ کے اس طریقۂ کار کو عملی طور پر سمجھنے کے لئے جلالِ مصطفےٰؐ کے دوسرے باب میں حضورؐ پاک کی تجویز اور کارروائی کو غور سے پڑھیں۔ خاص کر صفحہ ۸۷ اور جنگ کے اسباق پر نظر ڈالیں۔

حضرت خالدؓ نے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کارروائی شروع کی اور طلیحہ کے ساتھ مقابلے کے وقت تعداد چھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ یہ تعداد آگے بڑھتی گئی اور مدینہ شریف سے کمک کے ساتھ بطح کی کارروائی تک یہ تعداد کوئی دس ہزار کے قریب تھی۔ جناب شرجیلؓ کا لشکر شامل کر کے کل تعداد تیرہ یا چودہ ہزار کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ یہی دینِ فطرت کی اہم بات ہے کہ بامقصد جنگ میں فتح کا اختتامی مقام اس طرح ترقی کرتا جاتا ہے اور اہلِ حق کی تعداد بڑھتی رہتی ہے جناب خالدؓ کے لشکر میں صحابہؓ بدر سے جناب سلیطؓ بھی تھے جو آگے جا کر جسر کی جنگ میں شہید ہوئے۔ خلیفہ اوّل صحابہ بدر اور عمر رسیدہ صحابہ کرامؓ کو مدینہ شریف میں رکھا کرتے تھے کہ اوّل اُن کو آرام ملے کہ انہوں نے مشکل وقت گزارا تھا۔ اور دوم نوجوانوں کو مواقع مہیا کیے جائیں کہ انہوں نے دنیا فتح کرنا تھی۔ حضرت عمرؓ نے تبدیلی کر دی کہ ان بزرگوں کو محاذ پر مشیر کے طور پر مامور کر دیا کہ نوجوانوں کو نزدیک سے صلاح میسر ہو سکے۔

حضرت خالدؓ کے لشکر میں خلیفہ اوّل کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ شامل تھے اور اُن کے چچا زیدؓ بن خطاب بھی تھے۔ صاحب اُحد اور حضورؐ پاک سے تلوار حاصل کرنے والے جناب ابودجانہؓ[1] بھی تھے۔ جنگ اُحد میں حصّہ لینے والی مشہور صحابیہ ام عمارہؓ بھی تھیں اور جنگِ احد کے عظیم شہید اسد اللہ جناب حمزہؓ پر نیزہ پھینکنے والا وحشیؓ بھی آج لشکرِ اسلام میں شامل تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ جنگِ اُحد میں کفار کے سالار جناب ابوسفیانؓ کے بیٹے اور ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی جناب امیر معاویہؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ ویسے متعدد حفاظ اور صحابہؓ لشکرِ اسلام میں اللہ اور رسولؐ کے نام پر اپنی جانِ عزیز جان آفریں کو پیش کرنے پر تیار تھے۔ اصحاب بدر سے جناب ابوحذیفہؓ اور سالمؓ بھی تھے۔

تبصرہ

ذرا ان حالات کا اپنے زمانہ سے موازنہ کریں۔ کچھ صاحبان ہیں جن کے لحاظ سے فوج

---

[1] تفصیل کے لئے جلال مصطفیؐ صفحہ ۸۹ سے استفادہ کریں۔

ایک پیشہ ہے اور صرف کچھ "تنخواہ دار سپاہی" ہی قربانی کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ وہ بے چارے تو بے گناہ ہیں اور دشمن بڑا ظالم ہے جو اُن کو بھی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ مرزا غالبؔ والی بات بھی ان کو پسند نہیں کہ ان کے آباء شائد فنِ سپاہ گری کی شُدبُد رکھتے تھے۔ کچھ لوگ قلمی جہاد کرتے ہیں اور کچھ زبانی کلامی جہاد میں مصروف ہیں۔ کچھ لوگ صرف داد دینے اور تالیاں بجانے تک جانے کو تیار ہیں اور جو پیشہ غیروں کے زمانے میں بھی معزز سمجھا جاتا تھا، اس پیشہ کو اختیار کرنے کو لوگ تیار نہیں۔ یہاں تک کہ جہاد کو کچھ "علماء" نے جدوجہد کے معنی پہنا دیئے۔ اور چودہ سو سال سے ہمارے پاس جو جہاد کا ایک کاری ہتھیار موجود تھا، اسے کسی نے فقہ کے تابع کر دیا اور کسی نے "کوشش" کے معنی پہنا کر جہاد کو "نہتا" کر دیا۔

مسیلمہ کی فوج

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مسیلمہ کی فوج کوئی چالیس ہزار ہو گی۔ البتہ جنگ سے پہلے مسیلمہ کا ایک جرنیل مجاعہ بن مرارہ اپنے چالیس جوانوں کے ساتھ حضرت خالدؓ کے لشکریوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ کسی قبیلہ پر چھاپہ مارنے گئے تھے اور بے خبری اور سوتے میں گرفتار ہوئے۔ جب وہ خالدؓ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے مسیلمہ کے بھی پیغمبری میں حصہ داری کو اپنا ایمان سمجھا، تو خالدؓ نے مجاعہ کو چھوڑ کر سب کے سر قلم کرا دیئے۔ مجاعہ شائد حالات کی نبض شناسی میں کچھ مدد دے سکے۔ مسیلمہ کو نفری میں برتری حاصل تھی۔ لیکن مسلمانوں نے جنگ میں جو مہارت حاصل کر لی تھی اس وجہ سے مسیلمہ مسلمانوں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کے بارے کچھ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسیلمہ نے اپنی فوج کی دفاعی صف بندی کی۔ میمنہ پر محکم بن طفیل اور میسرہ پر رجال اور درمیان میں کذاب خود تھا۔ عقربہ کا میدان ان کی پچھلی طرف تھا، جس میں ایاز کا باغ تھا۔ فوج کی صف بندی جبیلہ شہر کے مشرق اور مغرب کی طرف تھی اور وہ مسلمانوں کے حملہ کے منتظر تھے۔ پہلے دو موقعوں کی طرح ان کو امید تھی کہ کامیاب دفاع کے بعد وہ جوابی حملہ کر کے اپنی کارروائی کو جارحانہ شکل میں تبدیل کر سکیں گے۔

اسلامی لشکر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر

اتنا بڑا اسلامی لشکر اس سے پہلے کبھی کسی لڑائی میں شرکت نہ کر سکا تھا۔ مسلمانوں نے ساری رات عبادت اور دعاؤں میں گزاری۔ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد یہ پہلی بہت لڑائی تھی۔ مسلمان اللہ کے ذکر میں بھی مصروف رہے اور انہوں نے اپنے لئے لڑائی کا نعرہ "یا محمدؐ" تجویز کیا۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ جھوٹے نبی کے پیروکاروں کے مقابلے میں اپنے نبی کے برحق ہونے کی صدا سے طاقت حاصل کی جائے۔ ایسے نعروں سے طاقت حاصل کرنے کو وہ انسان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ جس نے جنگ میں شرکت کر کے یہ تجربہ اپنایا ہو۔ حملہ کرتے وقت ایسے نعروں کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن دفاع میں بھی یہ نعرے ایک اور جھپٹ کے لئے تیار کر دیتے ہیں۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

حضرت خالدؓ خود لشکر کے درمیان میں اسلام کے علم کے سایہ میں کھڑے تھے۔ میمنہ پر زیدؓ بن خطاب تھے اور میسرہ پر ابوحذیفہؓ۔ اس دفعہ قبائل کو آپس میں شیر و شکر کرنے کے لئے یک جا کر دیا گیا تھا۔ اور ہر چھوٹے دستے کے امیر تلواریں اپنے ہاتھوں میں لئے دستوں کے آگے چکر لگا رہے تھے۔ قرآن پاک کی آیات بلند آواز سے پڑھ رہے تھے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے کی چیز ہے ؎

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرؓ کرار (اقبالؔ)

اسلامی لشکر کا حملہ

شوال کا مہینہ تھا اور موسمِ سرما شروع ہو چکا تھا۔ موسم کے لحاظ سے اس زمانے میں سردی شوال

ذی قعد[1] میں شروع ہوئی تھی۔ ایک صبح مسلمان اللہ اکبر کے نعروں سے مرتدین پر حملہ آور ہو گئے اور نعرہ تکبیر سے وادیٔ حنیفہ کی فضائیں گونج اٹھیں۔ حضرت خالدؓ از خود لشکر کے درمیانی حصہ کی قیادت فرما رہے تھے۔ اور بازوؤں پر جناب زیدؓ اور ابو حذیفہؓ تھے۔ مسلمانوں کا حملہ بھرپور اور بڑے زور شور کا تھا۔ لیکن مرتدین نے مضبوط چٹان کی طرح مقابلہ کیا۔ مسلمان ان کی صفوں میں گھس گئے اور کئی مرتدین کو واصلِ جہنم کیا۔ لیکن تین گنا زیادہ تعداد والے دشمن پر اس حملے کے اثرات کچھ زیادہ نہ ہو سکے۔ مسلیمہ اور اس کا قبیلہ بھی جنگ کے ماہر تھے اور مسلمانوں کو ہوازن اور ثقیف کے بعد پہلی دفعہ عرب کے ایک بہت بڑے جنگجو قبیلہ کے ساتھ واسطہ پڑا تھا۔ مسلمانوں کے حملہ کا زور ٹوٹ گیا۔ مسلیمہ حالات کو بھانپ گیا۔ اور اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اور طاقت و نفری کی برتری کی وجہ سے بنو حنیفہ مسلمانوں کو بہت پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بے شک مسلمان جذبہ اور تدبیرات میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔ لیکن بنو حنیفہ تعداد اور مسلیمہ کے وعدوں کی امید پر سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا دوسرا حملہ

مسلمان دستے کافی پیچھے ہٹ گئے اور بنو حنیفہ کو ڈر تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں پر زیادہ دباؤ نہ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا موقع دیا اور اس دوران مسلمانوں نے قبائل کو پھر الگ الگ کر دیا۔ اس تبدیلی نے مسلمانوں کو تازہ دم کر دیا۔ اسلام نے دلوں کو جوڑ دیا تھا۔ لیکن خون کے رشتہ اور قرابت داری کا بھی مقام ہے۔ جب عقیدہ ایک ہو، وحدت اللہ کے نام پر ہو تو پھر قرابت داری سونے پر سہاگہ ہوتی ہے۔ ویسے بھی ایک دوسرے کو جاننے کا فائدہ ہوتا ہے۔ جیسے ایک سیکشن یا پلٹون کے جوان ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ تو مسلمانوں نے اس حملہ کے ساتھ اللہ اکبر اور یا محمدؐ کے پُر جوش نعرے لگائے۔ حضرت خالدؓ نے اپنے گرد کچھ جنگجو اکٹھے کئے اور ان کا "ریلا" بنا کر وہ درمیان میں دشمن کی صفوں میں

---

[1] جنگِ خندق بھی ایسے ہی موسم میں ہوئی۔ جلال مصطفےٰؐ بتیسرا باب سے استفادہ کریں۔

گھس گئے۔ دائیں بازو سے حضرت زیدؓ نے آگے بڑھ کر رجال کا خاتمہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کے حالات تبدیل ہوتے ہوئے نظر آئے۔ کفار پیچھے ہٹ رہے تھے اور جناب خالدؓ نے مبارزت طلبی شروع کر دی۔ بنو حنیفہ کے کئی جوان آگے بڑھے۔ لیکن پلک جھپکنے میں باری باری واصلِ جہنم ہوئے۔ مسلیمہ خود جنگ میں کوئی حصّہ نہ لے رہا تھا۔ حضرت خالدؓ چاہتے تھے کہ کس طرح مسلیمہ کے نزدیک پہنچ کر مبارزت طلبی سے یا حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں کہ اس طرح سے دشمن کی طاقت کا مرکز ختم ہو جاتا۔

حضرت خالدؓ آگے بڑھتے بڑھتے مسلیمہ کے کافی قریب پہنچ گئے۔ لیکن مسلیمہ مبارزت کے لئے آگے نہ آ رہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے بات چیت کے بہانے سے مسلیمہ کو آگے بلایا۔ لیکن مسلیمہ کا شیطان اس کے کام آیا اور مسلیمہ مُنہ پھیر کر بھاگ گیا۔ مسلیمہ بچ تو گیا لیکن بنو حنیفہ نے جب دیکھا کہ ان کا جھوٹا پیغمبر اللہ کی تلوار کے سامنے نہ ٹھہر سکا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ جہاں وہ لڑ رہے تھے وہاں خون کی ندیاں بہہ چکی تھیں۔ اور جنگ کے بعد وہاں دشمن کی سات ہزار لاشیں گنی گئی تھیں۔ اِن حالات میں مسلیمہ کے میمنہ والے کمانڈر محکم بن طفیل نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ وہ ایاز کے باغ میں پناہ لیں اور وُہ خُود ان کے لئے ریئر گارڈ کا کام کرنے لگا۔ محکم اس لڑائی میں خود کھیت رہا اور دشمن کے کافی لوگ واصلِ جہنم ہوئے یا تتر بتر ہو گئے۔ لیکن تیسرا حصّہ باغ میں پہنچ گیا۔ وہ باغ قلعہ نما تھا، اس کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ محکم کا سر، خلیفہ اوّل کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو قلم کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

ایاز کا باغ

دوپہر کا وقت تھا اور مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ لڑائی اس دن ختم نہ ہو کہ کفار رات کے اندھیرے میں باغ کی دیواروں کو توڑ کر نکل سکتے تھے۔ اور پھر کسی جگہ کمک کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے اور مسلیمہ والا قصہ ختم نہ ہوتا۔ مسلمانوں کے پاس محاصرہ یا قلعہ بند علاقے کو توڑنے کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ مشہور محدث اور حضور پاکؐ کے خدمت گار جناب انسؓ بن مالک کے بڑے بھائی براؓ بن مالک کو عجیب سوجھی کہنے لگے کہ اُن کو اٹھا کر باغ کے اندر پھینک دو۔ پہلے تو لوگ نہ مانے لیکن آخر جب ان کی بات مانی

گئی تو وہ دشمن کے سروں پر ایک "آفتِ ناگہانی" کی طرح اس طرح گرے کہ دشمن ڈر گئے اور جناب براؓ نے دوڑ کر قلعہ کے دروازے کھول دیئے اسلامی لشکر کے مجاہد باہر منتظر تھے۔ وہ پانی کے ریلے کی طرح اندر داخل ہو گئے۔

مسلمان باغ میں تو داخل ہو گئے لیکن ظاہر ہے وہ تنگ محاذ یا جگہ پر لڑ رہے تھے اور پھیلاؤ اختیار کرنے کے لئے ان کو عظیم قربانیاں دینا پڑیں حرکت کی زیادہ گنجائش نہ تھی۔ مسلمانوں کی تمام تر تدبیرات اور ہر حرکت کے ارد گرد گھومتا تھا اور یہ حرکت وہ تلواروں اور نیزوں کی مدد سے کر رہے تھے اور دشمن کو تہ تیغ کر کے آگے بڑھتے جاتے تھے۔

مسیلمہ کا خاتمہ

مرتدین کو مسیلمہ کی ذات پر بڑی امیدیں تھیں۔ اس نے ان کو بڑے سبز باغوں کی امیدیں دلا رکھی تھیں اس لئے وہ دوڑ دوڑ کر اس کے ارد گرد آتے اور پوچھتے۔ مسیلمہ اور زیادہ سختی سے لڑنے کا حکم دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شکست میں اس کی موت ہے تو اس سے لڑنے میں ہی کچھ امید تھی کہ شائد شکست سے بچ جاویں۔ مسلمان طاقت کی کشش کے اس مرکز کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اور ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ وہ اس مردود کو واصلِ جہنم کرے۔ لیکن وحشیؓ، حضرت ابو دجانہؓ اور جناب اُمِّ عمارہؓ تینوں مسیلمہ کے کافی نزدیک پہنچ گئے۔ اُمِ عمارہؓ مسیلمہ پر وار کرنے ہی والی تھیں کہ ایک مرتد نے وار کر کے آپ کا بازو کاٹ دیا اور آپ کے لڑکے ادھر متوجہ ہو گئے پہلے اس مردود کا خاتمہ کیا۔ پھر کسی طرح وحشیؓ کو موقع مل گیا اس نے تاک کر مسیلمہ پر نیزہ پھینک دیا جو اس کے پیٹ میں گھس گیا مسیلمہ ادھر متوجہ ہوا تو جناب ابو دجانہؓ نے آگے بڑھ کر اس کا سر کاٹ دیا۔ اور جیسے ہی یہ اعلان فرما رہے تھے تو ایک مرتد نے بے خبری میں جناب ابو دجانہؓ کو بھی شہید کر دیا مسیلمہ کے سر کٹ جانے سے مرتدین دل چھوڑ گئے۔ لیکن باغ سے باہر راستہ نہ تھا بس کشتوں کے پشتے لگ گئے اور جنگ بڑی مشکل سے شام کو جا کر تھمی۔

مرتدین کی شکست

اللہ کی شان ہے۔ وہی وحشیؓ جس نے کفر کی حالت میں اسلام کے عظیم مجاہد جنگوں کے دولہا،

اللہ کے شیر، حضور پاکؐ کے چچا اور رضاعی بھائی، امامہؓ کے والد خاندانِ ہاشم کے درخشندہ ستارے۔ اسلام کے اول علمبردار اور علم حاصل کرنے والے کو شہید کیا تھا اب اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد کذابوں کے باپ اور پہلے بڑے کذاب کو اسی نیزہ سے واصلِ جہنم کیا۔ وحشیؓ نے بعد میں شام و فلسطین کی جنگوں میں شرکت کی تھی۔ اور لوگوں کو دونوں واقعے سنایا کرتا تھا۔ ایک طرف حضرت حمزہؓ کی نرالی شان اور دوسری طرف مسیلمہ کی شیطنت عجیب تضاد تھا۔ اُم عمارہؓ نے مسلمان صحابیات کے ناموس کو چار چاند لگا دیئے اور ان کی کارروائی میں ہماری عورتوں کے لئے سبق ہے کہ عورت کو اسلام نے جو مقام دیا ہے وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ میدان جنگ میں مجاہدہ بن کر بھی وہ چار دیواری اور چادر میں موجود رہ سکتی ہے۔ وہ لوری دے کر عظیم مجاہد پیدا کرتی ہے۔ اس کا اسلام میں اعلےٰ اور ارفع مقام ہے۔

مرتدین کو شکست فاش ہوئی۔ ویسے جنگ میں طرفین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ اور بنو حنیفہ کے تقریباً سب مشہور سردار مارے گئے۔ مجاعہ کو ساتھ لے کر حضرت خالدؓ نے میدانِ جنگ کا چکر لگایا جو لاشوں سے بھرا پڑا تھا مجاعہ لوگوں کو پہچان کر حضرت خالدؓ کو بتاتا رہا خیال ہے کہ جنگ کے پہلے مرحلہ میں کوئی سات ہزار کے قریب مرتدین اور اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ مرتدین، دوسرے مرحلہ میں یعنی باغ کے اندر مارے گئے۔ جنگ میں شاید ہی کوئی مسلمان مجاہد ہوگا جو زخمی نہ ہوا ہو لیکن شہداء کی تعداد کوئی بارہ سو کے قریب تھی۔ ان میں متعدد صحابہ کرامؓ اور تین سو حافظِ قرآن شامل تھے۔ روایت ہے کہ اتنے حفاظ کی شہادت کی خبر سن کر جناب ابوبکر صدیقؓ نے قرآن پاک کو جمع کرا کر تحریری شکل دی۔ ویسے اس زمانے میں بے حساب صحابہؓ قرآن پاک کو سینہ میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور حصوں میں تو تقریباً سب کو ازبر تھا۔

مسلمان شہداء اور لشکر کی حالت

حضرت ابودجانہؓ کے علاوہ بازوؤں کے دونوں مسلمان امیر جناب زیدؓ اور جناب ابوحذیفہؓ بھی شہید ہوئے اور عظیم صحابی جناب ثابتؓ بھی۔ ویسے مسلمان مجاہد تھک کر چور ہو چکے تھے۔ شام کے بعد جس نے جدھر سر رکھا ادھر ہی سو گیا۔ حضرت خالدؓ لشکر کی حالت کو بھانپ چکے تھے۔

اور بنو حنیفہ کا مجاعہ بھی بھانپ چکا تھا۔ اس لیے مجاعہ نے داؤ کھیلا۔ کہنے لگا یہ فتح آپ لوگوں کو مہنگی پڑی ہے۔ کہ یمامہ کا بڑا لشکر ابھی قلعہ میں موجود ہے حضرت خالدؓ حیران ہوئے اور اپنے لشکر کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ نرم شرط پر صلح کے لیے تیار ہو گئے کہ تمام ہتھیار مسلمانوں کے حوالے کر دیئے جائیں اور جنگ کا تاوان بھی لیکن صرف آدمی آبادی کو آزادی ہوگی۔ مجاعہ نے وعدہ کیا کہ وہ یہ شرطیں لے کر قلعہ میں جائے گا اور پیچھے سرداروں سے مل کر کوئی فیصلہ کرے گا۔ مجاعہ نے قلعہ کے اندر جا کر تمام عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر قلعہ کی دیواروں پر بیٹھا دیا اور واپس آکر شرطیں اور نرم کرنے کے لیے کہا۔ جناب خالدؓ نے اتنے آدمی قلعہ کی دیواروں پر دیکھے تو انہوں نے شرائط نرم کر دیں اور قلعہ کے سب لوگوں کو آزاد کر دیا اور سمجھوتہ ہو گیا۔

جناب خالدؓ کو مجاعہ کے داؤ کا پتہ چلا تو غصہ ضرور آیا لیکن مسلمان وعدہ کا پابند ہوتا ہے نیز دونوں خلیفہ اوّل کا خط آیا جنہوں نے لکھا تھا کہ بنو حنیفہ میں جو لوگ اسلام میں داخل نہ ہوں ان کو معاف نہ کرنا لیکن خالدؓ قلعہ کے اندر والے لوگوں کو امان دے چکے تھے۔ خلیفہ اوّل کو پورے واقعہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ وعدہ ضرور پورا کیا جائے۔ بہر حال یہ امان قلعہ کے اندر کے لوگوں کے لیے تھی نہ کہ ساری وادی یا علاقہ کے لیے۔ نقص کا رٹ ختم ہونے کے بعد مجاہدوں نے دور دور تک بنو حنیفہ کے لوگوں پر چھاپے مار کر پورے علاقہ کو سر کر لیا۔

حضرت خالدؓ کی شادی

جنگ یمامہ سے چند دن بعد حضرت خالدؓ نے مجاعہ کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر لی۔ اس بات پر بھی مورخین نے کچھ رنگ آمیزی کی ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے جناب خالدؓ سے باز پرس کی اور ان کو لکھا کہ تمہارے شہداء کا خون ابھی خشک نہیں ہوا۔ اور تمہیں شادی کو سوجھی۔ ہمارا ایک مبصر اس پر مزید تبصرہ کرتا ہے کہ جناب خالدؓ کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا کہ یہ سب اعیسر (یعنی حضرت عمرؓ) کی شرارت ہے۔ تاریخ ابن اسحٰق میں جناب خالدؓ کے ایسے الفاظ بالکل موجود نہیں۔ البتہ خط کا ذکر ہے۔ لیکن اس کے کسی راوی کا ذکر نہیں۔ اوّل تو یمامہ میں چودہ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور کئی جوان عورتوں کے لئے خاوند بھی نہ ملتے تھے۔ چنانچہ جناب خالدؓ نے اچھے نسب کی

لڑکیاں مدینہ شریف بھیجیں جن میں ایک خولہؓ بھی تھیں جو ایک سردار جعفر بن قیس کی بیٹی تھیں۔ انہی دنوں جناب فاطمہؓ کی وفات ہوئی تھی اور جناب ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کہ ہمارے ہاں سردار حضور پاکؐ کا خاندان یعنی بنو ہاشم ہیں۔ تو یہ لڑکی خولہؓ جناب علیؓ کی زوجیت میں جائے گی حضرت علیؓ نے منظور فرمایا۔ لیکن جناب خولہؓ نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ بیٹا میرے خاندان کے نام پر ہوگا۔ جو حضرت علیؓ نے منظور کیا۔ تب ہی آپؓ کے بیٹے کا نام محمدؓ بن حنیفہ ہے۔ جن کی اولاد محمود غزنویؒ کے لشکر کے ساتھ بھارت پر حملہ آور ہوئی اور محمود غزنویؒ نے انہیں کوہستان نمک میں آباد کر دیا۔ اور موجودہ علوی یا اعوان قبائل انہی کی اولاد سے ہیں۔ اب جناب ابوبکرؓ، جناب خالدؓ کی شادی پر کیسے اعتراض کرتے اور حضرت عمرؓ اُن کو بھلا کیوں بہکاتے۔ خود حضور پاکؐ نے جنگِ خیبر کے بعد شادی کی تھی۔

جنگ یمامہ کے نتائج و اسباق

۱۔ جناب خلیفۂ اول نے جنگ کے بعد جناب خالدؓ کو حکم دیا کہ اس علاقے کے انتظام کو بہتر کریں۔ مجاہدین کو چھٹیاں دیں اور جناب شرجیلؓ بن حسنہ کے لشکر کو اپنے اگلے مشن پر روانہ کر دیں۔ جو بنو قضاعہ اور حضرت عمروؓ بن عاص کے علاقہ میں ہے اس طرف جناب صدیق اکبرؓ ملکِ شام و فلسطین میں اسلام کا پرچم بلند کرنے کی حکمت عملی بنا رہے تھے۔

۲۔ سرزمینِ عرب میں مرتدین کے قلع و قمع کے لیے خلیفۂ اوّل نے جس حکمت عملی کا اعلان کیا، اس کے تحت مسیلمہ کا خاتمہ ہی سب سے بڑا اور اہم کام تھا جو خوش اسلوبی اور ایک باقاعدہ تدبیر کے ساتھ نبھا لیا گیا۔ اب جناب خالدؓ اگلے حکم کے منتظر تھے۔

۳۔ کلاسوٹز اور باقی مغربی مفکرین اور ماہرین کی جنگ کی کتابیں پڑھ لیں ان میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ حملہ یا جارحانہ کارروائی جیسے آگے بڑھتی ہے اس کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔ اور فتح کا افتتاحی مقام آجاتا ہے۔ جہاں کوئی امن کا معاہدہ ہو جاتا ہے یا شکست سے ایک اور جنگ پیدا ہوتی ہے جو رخ تبدیل کر دیتی ہے وغیرہ لیکن دینِ فطرت میں جارحانہ کارروائی یا حملہ جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے اس میں طاقت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور جب تک مسلمانوں نے با مقصد جنگ کو مدِ نظر رکھا دنیا کی کوئی طاقت ان کو نہ

روک سکی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ خود دینِ فطرت کے فلسفۂ حیات پر عمل کرتے تھے اور یہی فلسفہ آگے پیش کرتے تھے۔ مدینہ سے یمامہ تک کے حالات اس کے ثبوت میں جاتے ہیں۔

۴۔ مسلمانوں نے برتر نفری والے دشمن کے خلاف یہ کامیابیاں اس لئے بھی حاصل کرلیں کہ حضور پاکؐ سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق حکمتِ عملی وضع کی اور اپنی تدبیرات کو اس حکمتِ عملی کے تابع کیا جو متحرک طرزِ جنگ تھی، تمام تر تجاویز کو اس کے مطابق ڈھالا اور کامیابیاں حاصل کیں[1]۔

۵۔ سارا عرب، مسلمانوں کا دشمن ہو چکا تھا۔ شمال میں رومی اور غسانی قبائل دشمن تھے۔ لیکن ایسی حکمتِ عملی کا تعین کیا گیا کہ دشمنوں کو اکٹھا ہی نہ ہونے دیا۔ ہر سمت میں ضرورت کے مطابق لشکر بھیج کر دشمنوں کو الجھائے رکھا یا ان پر نظر رکھی اور اس طرح مرتدین کی بڑی طاقتوں کے قلع قمع میں آسانی ہوئی۔

۶۔ جھوٹی نبوت کا جو فیشن ہو گیا تھا۔ وہ مسیلمہ کے عبرت ناک انجام اور بنو حنیفہ کی فضول قسم کی قربانی کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد وہاں پر کسی جھوٹے نبی کے بارے میں کم ہی سننے میں آیا۔

۷۔ اسلامی فلسفۂ حیات اپنانے سے قبیلہ قریش اور انصارِ مدینہ کو ایسی شان حاصل ہو گئی۔ جس سے پورے عرب میں ان کے نام کا طوطی بولنے لگا۔ طبری میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ عمروؓ بن عاص بغاوت کے شروع کے زمانوں میں کسی سفر سے واپس آئے۔ وہ بڑے سنجیدہ تھے اور حالات کو بھانپنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ جناب فاروقِ اعظمؓ نے سوچا کہ ان سے مل کر باہر کے حالات کا پتہ کریں۔ جب آپ حضرت ابن عاصؓ کے پاس پہنچے تو عظیم صحابہ کا ایک حلقہ آپ کے گرد موجود تھا۔ جس میں جناب عثمانؓ، جناب علیؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، جناب عبدالرحمٰنؓ اور جناب سعدؓ تقریباً سب عشرہ مبشرہ والے اصحاب بیٹھے تھے۔ اور واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر کچھ خاموش ہو گئے۔ جناب فاروق اعظمؓ سمجھ گئے کہ کچھ فکر مندی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ آپؓ فرمانے لگے۔ اسلام کی

---

[1] جلال مصطفےٰ کی ہر جنگ میں اس پہلو کو نتائج کے اثرات سے واضح کیا گیا ہے اور شروع سے پیش لفظ میں صفحہ ۲۵ اور جنگِ بدر تک صفحہ ۴۳ میں یہ جھلک دی گئی ہے۔ ویسے ساری کتاب میں جگہ جگہ یہ اسباق ملتے ہیں۔

وجہ سے قریش اور انصار کو جو اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے وہ انشاء اللہ ابد تک قائم رہے گا چنانچہ جنگِ یمامہ اس پیش گوئی کی بنیاد ثابت ہوئی ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

۸۔ اسلام وحدت کا علمبردار ہے اور قبائل صرف پہچان کے لئے ہیں۔ جنگ یمامہ میں قبائلی لشکر توڑ دینے سے کچھ نقصان ضرور اٹھانا پڑا۔ اول یہ شروع اسلام کی بات تھی اور اس وقت مکمل طور پر لوگ ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔ بہر حال یہ ضروری ہے کہ لڑائی میں اپنے دائیں اور بائیں والوں کو جاننا چاہیئے اہلِ یورپ نے ہمارے لفظ ربط سے لفظ رجمنٹ بنا لیا۔ اور جنگ میں رجمنٹوں کا وجود اہم ہوگیا۔ پیشہ ور فوج میں ایک پلٹن کو سوائے کسی خاص مجبوری کے اکٹھا لڑنا چاہیئے اور رسالہ میں سکواڈرن سے نیچے حصے بکھرے نہ کئے جائیں۔ ستمبر ۶۵ء میں لاہور کے محاذ پر بی آر بی پر یونٹوں کو جس طرح توڑ کر بھان متی کا کنبہ بنا دیا گیا اور خاص کر راقم کی پلٹن کے جس طرح پرخچے اڑا دیئے گئے تو میدانِ جنگ میں عظیم قربانی دینا پڑی۔

۹۔ اسلام کا کارواں ازل سے ابد تک رواں دواں ہے۔ اسلام نے کائنات (UNIVERSE) کا تصور چودہ سو سال پہلے دیا۔ اور انسان کو از خود ایک چھوٹی کائنات کے طور پر پیش کیا کہ انسان کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر انسان اس دنیا اور ظاہر کو ہی سب کچھ سمجھ لے تو پھر انسان اس دنیا کا ایک عام "حیوان" ہے۔ ایسا فلسفہ غیر اسلامی نظریہ ہے۔

۱۰۔ ہمارے اس مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنائیں۔ اور عزت و غیرت کی زندگی اختیار کریں پوری قوم کو فنِ سپاہ گری سے روشناس کرائیں۔ اسلامی فلسفۂ حیات کو اپنائیں اور صراطِ مستقیم کو ایسے تلاش کریں کہ قوم میں وحدت پیدا ہو۔ تاریخ میں جو چیز ہمارے ان مقاصد کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکاتی ہے۔ وہ خراب مثالیں ہیں وہ ہمارے بزرگوں کی تاریخ نہیں ہو سکتی۔ ان کو تاریخ سے نکال دینا چاہیئے۔

۱۱۔ اسلام کے لحاظ سے ادب قرآن پاک اور حضور پاکؐ کے اقوال میں ہے۔ جو لفاظی یا قصہ گوئی صرف ذہنی عیاشی مہیا کرے۔ یا تفرقہ پیدا کرے وہ ہماری روایات نہیں ہیں۔

۱۲۔ ام عمارہؓ کی مثالیں ہماری عورتوں کے لئے اسباق ہیں۔

چوتھا باب

مرتدین کیخلاف حکمت عملی کے نتائج اور اثرات

قارئین کو پھر ذرا ذوقصہ واپس جانا ہوگا۔ جہاں خلیفۂ اول نے گیارہ لشکروں کو شکل وصورت دی تھی۔ لشکرِ اول کے مکمل واقعات ہم پڑھ چکے ہیں۔ لشکرِ دوم جناب عکرمہؓ بن ابوجہل کا تھا جس کا سرسری ذکر ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں کہ انہوں نے مسیلمہ سے شکست کھائی اور خلیفۂ اوّل نے ان کو اومان کی طرف روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کچھ کامیابی کے بعد مدینہ شریف لوٹنا۔ اور پہلے کی طرح غلطی نہ کرنا۔ اومان وغیرہ کے علاقہ جات میں حضرت حذیفہؓ اور حضرت عرفجہؓ پہلے ہی کام کر رہے تھے گیارہ لشکروں میں ان کے ساتویں اور آٹھویں لشکر کے طور پر ذکر ہو چکا ہے۔ اومان کے علاقہ کی کارروائی تک تو امارت حضرت حذیفہؓ کے پاس ہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی جناب صدیق اکبرؓ نے لکھ دیا تھا کہ اومان سے فارغ ہونے کے بعد جناب عکرمہؓ امیر ہوں گے۔ چنانچہ شروع میں یہ تینوں سالارِ لشکر اومان کے نزدیک رجام کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ اس علاقے کے مسلمان عامل حضرت جیفرؓ اور حضرت عبادؓ بھی اپنی قیام گاہوں سے نکل کر اسلامی لشکروں میں شامل ہو گئے۔

دبا کی جنگ

جناب حذیفہؓ کافی عرصہ سے اس علاقہ میں پہنچ چکے تھے۔ لیکن ان کے پاس جو لشکر تھا اس کی نفری کم تھی۔ اس لئے انہوں نے دشمن کے ساتھ الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں زیادہ تر قبیلہ ازد[1] آباد تھا۔ اسلام میں آنے کے بعد ان کے قبیلہ کے حضرت حرؓ نے اور قبائل کو بھی اسلام کی طرف

---

[1] جلال مصطفےٰ کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ لوگ کیسے اسلام لے آئے۔

رانغب کیا۔ اومان کے وسیع علاقہ میں کئی قبائل آباد ہیں اور اس وجہ سے ہر آنے والے مورخ نے بھی مختلف راویوں کے بیانات کے حوالوں سے واقعات کو آپس میں گڈمڈ کر دیا۔ بہرحال نقشہ جہارم کے مطالعہ سے اس علاقہ کے واقعات بہتر طور پر سمجھ آجاتے ہیں۔ اومان، یمامہ سے بھی نزدیک ہے۔ حضرت عکرمہؓ کی یمامہ میں ناکامی کے بعد، نزدیک ترین علاقہ اومان ہی تھا جہاں پر ان کو بہتر طور سے استعمال کیا جاتا۔ اس وجہ سے ان کو اومان جانے کا حکم ملا۔ ازد قبائل کو مرتد کرنے والا لقیط بن مالک تھا۔ اس نے نبوّت کا دعوےٰ کیا یا نہیں اس کا پکّا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن وہ اومان کا بادشاہ ضرور بن بیٹھا۔ اور دِبا کو اپنا صدر مقام بنایا۔

مسلمان لشکریوں نے علاقہ کے مسلمان لوگوں کو ساتھ ملا کر دِبا کی طرف پیش قدمی کی۔ لقیط نے صف بندی اس طرح کی کہ تمام قبیلوں اور خاندانوں کے بال بچوں کو لشکر کے پیچھے صف بند کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ میدانِ جنگ سے نہ بھاگیں اور اپنے خاندانوں کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے آخری دم تک لڑیں[1]۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں لشکروں کی تعداد کے بارے مورخین میں اختلاف ہے۔ لیکن حضرت عکرمہؓ جو مسیلمہ کے ساتھ کچھ ٹکرے لیکے ان کے لشکر کی تعداد چار ہزار سے کم نہ ہوگی اور اپنے دو لشکروں اور وفادار قبائل کی مدد سے کل نفری چودہ پندرہ ہزار ضرور ہوگی۔ راوی اس بات پر متفق ہیں کہ دس ہزار مرتدین کھیت رہے تو دشمن کی تعداد بھی بیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ گو مورخین نے جنگ کے حالات تفصیل سے نہیں بتائے اور بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفائی یعنی (MOPPING-UP) ہو رہی تھی۔ لیکن اسلام آسانی سے نہیں پھیلا۔ دِبا کی جنگ کے بارے مورخین اتنا ضرور کہتے ہیں کہ جنگ اتنی شدید اور خونریز تھی کہ ایک دفعہ مسلمانوں کے قدم بھی اکھڑ گئے اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے، دو وفادار قبیلے بنی عبد القیس اور بنی ناجیہ بروقت مدد کے لئے پہنچ گئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لقیط مارا گیا اور مسلمانوں

---

[1] جنگ حنین میں مالک بن عوف نے بھی عورتوں اور بچوں کو ساتھ رکھا۔ بوڑھے درید کا اس سلسلہ میں تبصرہ، جلال مصطفےٰ کے صفحہ ۲۳۰ پر پڑھیں کہ جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے شکست میں عورتوں کے ساتھ ہونے سے ذلت ہوتی ہے لیکن مسلمان عورتوں نے جنگ میں شرکت کر کے درید کی بات کو غلط کر دیا۔

کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

حضرت عکرمہؓ کی کمانڈ

اس فتح کے بعد اگلے اقدام کا فیصلہ حضرت عکرمہؓ کو کرنا تھا۔ لہذا انہوں نے حضرت خدیفہؓ کو وہاں کے عامل کے عہدہ پر رہنے دیا کہ خلیفۂ اوّل نے ان کو وہ علاقہ سونپا تھا۔ اور حضرت عرفجہؓ کو مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ شریف بھیج دیا۔ مالِ غنیمت اتنا زیادہ تھا کہ ساتھ ایک مضبوط فوجی دستہ بھی بھیجنا پڑا۔ اور فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اس دستہ کا کمانڈر کوئی چیدہ شخصیت ہوتی۔ نقشہ چہارم پر دیکھیں کہ یہ بھی ایک مہم نظر آئے گی اور جہاں سے مسلمان دستہ ان لونڈی غلاموں اور مالِ غنیمت کے ساتھ گزرا وہاں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھتا گیا۔ ایک طرح سے یہ بھی ایک حربی مظاہرہ ثابت ہوا۔

خلیفۂ اوّل کی حکمتِ عملی کی ایک اور جھلک

عسکری معاملات کی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ جب جناب ابوبکر صدیقؓ کی ساری فوجی حکمتِ عملی پر نظر دوڑاتے ہیں تو دنیا میں ایسی حکمتِ عملی کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ علاوہ جناب خالدؓ کا لشکر متعدد وسائل حاصل کر کے آگے بڑھ کر عراق و ایران کا رخ کرنے والا تھا۔ دوسرا جناب عمروؓ بن عاص اور خالدؓ بن سعید کے لشکر ایک مرکزی حیثیت حاصل کر رہے تھے۔ اور شام و فلسطین کی مہم کے لئے تیاری کی جا رہی تھی۔ اور جناب عرفجہؓ جو مالِ غنیمت لے کر مدینہ شریف گئے۔ وہاں دونوں محاذوں کے لئے ہتھیار، کمک اور جنگی سامان تیار ہو رہا تھا۔ تیسرا دبا کی کامیابی کے بعد جناب عکرمہؓ کا رخ اب مغرب میں مہرہ کی طرف تھا کہ باقی علاقوں میں مرتدین کا قلع قمع کیا جائے۔

جناب عکرمہؓ کی مہرہ کی طرف پیش قدمی

دبا کی جنگ رمضان گیارہ ہجری میں ہوئی اور اب مہرہ کی باری تھی۔ مہرہ کا علاقہ جناب عرفجہؓ کی ذمہ داری تھی اور گیارہ میں سے ان کا آٹھواں لشکر تھا۔ جناب عرفجہؓ بھی جناب خدیفہؓ کی

طرح اس علاقے میں اپنی کم نفری کی وجہ سے کچھ زیادہ کام نہ کر سکے اور پھر تینوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔
اب جناب عرفجہ رضؓ مدینہ چلے گئے تو جناب عکرمہ رضؓ نے یہ ذمہ داری خود سنبھال لی۔ آپ نے متعدد وفادار قبائل کو اپنے ساتھ ملایا اور کچھ دستے جناب حذیفہ رضؓ کے پاس چھوڑ کر آپ ایک لشکر جرار لے کر مہرہ کی طرف چل پڑے اور ماہ شوال گیارہ ہجری میں وہاں پہنچے۔ اس علاقہ میں دو گروہ تھے اور ان دو گروہوں میں سے کم تعداد والے گروہ شخریت کو جناب عکرمہ رضؓ نے اسلام کی دعوت دی۔ دوسرے گروہ سے قبائلی حسد اور اپنی کمی کی وجہ سے شخریت کا گروہ مسلمانوں کے ساتھ مل گیا اور توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔
یہ ایک حکمت عملی تھی کہ اس کے بعد دوسرا گروہ مصبح بھی شاید اپنی کمزوری اور حالات سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔ مسلمان خونریزی نہیں چاہتے۔ وہ ایک مقصد کے لئے جنگ کرتے ہیں اور اگر جنگ کے بغیر مقصد حل ہو جائے تو خوشی کی بات ہوتی ہے۔ بہرحال اس سلسلہ میں حکمت عملی آدھی کامیاب رہی۔ مصبح نے اپنی طاقت کے گھمنڈ کی وجہ سے نجد کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی۔ مورخین صرف اتنا بتاتے ہیں کہ یہ جنگ دبا کی جنگ سے بھی زیادہ خونریز تھی، مالِ غنیمت اتنا حاصل ہوا جس کا حساب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تیز رفتار اونٹنیاں جن کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے حاصل ہوئیں۔ اور اس جنگ میں مرتدین کا سردار اور متعدد لوگ مارے گئے۔

نجد کی لڑائی کے نتائج

یہ جنگ اتنی فیصلہ کن تھی کہ اس جنگ کے بعد جناب عکرمہ رضؓ کا لشکر ریاضۃ، الدونہ، ساحل جزائر، مُر، لیبان، جیروت، ظہور الشجر، صبرات، میغب اور ذرۃ الجیم کے شہروں اور علاقوں تک پھیل گیا۔ لوگوں سے توبہ کرائی اور وہ اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد کامیابی کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کے ساتھ قاصدوں کو مدینہ بھیجا اور خود لبین کے مقام پر مجاہدین کو آرام دینے کے لئے ٹھہر گئے۔ خلیفہ اول بڑے خوش ہوتے جناب عکرمہ رضؓ نے جو غلطی کی تھی اس کا ازالہ کر دیا۔
چنانچہ جناب ابوبکر رضؓ نے حکم دیا کہ جناب عکرمہ رضؓ اپنے لشکر کو لے کر حضرت مہاجر رضؓ ۱ بن امیہ اور حضرت

۱۔ جناب مہاجر رضؓ بن امیہ ام المومنین ام سلمہ رضؓ کے بھائی تھے۔

صفحہ ۱۷۶

نقشہ چہارم - مرتدین کا ارتداد

جناب طریفہؓ، علاؓ، حذیفہؓ، عرفجہؓ، مہاجرؓ اور سویدؓ کی جنگی کارروائیاں

میل ۱۵۰ ۰ ۱۵۰ ۳۰۰ ۴۵۰ میل

زیادؓ بن لبید کے ساتھ حضرموت کے علاقوں میں جائیں اور وہاں پہ باغیوں اور مرتدین کی سرکوبی کریں۔

حضرموت اور یمن کے مرتدین

عرب سرزمین کے مختلف نقشوں کا مطالعہ اور خاص کر نقشہ چہارم کا مطالعہ ظاہر کرے گا کہ یہ ایک بڑا وسیع علاقہ ہے اور جن شہروں کا ہم ذکر کر چکے ہیں یا آگے کریں گے ان کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اب وہاں موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے کا یمن آج کل کا یمن نہ تھا۔ ویسے آج بھی دو یمن ہیں اور کچھ علاقے سعودی عرب کی حکومت کے پاس ہیں۔ اس زمانے میں یمن کے علاقے کی حدود کا کوئی صحیح تعین نہ تھا اصل بات قبائل کی ہوتی تھی کہ کس قبیلہ کی حکومت کہاں تک تھی۔ اور اس کا فیصلہ بھی مشکل تھا۔ معاملات جس کی لاٹھی اس کی بھینس والے تھے۔ بہرحال حضور پاکؐ کے زمانے میں یمن کے مختلف علاقوں اور قبائل سے کئی وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور پاکؐ نے بھی ادھر کئی مہمات بھیجیں۔ اس سلسلہ میں جلالِ مصطفےٰؐ[۱] کے آٹھویں باب میں ہمدان کا وفد، ملوک کندہ کا وفد، کندہ کا وفد، ملوک حمیر کا وفد، اور وائل بن حجر وغیرہ کے وفدوں کا جو ذکر ہے ان تمام وفود کا تعلق کسی نہ کسی طرح یمن، حضرموت اور نواحی علاقوں سے تھا۔ اسی طرح جلال مصطفےٰؐ کے ضمیمہ علیہ میں جن مہمات کا ذکر ہے وہ بھی یمن کے علاقہ میں بھیجی گئی تھیں۔

اس کتاب کے دوسرے باب کے شروع میں اسود عنسی کی جھوٹی نبوت اور یمن کے مختصر حالات کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اور چند ماہ جب مسلمان باقی مہمات میں مشغول رہے، یمن کے مختلف علاقوں میں کئی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ یہ جھگڑے کچھ قبائلی بھی تھے کہ آپس میں رقابت اور حسد کی وجہ سے جنگ و جدل کا معاملہ چلتا رہا لیکن ہم ان چھوٹی جھڑپوں کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم صرف ان فوری واقعات کو لیں گے۔ جہاں پر اسلامی لشکر نے صفائی یا (MOPPING UP) والی کارروائی کی۔ اور حالات کو ٹھیک کیا۔ ورنہ کچھ عرصہ حالات اس طرح کے بھی رہے کہ جب دو قبیلوں کا آپس میں جھگڑا ہوا تو ایک مسلمانوں کا ساتھی بن جاتا اور دوسرا اس لئے مرتد ہو جاتا کہ اس کا حریف قبیلہ مسلمانوں کا ساتھی تھا۔

۱۔ صفحہ ۳۳۵

اس طرح سے کئی لوگوں اور قبائل نے کئی پینترے بدلے اور زاہد کا مشہور پہلوان عمرؓو[1] بن معدیکرب بھی ایک دفعہ ایسے ہی چکر میں مرتد ہو گیا لیکن بعد میں توبہ کی اور آگے جنگوں میں آپ اس کو اسلامی لشکر میں کارہائے نمایاں دکھاتے دیکھیں گے۔ ہماری اپنی کہانی کو تسلسل دینے کے لئے ہم جناب عکرمہؓ مہاجرؓ بن امیہ اور زیادؓ بن لبید کے باہمی ربط و تعاون کی طرف واپس مڑتے ہیں۔

زیادؓ بن لبید

حضور پاکؐ کے زمانے سے حضرت زیادؓ بن لبید حضرموت کے عامل تھے ان کے نزدیک سکاسک اور سکون کے علاقوں کے عامل جناب عکاشہؓ بن[2] محصن تھے۔ حضور پاکؐ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے مہاجرؓ بن امیہ کو اسی علاقہ میں کندہ قبائل کے علاقوں کے لئے عامل مقرر فرمایا۔ لیکن مہاجرؓ بیمار ہو گئے اور وہاں نہ جا سکے۔ اور ان کا کام بھی جناب زیادؓ بن لبید ہی کرتے رہے۔ اس کے بعد جب حضور پاکؐ کا وصال ہو گیا تو جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ یمن اور حضرموت کے بھی کافی لوگ مرتد ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اومان میں حضرت جیفرؓ اور حضرت عبادؓ کچھ مقامات پر قابض تھے۔ اسی طرح اس علاقہ میں حضرت زیادؓ بن لبید اور حضرت عکاشہؓ بن محصن قابض تھے۔ زکوٰۃ کے جھگڑے وہاں پر بھی تھے اور ایک تندرہ اونٹنی کے سلسلہ میں اختلاف نے کئی جھڑپوں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ لیکن حالات پھر بھی قابو میں تھے اور حضرت عکاشہؓ تو واپس مدینہ چلے گئے اور وہاں پر جناب خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور بعد میں شہید بھی ہو گئے جو آپ بزاخا کی جنگ میں پڑھ چکے ہیں

مہاجرؓ بن امیہ اور حضرت عکرمہؓ

مہاجرؓ مدینہ ہی میں تھے اور چونکہ حضور پاکؐ آپ کو عامل مقرر فرما گئے تھے تو جناب صدیق

---

[1] آپ جنگ نہاوند میں شہید ہوئے۔

[2] آپ کا ذکر دوسرے باب میں ہے۔

اکبرؓ نے ان کی وہ امارت قائم رکھی اور ساتھ حکم دیا کہ تبدیل شدہ حالات میں وہ اپنی امارت پر ایک لشکر کے ساتھ جا بیٹھ اور گیارہ میں سے دسواں لشکر جناب مہاجرؓ کا تھا۔ جناب مہاجرؓ کو مجاہد چلنے میں دیر ہو گئی اور انہوں نے کافی دیر کے بعد کوچ کیا اور پہلے جا کر صنعا میں قیام کیا۔ وہاں حالات کا مطالعہ کیا اور پھر خلیفۂ وقت کو آگاہ کیا کہ بغاوت بہت زیادہ پھیل چکی تھی۔ جناب زیادؓ بن لبید ایک محدود علاقہ پر قبضہ رکھے ہوئے تھے۔ انہی دنوں جناب عکرمہؓ، اومان اور مہرہ میں کام سے فراغت پا چکے تھے تو ان کو خلیفۂ اوّل نے حکم دیا کہ وہ یمن اور حضرموت کی طرف پیش قدمی کریں اور تینوں لشکر مل کر ان علاقوں سے مرتدین کا خاتمہ کریں۔ بلکہ ان علاقوں کے رابطہ کو طائف کے ساتھ بھی بحال کریں کہ ذرائع آمدورفت پر بھی کچھ باغی قبائل چھاپے مار رہے تھے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی طاقت اب کافی بڑھ چکی تھی اس لئے حربی مظاہروں اور لشکروں کے کوچ بھی کافی اثر پیدا کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ حضرت زیادؓ کی ایک جھڑپ بنو ریاض کے ساتھ ہوئی اور جناب زیادؓ کامیاب ہوئے اور انہوں نے مرتدین پر ایک شب خون بھی مارا اس کے بعد جناب عکرمہؓ اور جناب مہاجرؓ کا باہمی ملاپ ہوا اور دونوں نے مل کر پہلے کندہ کے قبائل پر لشکر کشی کی اور ان کو مطیع کیا۔ البتہ بڑی جنگ نجیر کے مقام پر ہوئی جس میں تینوں اسلامی لشکر شامل تھے مرتدین، اشعث بن قیس کی کمانڈ میں تھے۔ یہ عجیب و غریب انسان تھا۔ بڑا چالاک اور ہوشیار تھا اور اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اشعث کو شکست ہوئی اور وہ دوبارہ اسلام لے آیا۔ اشعث بن قیس حضرت علیؓ کے زمانے تک زندہ رہا۔ اور جنگوں میں حصہ لیتا رہا۔

بحرین کی مہم

قارئین کو یاد ہوگا کہ گیارہ لشکروں میں نواں لشکر جناب علاؓ بن الحضرمی کا تھا۔ اور خلیفۂ اول نے آپ کو بحرین کے لئے مامور فرمایا تھا۔ آپ دراصل حضور پاکؐ کے زمانے سے بحرین کے عامل چلے آتے تھے۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت آپ مدینہ میں تھے۔ آپ بحرین تب تک نہ جا سکتے تھے جب تک یمامہ میں مسیلمہ کذاب کا خاتمہ نہ ہوتا تو آپ نے وہی راستہ اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ جنگ یمامہ کے بعد گیارہ ہجری ذی قعد کے مہینے میں آپ وہاں پہنچے اپنے لشکر کے علاوہ بحرین کے وفادار مسلمانوں کو بھی آپ اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے اور آپ نے مرتدین کے

خلاف کارروائی شروع کردی ۔ مرتدین نے دفاعی جنگ کو اپنایا اور اپنے سامنے خندقیں کھود لیں ۔ مسلمانوں نے کافی حملے کیے لیکن مرتدین کا کمانڈر حطم کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے حملوں کو پسپا کرتا رہا بلکہ مرتدین کئی دفعہ اپنے مورچوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور بھی ہوئے مورخین نے اس لڑائی کو ہجر کی مورچہ بند لڑائی کا نام دیا ہے جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہی ۔ آخر ایک رات کو دشمن کے لشکر میں کچھ بوکھلاہٹ اور شور و غوغا سننے میں آیا ۔ مسلمانوں نے مخبری کی تو پتہ چلا کہ تمام لشکر شراب میں دھت ہے کچھ کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے کہ انہوں نے زیادہ شراب پی لی تھی ۔ یہ موقع مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے دیا ۔ انہوں نے رات کے وقت ہی حملہ کر دیا ۔ آگے دیکھا تو سنتری بھی سوئے ہوئے تھے ۔ چنانچہ مرتدین گاجر مولی کی طرح کٹ گئے اور انہوں نے شکست فاش کھائی ۔

دشمن کا تعاقب

دوسرے روز صبح جناب علاؓ نے دشمن کا تعاقب کیا اور دشمن نے ایک ساحلی علاقہ پر مقابلہ کرنے کی کوشش بھی کی ۔ لیکن اب اللہ کے فضل سے ہر جگہ پر مرتدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور یہ چند مرتدین بھی یا تو واصلِ جہنم ہوئے یا تتر بتر ہو گئے اور اس طرح سے تمام سرزمینِ عرب کفر اور شر سے پاک ہو گئی ۔ ان تمام کارروائیوں پر کوئی نو ماہ کا عرصہ صرف ہوا ۔ جناب علاؓ بن الحضرمی کے ساتھ اس کتاب کے آخری ابواب میں ہماری پھر ملاقات ہو گی جہاں پر آپ نے ایران کے صوبہ فارس کو سمندر کے راستے فتح کرنے کی کوشش کی ۔ وہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کوشش کی وجہ سے اسلام کا رخ ادھر ہو گیا ۔

حضرت سویدؓ بن مقرنؓ

اب صرف گیارہواں لشکر باقی رہ گیا ہے ۔ اس لشکر کو کسی کام پر لگانے کی ضرورت نہ پڑی ۔ ویسے جناب سویدؓ اور ان کے عظیم بھائیوں سے اکثر ہماری ملاقات ہوتی رہے گی ۔

مرتدین کیخلاف کارروائی کے نتائج کا خلاصہ

نقشہ اول سے نقشہ چہارم تک کا مطالعہ دوبارہ کریں۔ نقشہ اول میں مرتدین کے مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سارا عرب باغی نظر آتا ہے۔ نقشہ دوم میں مدینہ کے نزدیک کی کارروائی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور نقشہ سوم اور چہارم پوری حکمت عملی کے تحت کارروائیوں کا خاکہ ہیں۔ ان نقشوں کی مدد سے فوجی حکمت عملی اور لشکروں کے کمانڈروں کی تدبیرات آسانی سے سمجھ آسکتی ہیں اور بہتر ہے کہ ہم ان مثالوں سے فوجی سبق سیکھیں۔ ویول اور منٹگمری کی کہانیاں پڑھنے سے یا فلر اور ریڈل ہارٹ کے فلسفوں سے وہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جو دین فطرت کے جنگی ماہرین کی جنگوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ کلاسوٹز جیسا ماہر اور غیر جانبدار مبصر بھی فتح کے اختتامی مقام اور عوام کی جنگ میں شرکت والے مضامین پر آکر رک جاتا ہے اور اس کو آگے ساحل نظر نہیں آتا۔ اس کے باوجود ہم اس کے فلسفہ جنگ سے مرعوب اور متاثر ہیں۔ غیروں کی اندھا دھند تقلید سے بچ کر رہنے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنے سپہ سالاروں کی جنگوں سے اسباق سیکھیں اور غیروں کی نقالی اپنے مقاصد کو سامنے رکھ کر کریں۔

ان چار ابواب میں اس حکمت عملی کی جھلکیاں ہیں جو خلیفہ اول نے مضبوط مرکز اور قومی وحدت کے تحت اختیار کیں اور اندرونی خلفشار کو دور کر کے مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر ایک بندھن میں باندھ کر اس طرح اکٹھا کر دیا کہ سب ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے۔ اور تفرقے مٹ گئے۔ اس میں تلوار ضرور استعمال کرنی پڑی کہ اس جہان کو دوام نہیں اور بقول علامہ اقبال، اہل فرنگ اگر جنگ کے ذریعہ سے اس عیش جہاں کو دوام دے رہے ہیں تو ان کی یہ تمنا خام ہے۔ اسلام میں جنگ کا مقصد یک رنگی پیدا کرنا ہوتا ہے اور اللہ کے احکام کو جاری و ساری کیا جاتا ہے۔

ہاں البتہ ایسا کرنے کے کیلئے ہمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ۔

(اقبالؒ)

گیارہ لشکروں کی کارروائی کا اجمالی خاکہ

دوسرے باب میں جن گیارہ لشکروں کی تنظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی کارروائیوں کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جناب خالدؓ بن ولید کا لشکر :۔ اول بنو طے اور جدیلہ کو اسلام میں واپس لے آئے۔ پھر طلیحہ کا قلع قمع کیا۔ بعد میں ابو شجرہ، ام سلمیٰ اور مالک ابن نویرہ کو زیر کر کے مسیلمہ کے فتنہ کو ختم کیا۔ اگلے دس بارہ ابواب میں ان کے ساتھ اکثر ملاقات رہے گی۔

۲۔ جناب عکرمہؓ بن ابوجہل نے، یمامہ کے علاقہ میں مسیلمہ پر نظر رکھنے کی بجائے ٹکر لی اور نقصان اٹھایا وہاں سے خلیفۂ اوّل کے حکم پر اومان میں حضرت حذیفہؓ اور حضرت عرفجہؓ کی مدد کو گئے اور وہاں سے یمن اور حضرت موت میں زیادؓ بن لبید اور جناب مہاجرؓ بن امیہ کے ساتھ مل کر ان علاقوں سے مرتدین کا خاتمہ کیا۔

۳۔ جناب شرجیلؓ بن حسنہ :۔ حضرت عکرمہؓ کے ریزرو اور پھر ان کی جگہ لینا اور وہی غلطی دہرانا۔ حضرت خالدؓ کی سرزنش اور بعد میں جنگ یمامہ میں شرکت۔ اس کے بعد جناب عمروؓ بن عاص سے مل کر بنو قضاعہ کی سرکوبی اور دومۃ الجندل اور تبوک تک حربی مظاہرے۔ آئندہ فتوحات شام کی بنیاد بننے میں کام کرنا۔

۴۔ جناب عمروؓ بن عاص :۔ اپنی لی ہوئی ذمہ داری پوری کی اور شرجیلؓ کی آمد کے بعد حربی مظاہروں میں تیزی کی۔

۵۔ جناب خالدؓ بن سعید :۔ شام و فلسطین کی سرحدوں پر کامیاب حربی مظاہرے کئے۔ آپ کی کارروائیوں کی تفصیل جلد دوم میں آئے گی۔ آپ سپہ سالاری پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے۔ آپ کا ذکر جلال مصطفےٰؐ میں بھی ہے کہ حضور پاکؐ نے آپ کو مہمان داری کے فرائض سونپے

۶۔ جناب طریفہؓ بن حاجز۔ مکہ و مدینہ کے درمیانی علاقوں میں مرتدین کا قلع قمع کیا۔ فجاہ اور ابو شجرہ کے فتنوں کو ختم کرنے میں حصہ ادا کیا۔ جناب خالدؓ کے ساتھ رابطہ اور اس کے بعد ان کے لشکر کے مجاہدین کو دوسرے لشکروں میں بانٹ دیا گیا۔

۷۔ جناب حذیفہؓ بن محصن :۔ اومان کی کارروائی میں جناب عکرمہؓ کے ساتھ مل کر کام کیا اور پھر اومان کی امارت سنبھال لی۔ بعد میں آپ ایران کی فتوحات کے وقت بھی اسلامی لشکروں میں شریک ہوئے۔

۸۔ جناب عرفجہؓ بن ہرثمہ۔ اومان کی کارروائی میں جناب عکرمہؓ اور جناب حذیفہؓ کے ساتھ دبا کی جنگ تک کام کیا۔ پھر مدینہ چلے گئے اور آپ کی ذمہ داری جناب عکرمہؓ نے سنبھال لی جنگِ جسر کے بعد آپ پھر عراق کے محاذ پر چلے گئے۔

۹۔ جناب علاؓ بن الحضرمی۔ بحرین کو مرتدین سے پاک کیا۔ اس کتاب کے آخری ابواب میں ان کے ساتھ پھر ملاقات ہوگی۔

۱۰۔ جناب مہاجرؓ بن امیہ۔ پہلے صنعا میں قیام اور پھر جناب عکرمہؓ کے ساتھ مل کر حضرموت اور یمن میں مرتدین کا قلع قمع کیا اور پھر وہاں کی امارت سنبھال لی۔

۱۱۔ جناب سویدؓ بن مقرنؓ۔ ریزرو میں رہے۔

اختتامی تبصرہ

ہم ان چار ابواب کا ایک الگ حصہ اور "مرتدین کا قلع قمع" کا نام دینا چاہتے تھے۔ لیکن سارے مضمون کو چار حصوں یا چار جلدوں میں پیش کیا جا رہا ہے تو آگے حصے بنانے سے اور حوالہ دینے میں معاملات کچھ گڈمڈ ہو جائیں گے۔ بہرحال اِن چار ابواب کا مختصر اختتامی تبصرہ یہ ہے کہ خلیفہ نے اندرونی خلفشار کو ختم کیا اور اسلام کی مرکزیت کو قائم رکھا۔ ان کارروائیوں کے بعد اہل اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر عجم یعنی "بین الاقوامی" دنیا میں داخل ہونے کے لئے پر تول رہے تھے۔ یاد رہے کہ اسلام ملکوں کے نام پر کسی قومیت کو کچھ وقعت نہیں دیتا اور یہ الفاظ ہم غیروں سے "مستعار" لے کر بیان کر رہے تھے۔ ورنہ اسلام میں قومیت نظریاتی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور ہر ملک، ملکِ ما است۔

جیسا کہ پیشِ لفظ میں ذکر کیا گیا ہے اس حصہ میں یہ حکمتِ عملی ہے کہ مسلمان ایران اور عراق کے علاقوں کی طرف بڑھیں ۔ اور دوسرے حصہ میں شام و فلسطین کی طرف۔ اگلے باب جو فتوحات

عراق میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کی بسم اللہ اسلام کے ایک عظیم فرزند سے کی جا رہی ہے۔ مورخین نے ان کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا ہے لیکن ان کی شخصیت کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کم کی گئی ہے۔ انہوں نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں وہ ضرور بیان کی گئی ہیں لیکن نہ تو ان کو دنیاوی عہدوں میں ان کی شخصیت کے مطابق اعزاز ملے اور نہ مورخین نے ان کو وہ اعزاز بخشا جس کے وہ حق دار تھے۔

یہی حالات اسلام کے اس عظیم فرزند کے قبیلہ بنو بکر کے ہیں جنہوں نے مسلمانانِ عرب کے انصار بن کر اسلام کو عجم یا "بین الاقوامی" دنیا میں پھیلانے میں وہی کردار ادا کیا جو انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ مل کر اسلام کو سرزمین عرب میں پھیلانے میں کیا۔ حالانکہ بنو بکر اوسطاً تعداد میں کم تھے اور ان کی خدمات کا انصارِ مدینہ کی خدمات کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ کہا تو جا سکتا ہے کہ بنو بکر نے انصارِ مدینہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ اسلام کے یہ عظیم فرزند حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارث تھے جن کے لئے ہم اپنی کتاب کا پانچواں باب وقف کر رہے ہیں۔

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل۔ نہ جلترنگ (اقبال)

پانچواں باب

حضرت مثنیٰ بن حارثؓ

حضرت مثنیٰ بن حارثؓ جن کو حارثہ شیبانی بھی کہتے ہیں کا تعلق قبیلہ بنو بکر سے تھا یہ قبیلہ سرزمین عرب کے شمال مشرق اور عراق کے جنوب میں آباد تھا۔ جلال مصطفےٰؐ میں بنو سعد بن بکر کے جس وفد کی مدینہ میں آمد کا ذکر ہے وہ آپؓ ہی کے قبیلہ کے بارے میں ہے ظاہر ہے کہ آپؓ کا قبیلہ حضور پاکؐ کے زمانے میں مسلمان ہو چکا تھا مثنیٰؓ اس وفد میں شامل تھے یا نہیں اور کیا اُن کو صحابہ رضوان اللہ میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں مؤرخین کوئی روشنی نہیں ڈال سکے اور یہ کہ آپؓ کو حضور پاکؐ کا "دیدار عام" نصیب ہوا یا نہیں لیکن آپؓ نے اپنی تلوار کو جس طرح اللہ اور رسولؐ کے نام پر استعمال کیا ایسا شرف دنیا میں چند خوش نصیبوں کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے انسان دنیا میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے اپنی تاریخ میں البتہ ایک اور وفد شیبان کا بھی ذکر کیا ہے کہ جناب حرملہؓ کی قیادت میں ایک وفد آیا، جو لوگ عراق، عرب کی سرحد پر ایک طرف بنو تغلب اور دوسری طرف بنو تمیم کے درمیان آباد تھے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی جناب مثنیٰؓ کا قبیلہ ہو لیکن جناب مثنیٰؓ کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔

عظیم فرزندِ اسلام جلال الدین خوارزم نے جب کالا باغ کے نزدیک دریائے اٹک کو پار کیا اور دریا کے مشرقی کنارے پر بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے سستانے لگے۔ تو مغربی کنارے پر کھڑا، چنگیز خان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے سرداروں نے اجازت چاہی کہ جلال الدین کے تعاقب میں دستے بھیج کر اسے گرفتار کریں۔ چنگیز خان نے کہا "نہیں! تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ایسے فرزند کوئی کوئی ماں جنتی ہے۔ چلو واپس چلو۔ آگے بڑھ کر اور کچھ نہ حاصل کر سکو گے"۔ دینِ فطرت نے اس قسم کے عظیم فرزند ہر زمانے میں پیدا کئے۔ ہاں صحابہ کرام رضوان اللہ کی عظمت کو البتہ بھانپ لینا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے اور وہاں تو صرف عاجزی والی بات ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں جسارت سے بھی ڈر لگتا ہے کہ حق ادا نہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی مکمل سوجھ بوجھ ناممکن ہے۔

ہاں البتہ جس نکتہ کی طرف ہم آرہے ہیں وہ یہ ہے کہ انصارِ مدینہ[1] اور حضرت عثمانؓ کی طرح ایسے اسلام کے فرزندوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو بڑے عظیم تھے لیکن نہ ان کو دنیا میں کوئی رتبہ ملا اور نہ ہی مؤرخین اور قوم نے ان کو یاد رکھا۔

تبصرہ

دور مت جایئے اسی زمانے میں پاکستان کی تحریک کے ہراول دستے میں چند سکاؤٹ تھے۔ جن کی ایک ہی ادا نے انہیں غازی اور شہید بنا دیا۔ وہ ناموسِ رسولؐ پر قربان ہو گئے۔ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ ان سب سے واقف تھے۔ یہ عظیم مجاہد اس خطہ میں دونوں عظیم جنگوں کے درمیان والے عرصہ میں اسلام کے نام کو چار چاند لگا گئے اور اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں ہم نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمایا۔ لیکن ہم ان سکاؤٹوں کو بھول چکے ہیں اور کئی اور بھی ہوں گے جن کے بارے کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ وہ اسلام کی کیا خدمت کر گئے اور وہ گمنام مجاہد ہوں گے۔ غیر قوموں کے ہاں تو گمنام سپاہیوں کی ایک یادگار بھی بنائی جاتی ہے لیکن اسلام میں اس کا تصور نہیں کہ مومن سب اللہ کے سپاہی ہیں اور ان کی جزا اللہ کے پاس ہے اور ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ اور رسولؐ کے لئے کرتے ہیں اور نہ شہرت کیلئے۔ اگر کسی کی یادگار ہے تو بھی صحیح ہے اگر نہیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ قبر بھی ایک استعارہ ہے۔ ورنہ مومن زندہ ہوتا ہے اور اس دنیا کے دروازے کو کھول کر وہ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

غازی اور شہید

جن مجاہدین یا بزرگوں کے مزاروں یا یادگاروں پر ہم حاضری دیتے ہیں وہ بھی اللہ اور رسولؐ

---

[1] انصارِ مدینہ کے سلسلے میں جلال مصطفےٰؐ کے صفحہ ۲۴۹ سے ۲۵۲ تک استفادہ کریں۔ یہ اللہ کا راز ہے کیونکہ انکے لئے اکیلے حضور پاکؐ کافی ہیں جنہوں نے ان کے شہر یثرب کو مدینۃ النبیؐ بنا دیا۔ انصار کی خدمات کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن اپنی تاریخ دیکھیں نہ ان کو حکومت ملی اور نہ کوئی بڑا عہدہ۔ ان کو جزا آخرت میں ملے گی۔

کے لئے دیتے ہیں اور فاتحہ پڑھنے کے بعد دعا یہ مانگتے ہیں کہ اے رب العالمین ہم جن صاحب کے نشان پر حاضر ہوئے ہیں وہ تیری راہ میں بڑے نیک کام کر گئے۔ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ایسے بزرگوں کی تلاش ضروری ہے اور پاکستان کے جن سکاؤٹوں کو ہم بھول چکے ہیں۔ وہ غازی عبدالرشید شہید، غازی علیم الدین شہید، غازی ملک میاں محمد شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی مرید حسین شہید اور غازی دوست محمد شہید ہیں۔ یہ ناموسِ رسولؐ پر قربان ہو گئے۔

جنگ کے نبض شناس

اور اسی طرح حضرت مثنیٰؓ بن حارث کو بھی بھولتے جاتے ہیں۔ وہ شیر جیتا دل گردہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فولادی جسم عطا کیا تھا۔ میدان جنگ اور شکار گاہ میں کوئی فرق نہ سمجھتے تھے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے جنگ کے حالات سمجھنے کی ایسی توفیق عطا فرمائی تھی کہ آپؓ لڑائیوں کے نتائج کا پہلے ہی اندازہ لگا لیتے تھے۔ ایک بار آپؓ مدینہ شریف میں جناب صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگی حالات کا جو تجزیہ آپؓ نے پیش کیا وہ خلیفۂ وقت کے اپنے تجزیے کے عین مطابق تھا۔ خلیفہ وقت نے ان کے خیالات کو اپنی حکمت عملی کا حِصّہ بنایا اور لشکر کے امیروں کو لکھا کر اُن کی تدبیرات کو اپنائیں۔ اس کے باوجود نہ کبھی آپؓ کو سپہ سالاری ملی اور نہ ہی آپ نے کبھی اس کے لئے خواہش ظاہر کی یا شکایت کی۔ ہمیشہ کسی سپہ سالار کے ماتحت کام کیا۔ اور نہایت دیانتداری سے خدمات انجام دیں۔ ہاں صرف "وقتوں" نے سپہ سالاری کا تاج ان کے سر پر رکھ اور ایسے وقتوں میں اسلام کی وہ خدمت کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت نے ان کو ناپ تول کر کے تیار رکھا تھا کہ آپ ان حالات کو سنبھالا دیں۔

اسلام کے عظیم فرزند

اگلے چند ابواب میں آپؓ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے۔ آپؓ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ بھرپور جوانی میں تھے اور جوانی میں ہی شہادت نصیب ہوئی۔ تلوار زنی، داؤ، سلیقہ، جھڑپ چھاپہ، حفظِ ماتقدم کی کارروائی، کمانڈ، حربی فن کا جو مظاہرہ آپ نے کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہایت

طاقتور تھے اور آپ کا ذہن کسی منجھے ہوئے مدبّر کی طرح چوکنا تھا۔ جنگ جسر میں زخموں سے چور ہو گئے اور انہی زخموں کی وجہ سے بعد میں شہادت نصیب ہوئی۔ اُس جنگ میں انہوں نے مسلمان مجاہدین کو جس طرح دشمن کے چنگل سے چھڑایا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ پھر ان زخموں کے ہوتے ہوئے دشمن کے ساتھ جنگوں سے گریز نہ کیا۔ آئندہ کے مسلم سپہ سالار جناب سعدؓ بن ابی وقاص کے لئے جو ہدایات اپنے بسترِ شہادت پر اپنے بھائی معنیٰ کو دیں وہ آگے آئیں گی۔ جن کو پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ ہم اسلام کے اس عظیم فرزند کو سلام کرتے ہیں جس کی لحد سے یہ صدا آ رہی ہے۔

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری

کہ خاکِ راہ کو بنایا رازِ الوندی

(اقبالؒ)

چھٹا باب

ایران اور عراق کے جغرافیائی اور تاریخی عوامل

تمہید

جن ملکوں کی طرف اب فرزندانِ اسلام یلغار کرنے والے تھے وہ ہمارے ہمسائے ملک بھی ہیں اور جانے پہچانے ہیں کہ ہمارے خطے میں اسلام اسی راستے سے آیا اور ہماری تاریخ ان ملکوں اور خطوں کے ساتھ نہ صرف روحانی طور پر وابستہ ہے بلکہ عملی طور پر بھی ہم اکثر شیر و شکر ہوتے رہے۔ ہماری ثقافت، ادب اور ہماری زبان پر بھی ان ملکوں کے عظیم راہنماؤں کے اثرات ہیں۔ عربی زبان اور عراق کے راہنماؤں سے تو ہم نے ہمیشہ روحانی غذا حاصل کی لیکن فارسی زبان کو بھی ہم نے سر آنکھوں پر لگایا کہ اکثر اس زبان نے بھی ہمیں اسلام کی صحیح لوری دی۔ عراق سے جناب پیرِ دستگیرؒ، امام غزالیؒ امام ماتریدیہؒ، فخرالدین رازیؒ، فضیلؒ بن عیاض، جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، شبلیؒ، منصورؒ، اور متعدد علماء و فقراء جن میں فقہ کے علماء امام اعظمؒ، امام حنبلؒ، اور امام ابویوسفؒ شامل ہیں۔ سب ہمارے لئے ایسے ہیں کہ جیسے وہ ہمارے سروں کے تاج ہوں۔ ایران سے شیخ سعدیؒ، جامیؒ، حافظ شیرازیؒ، اور مولانا رومیؒ کے کلام کے اثرات بیسویں صدی کے شروع تک مسلمانوں کے گھر گھر میں موجود تھے جو لوگ ایران میں اسلام کے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتے رہے۔ ان کو ہم نے اپنا رہنما ہی مانا۔ ہاں عمر خیام کی رباعیوں یا فردوسی کے شاہناموں نے جب دوسری تہذیبوں اور تمدن یا ذہنی عیاشی کی باتیں کہیں تو کچھ غلط روایت بھی اس راستے سے ہمارے بیچ داخل ہوگئیں۔ اسلام کے اصول سیدھے ہیں۔ زبان ایک ہو تو بڑا اچھا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مفہوم ایک ہو تو وحدت آ ہی جاتی ہے اور ہمارا رشتہ اللہ اور رسولؐ کے واسطہ سے ہے۔ لیکن یہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بج سکتی۔ ہر خطہ کے مسلمان ایسا سوچیں تو تب امتِ واحدہ کا تصور ابھر سکتا ہے۔ اگر ملکوں اور خطوں کی بنیاد کسی اور نظریہ یا باطل نظریہ پہ ہو تو پھر بقول علامہ اقبالؔ "کیا خاک مسلمان ہوں گے؟"

جغرافیہ

جہاں تک ایران و عراق کے جغرافیہ کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں۔ زمینی طور پر یہ علاقے وہی ہیں جو پہلے تھے۔ ہاں دریائے دجلہ اور فرات اپنی راہگذر تبدیل کرتے رہتے ہیں اور ایران عراق میں جنگلات کی کمی کی وجہ سے موسموں میں تبدیلی آگئی ہے۔ سیاسی تبدیلیاں چودہ سو سال تک ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ لیکن جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں، اس زمانے میں عراق بھی ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا، بلکہ ایرانی سلطنت یمن تک بھی پھیلی رہی، عراق میں عرب قبائل تھے اور ایسا بخت نصر کے زمانے سے ہے۔ بخت نصر وہی تھا جس نے چھ سو سال قبل مسیح یہودیوں کو پہلی دفعہ نیست و نابود کیا تھا۔ بہرحال عرب قبائل کو عراق میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ ویسے یمن یا ریگستانی علاقوں سے کئی عرب قبائل عراق کی زرخیز وادیوں اور دریاؤں کے طاس میں جس کو سواد کہتے تھے وہاں جا کر آباد ہو جاتے تھے۔ بنو طے، بنو لخم، بنو تغلب وغیرہ کئی قبائل یمن سے ہجرت کر کے ان خطوں میں گئے۔

تاریخی پہلو

دجلہ اور فرات دنیا کے مشہور ترین دریا ہیں اور بابل کی حکومت کے زمانے میں بھی یہاں کی تہذیب دنیا کی جانی پہچانی اور مانی ہوئی تہذیب تھی لیکن سلطان محمود غزنویؒ کی طرح ہمارا تاریخی مطالعہ بھی بامقصد ہے۔ محمودؒ اسلام کی تاریخ کو شعروں میں سننا چاہتے تھے۔ فردوسی نے ایک شاہنامہ لکھ ڈالا جس میں ایرانی تہذیب، ثقافت، خاندان، بادشاہت، کسریٰ، پرویز، جمشید، شہنشاہ بلاہوں اور خسروان ثریا جاہ، کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے محمودؒ کو جب فردوسی نے یہ سب پڑھ کر سنایا تو محمودؒ کی روح کو ذرا بھر بھی تسکین حاصل نہ ہوئی۔ محمودؒ نے کہا وہ تو یہ چاہتا تھا کہ اے فردوسی تو سرکارِ دو عالم حضور پاک حضرت محمد مصطفےٰؐ کے نام سے تاریخ شروع کر کے آگے بڑھاتا اور دنیا کے ملکوں سے تا ندا اسلام کو شاہین کی طرح گزارتا اور ایسے لوگوں کی تاریخ لکھتا جن کے ساتھ میرا اور میرے بزرگ ابوالحسن خرقانیؒ کا تعلق ہے۔ یہ تم نے کیا کیا کہ "جمشیدوں" اور "کسراؤں" کی تاریخ لکھ دی۔

اب ہماری بدقسمتی کہ ہمارے دانشوروں نے ساری کہانی کو رنگ ہی اور دے دیا اور وہ الفاظ کی قیمت کے چکر میں پڑ گئے کہ محمودؒ نے فردوسی کو سونے کا ایک سکہ فی شعر کی بجائے چاندی کا ایک سکہ دیا گیا۔ اگر یہ بات بھی صحیح ہے کہ فردوسی اپنے لفظوں کی کم قیمت سن کر دل برداشتہ ہو کر چلا گیا اور اس غم میں مر گیا کہ اس کے الفاظ سستے بک رہے تھے تو اس کی بڑائی کا پول ادھر ہی کھل جاتا ہے ویسے محمودؒ نے تو فردوسی کو کہا بھی نہ تھا کہ وہ تاریخ لکھے۔ محمود نے ویسے ہی ''ی بد خواہش ظاہر کی تھی۔

محمودؒ حضور پاکؐ کا غلام تھا۔ اس نے اسلامی فلسفہ حیات ایک جملے میں بیان کر دیا کہ وہ محمود بت فروش کی جگہ محمود بت شکن کے نام سے پکارا جانا پسند کرے گا جس کا مقصد حیات ہی یہ تھا کہ روز قیامت اللہ کے سامنے کیا جواب دے گا۔ اس کے سامنے سونے اور چاندی کی کوئی قیمت نہیں۔ اور اس عظیم مجاہد کے خلاف یہ اور کئی ایسے بہتان ہماری تاریخوں میں موجود ہیں۔ جن کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے ان غلیظ بہتانوں کو سمندر میں کیوں نہیں ڈبو دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ساری عسکری تاریخ لکھنے کی سعادت بخشی تو محمودؒ کی عظمت کو کھل کر بیان کیا جائے گا کہ وہ اسلام کا عظیم فرزند تھا۔

غلط نقالی

بات معاملات کے روح تک پہنچنے کی ہوتی ہے۔ تاریخ کے غلط مطالعے سے اور غیروں کی دنیاوی اور جھوٹی عظمت سے متاثر ہو کر، ہم خود غلط ڈگر پر چل پڑتے ہیں۔ جس طرح رضا شاہ پہلوی آریہ مہر اور پتہ نہیں کیا کیا بن گیا اور شاہ رخ یا ''پیرس'' کی بادشاہت کے اڑھائی ہزار سال منانے کے چکر میں پڑ گیا اور یہ بھول گیا کہ ایران اب مسلم ایران ہے اور اللہ کے حبیبؐ کے غلام ہیں۔ ''کسراؤں'' والی بات ختم ہے۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم بھی ٹیکسلا، ہڑپہ اور مہا جندارو کی تہذیبوں کے گن گانے لگتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم مصطفویؐ ہیں۔ اول ''بندے ماترم'' کا ترجمہ کر کے ''پاک سرزمین شاد باد'' کے چکر میں پڑ کر کافی نقصانات کر چکے ہیں، ابھی تو ''سایہ ذوالجلال'' کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔ ورنہ سارا پاکستان ''شاد باد'' ہو جاتا کہ سوہنی دھرتی کی پوجا جو شروع کر دی اور زمین و عوام کو اللہ کا

شریک بناتے لگ پڑتے ہیں۔

ماحصل

اس سب بیان سے ہم اس مقصد پر آتے ہیں کہ ایران کی پرانی تاریخ میں ہمارے لئے کچھ بھی نہیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جب ایک لائبریری کے متعلق حضرت عمرؓ کو لکھا کہ بڑی شاندار ہے تو آپ نے لکھا فن اور ہنر کی کوئی کتاب ہو تو رکھ لینا۔ باقی سب کو جلا دو اور ساتھ ہی لکھا "اے سعدؓ سنو! اگر ان کتابوں میں فلسفہ، نظریہ یا معاشرت وغیرہ کی کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمارے کام کی نہیں کہ ہر پہلو پر ہمارے پاس اللہ کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنت موجود ہے یعنی ان سے بہتر احکام آچکے ہیں، اس لئے ان کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اگر ان کتابوں میں ذہنی عیاشی والا ادب ہے یا غلط قسم کا فلسفہ ہو تو اس کی بھی ضرورت نہیں"۔

بعد کے کئی مؤرخین اور ادیب آگے بڑھے اور انہوں نے یہ تھیوری پیش کی کہ نہیں حضرت عمرؓ ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ بڑے علم دوست تھے۔ ان بے چارے ادیبوں کے سامنے عرض ہے کہ جناب عمرؓ واقعی بڑے علم دوست تھے لیکن وہ صرف اللہ اور رسولؐ والے علم کے دوست تھے۔

باقی ساری گلڑیاں اکا اللہ والی گل
کجھ رولا پایا عالماں تو کجھ کتاباں پچ جھل — بُلھے شاہ

اور حضرت عمرؓ کے حساب سے اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے علاوہ باقی سب خرافات ہیں۔

علموں بس کریں او یار
تینوں اکا الفؔ ہی درکار — بُلھے شاہ

پچھلے دنوں ماؤزے تنگ نے جب چین میں ایسی پرانی کتابوں کو جلا دیا تو پھر کچھ "دانشور" خاموش ہو گئے۔ یہ اللہ کو معلوم ہے کہ سوچ بوجھ سے ایسا کیا کہ کس سرخ انقلاب کے چکر میں تھے۔

ایران کی پرانی تاریخ

اس وضاحت کے بعد ہم دارا اور سکندر کے جنگوں کے چکروں میں نہ پڑیں گے آیا پارتھی ایرانی

تھے یا تورانی اور خراسانی یا ساسانی کون تھے اور کہاں سے آئے وغیرہ کے چکروں میں بھی نہیں پڑنا چاہیئے۔ ہم صرف وہاں تک جائیں گے جب حضور پاکؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو نوشیرواں ایران کا بادشاہ تھا اور بڑا عادل بادشاہ تھا۔ حضور پاکؐ کی عمر نو سال تھی تو وہ مرگیا۔ بنیادی طور پر باطل فلسفہ کا پابند تھا۔ اس کے بعد تخت کے وارث نااہل ثابت ہوئے۔ حضور پاکؐ مکہ ہی میں تھے اور آپؐ کی نبوت کو چند سال ہی گذرے تھے کہ اہل ایران اور اہل روم میں ایک جنگ ہوئی جس میں اہل روم کو شکست ہوئی۔ کفارِ مکہ خوش تھے کہ وہ اپنے آپ کو ایرانیوں کا حلیف سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو اہل روم کے حلیف سمجھتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ روم میں موجود ہے۔ جہاں یہ ذکر بھی ہے کہ اہل روم جلد غالب آجائیں گے۔ مسلمانوں کو مدینہ میں، ہجرت کئے ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا کہ یہ پیش گوئی بھی پوری ہوگئی۔ سورۂ روم مکی ہے اور جب یہ سورہ اتری تو ابوجہل وغیرہ نے بڑا مذاق اڑایا کہ عرب سے نکل کر باہر کے معاملات کا فیصلہ بھی مکہ میں ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اس اللہ کے دشمن کو کیا پتہ تھا کہ دین اسلام ساری دنیا کے لئے ہے اور جلد ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ اہل ایران کی شکست کو صرف چار سال ہوئے تھے تو ہمارے آقاؐ نے جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی کے وقت ہی مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی ملکیت کی خوشخبری[1] سنا دی تھی۔

بہرحال ایران کی حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی اور چند سالوں میں کئی بادشاہ تبدیل ہوئے۔ ہمارے آقاؐ کے زمانے میں ایک عورت بھی تخت پر بیٹھی تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ جس قوم کو حکومت کے لئے کوئی مرد نظر نہ آئے اور وہ عورتوں کو حکومت سونپ دیں تو وہ قوم زوال پذیر ہوتی ہے۔ یہ بات جلد پوری ہوئی۔ تخت کے وارثوں میں قتل پہ قتل ہوتے گئے اور کئی وارث مارے گئے۔ آخری بادشاہ یزد جرد تھا۔ اس کی ماں کی شادی اس کے باپ کے ساتھ پوشیدگی میں ہوئی۔ اس کی پیدائش اور پرورش اس کے دادا سے چھپا کر کی گئی کہ اس کا دادا اپنے کسی بیٹے کو شادی کی اجازت نہ دیتا تھا گو خود تین ہزار عورتوں کا حرم رکھے ہوئے تھا۔ بہرحال ہمارا زیادہ واسطہ آخر

---

[1] تفصیل کے لئے جلال مصطفےٰؐ کے صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ سے استفادہ کریں۔

میں یزدجرد کے ساتھ ہی ہوگا۔

عراق کے سیاسی حالات

مغربی عراق کا دارالحکومت حیرہ تھا جو نقشہ پنجم اور ششم میں موجود ہے۔ یہ جگہ نجف اشرف اور کوفہ کے نزدیک تھی گو آج کل کھنڈرات کی شکل میں ہے۔ عراق کے لوگ کچھ نیم خود مختار تھے اور نیم بادشاہت تھی۔ ایران والوں نے کچھ عرصہ بنی طے کو عراق کی بادشاہت یا "نوابی" سونپ رکھی تھی۔ اور جب چاہتے کوئی اور باجگذار بادشاہ بنا لیتے۔ جس طرح انگریز ریاستوں کے راجے اور نواب بناتے رہتے تھے۔ موجودہ شہروں میں سے کئی شہر موجود نہ تھے۔ بصرہ اور کوفہ تو سننے میں بھی نہ آئے تھے۔ ان شہروں کو تو مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں چھاؤنیوں کے طور پر آباد کیا کہ فوجی لحاظ سے یہ مقامات اہم تھے۔ بغداد بھی ایک قصبہ تھا۔ اس کو خاندان عباسیہ نے جدید "بغداد" بنا دیا۔ صفین یا سٹیفن کا مقام بڑا اہم تھا اور اس کو مسلمان مدائن کہتے تھے۔ یہاں پر کئی شہر تھے۔ یہ ایرانی حکومت کا دارالخلافہ تھا۔

عرب قبائل اور خاص کر حضرت مثنیٰؓ کے قبیلہ بنو بکر کے کچھ لوگ عراق میں بھی آباد تھے۔ جب اسلام نے ان قبائل کو تازہ روح اور نئی زندگی بخشی تو جناب مثنیٰؓ جیسی عظیم شخصیت آئندہ کے حالات کو بھانپ گئی کہ ایران کے معاملات اب دگرگوں ہونے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو متحد کیا اور آگے بڑھ کر ایرانیوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ یہ چھاپے زیادہ تر ابلہ کی چھاؤنی کی طرف تھے جو نقشہ پنجم اور ششم میں ہے اور موجودہ بصرہ کے نزدیک ہے۔ کس زمانے میں خلیج فارس سے جہاز ابلہ تک آتے تھے۔ خاص کر ہند و سندھ یعنی موجودہ پاکستان اور بھارت کے جہاز جو ایرانیوں کے ساتھ تجارت کے لئے آتے تھے۔ وہ ابلہ کی بندرگاہ میں آکر رکتے تھے اور اس زمانے میں اس جگہ کو ہند و سندھ کی بندرگاہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ مقام آگے بھی ہماری کتاب میں اکثر زیر بحث آئے گا اور اس علاقہ کو ہم جنوبی محاذ کا نام دیں گے۔ یہاں ہی سے آگے بڑھ کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلام کی فتوحات صوبہ فارس سے ہوتی ہوئی زاہدان اور مکران تک پہنچیں۔

مثنیٰؓ بن حارث بڑے جہاندیدہ آدمی تھے۔ ایرانیوں کے ساتھ چند ایک جھڑپوں کے بعد ان کی دُور رس نگاہ تاڑ گئی کہ حکومت زوال پذیر بھی ہو تو فوج میں زوال دیر سے آتا ہے۔ ہاں اگر کسی ملک کی حکومت فوج کی نالائقی سے زوال پذیر ہو تو پھر اور بات ہوتی ہے۔ یعنی یک نہ شد دو شد۔ دونوں گئے گذرے ہوتے ہیں لیکن اگر حکومت صرف بندر بانٹ اور سیاسی اکھاڑہ بن جائے تو کسی عظیم ملک کی فوج جلد ختم نہیں ہوتی۔ مغل فوج میں محمد شاہ رنگیلے کے زمانے تک بھی کچھ جان موجود تھی۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ فوج کسی ملک پہ کیوں قابض ہو جاتی ہے کسی ملک میں جب سیاسی بندر بانٹ شروع ہو جاتی ہے تو وہاں اگر اہل فوج مضبوط ہوں تو وہ ملک کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں۔

اللہ کی فوج

دین فطرت پوری قوم کو اللہ کی فوج کے مترادف قرار دیتا ہے۔ حکومت میں سیاست بازی اور بندر بانٹ ضرور آجاتی ہے اور اس پہلو کو کتاب سوم اور چہارم میں اور واضح کیا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ پوری قوم اللہ کی فوج ہو۔ فن سپاہ گری سے واقف ہو۔ اور ربط و ضبط پر عمل پیرا ہو تو پھر سیاسی افراتفری کم ہو گی اور حکومت قائم رہے گی۔ دوسری صورت میں کوئی ایک پہلو کمزور ہو جائے گا تو وہ دوسرے کو بھی لے ڈوبے گا۔ اس لئے جو لوگ سویلین اور فوجوں کو الگ الگ کرتے ہیں وہ قوم میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔

ایرانی فوج

بہرحال ہمارے عظیم مجاہد جناب مثنیٰؓ کو جلد ہی ایران کی فوج کی حربی کارروائیوں کا اندازہ ہو گیا کہ وہ ابھی مکمل طور پر زوال کی طرف رخ نہ کئے ہوئے تھیں ہمارے اس زمانے کے ایک مبصر جو پرانی ایرانی فوجوں کی کارروائیاں بیان کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں لکھتے ہیں کہ ایرانی فوج دنیا میں اپنا مقام نہ رکھتی تھی۔ ہاں البتہ زیادہ متحرک نہ تھی مسلمانوں سے ایرانیوں کی شکست کی بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ ایرانی متحرک نہ تھے۔ اور ہمارے لحاظ سے جو متحرک نہ ہو۔ اس کا کوئی مقام نہیں۔ یعنی متحرک طرز جنگ سے گریز کرنے والی فوج جلد ختم ہو جاتی ہے۔

ساتواں باب

فتوحاتِ عراق کی بسم اللہ

(جنگِ سلاسل)

اِس باب میں وہ واقعات بیان کئے جائیں گے جب اہل اسلام مشرق اور شمال مشرق سے ملک عرب کے علاقوں سے نکل کر دوسرے علاقوں میں داخل ہوتے ہیں گو عراق کی آبادی زیادہ تر عرب قبائل پر مشتمل تھی لیکن وہ ایرانیوں کے باجگذار تھے اور عرب شہزادے ہر قبیلہ میں کچھ برائے نام پوزیشن کے مالک تھے۔ اصلی طاقت ایران کے مقرر کردہ گورنروں کے ہاتھ میں تھی اور اُن میں سے اکثر فوجی جرنیل بھی تھے۔ اُس زمانے میں عرب سرحدوں کے ساتھ کاظمہ وغیرہ اور ابلہ کے علاقوں کا فوجی گورنر ہرمز تھا۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کی ٹکر ہوئی یہ جرنیل بھی تھا

ایرانیوں کے حالات

ایرانی، عربوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ ان کو ایک جنگلی قوم یا وحشی لوگ سمجھتے تھے یمن تک ان کی حکومت قائم رہی تھی، جو انہوں نے اپنے سینیا کی فوج کو شکست دے کر حاصل کی تھی۔ لیکن صحرائے عرب یا حجاز اور نواحی علاقوں میں ان کو کوئی زرخیزی یا دولت نظر نہ آئی، تو انہوں نے اس طرف کی پروا نہ کی۔ حضور پاکؐ نے ایران کے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور حضرت عبداللہ رضؓ بن خذافہ[1] کو قاصد کے طور پر خط دے کر بھیجا۔ کسریٰ ایران نے وہ خط پھاڑ دیا اور حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

کسریٰ کے تکبر اور غرور کی کوئی حد نہ تھی۔ اس نے یمن کے گورنر بدھان کو حکم دیا کہ اس عرب (یعنی حضور پاکؐ) کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیجا جائے۔ بدھان نے دو آدمی بھیجے کہ حالات کا مطالعہ

---

[1] آپ ام المومنین جناب حفصہ رضؓ کے پہلے خاوند کے بھائی تھے۔

کریں۔ اس سلسلہ میں ابن اسحٰقؒ کے انگریزی ترجمہ والی کتاب میں حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جب یہ دو آدمی حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور پاکؐ کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور حضور پاکؐ نے ان کو بتا دیا کہ ان کے بادشاہ کا بیٹا اپنے باپ کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ آدمی جب گورنر کے پاس واپس پہنچے اور اپنے تاثرات بتائے تو گورنر نے کہا کہ ایسی بات تو پیغمبر ہی کرتے ہیں اور اسی دوران بادشاہ کے قتل کی خبر بھی مل گئی اور یمن کا گورنر بھی مسلمان ہو گیا اور وہ فیروز جس نے اسود عنسی کو قتل کیا ایرانی تھا۔ دوسرے اور چوتھے باب میں ذکر ہے کہ اسلام کس طرح یمن کے چپہ چپہ میں پھیل گیا تو اس کے بعد ایران کا معاملہ یمن میں خود بخود ختم ہو گیا بلکہ متعدد ایرانی بھی اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔

عراقی قبائل

حضرت مثنیٰؓ بن حارث خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کو حالات سے آگاہ کیا اور اُن سے اجازت چاہی کہ وہ آگے بڑھ کر عراق کے قبائل میں اسلام کا پیغام پہنچائیں جس کے لئے اُن کو کچھ فوج مہیا کی جائے جناب صدیق اکبرؓ نے حضرت مثنیٰؓ کو اُس علاقے کا عامل مقرر کر دیا۔ ساتھ ہی قبیلۂ عجل کے مدغور بن عدی کو اپنے علاقے کے لئے ایسی ہی تقرری کا حکم دیا۔ دو اور قبائل سلمیٰ اور حرملہ کے سرداروں کو اسی قسم کے کام کی اجازت بھی مل گئی۔

کمانڈ میں وحدت اور حکمت عملی

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تمام تر کارروائیوں میں وحدت اور مرکزیت پیدا کی جائے اور مختلف کمانڈروں کو کسی ایک کمانڈر کے ماتحت کر کے بھرپور اور متحدہ کارروائی کی جائے اور خلیفہ اوّل ذہنی طور پر اس کام کے لئے تیار تھے اور جناب خالدؓ یمامہ میں اپنی کارروائی پوری کرنے کے بعد اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ ادھر شمال کی جانب جناب عمروؓ بن عاص، جناب شرجیلؓ بن حسنہ اور جناب خالدؓ بن سعید، شام و فلسطین

لہ یہ کتاب پاکستان فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر نے دوبارہ شائع کر کے ہر لائبریری کو دی ہے۔

کی سرحدوں کی "دیکھ بھال" میں مصروف تھے اور خلیفہ وقت حالات کا مطالعہ فرما رہے تھے۔

تاریخ کے بامقصد مطالعہ کے لئے یہ چیز سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ایسے ہی تو دنیا فتح نہ ہو گئی اس کے لئے حکمت عملی اور طریق کار مقرر کئے گئے کہ پہلے اہلِ اسلام کس طرف کا رُخ کریں اور کب؟ اور دوسرا مرحلہ کب اور کیسے شروع ہو؟ ظاہر ہے کہ اپنے وقت کے عظیم ترین حکمران اور حضور پاکؐ کے بعد دنیا کے دوسرے نمبر کے سپہ سالارِ اعظم اور یارِ غارؓ کی حکمت عملی کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات زیادہ ہوئے کہ ان کو وقت بھی زیادہ مِل گیا تھا جب ہم دونوں عظیم رہنماؤں کی کامیابیوں کا موازنہ کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ کے زمانے کو بہتر حیثیت دے دیتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ان تمام فتوحات کی بنیاد جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں رکھی گئی بلکہ اگر عرصے کا حساب لگایا جائے تو اوسط کے لحاظ سے جتنی فتوحات جناب ابوبکرؓ کی اڑھائی سال کی خلافت میں ہوئیں اتنی نہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئیں اور نہ کسی اور مسلمان حاکم کے زمانے میں۔ "پھر قوم میں جو وحدت فکر پیدا کیا اور اندرونی خلفشار ختم کر کے جس طرح مسلمان آپؓ کے زمانے میں وحدتِ عمل کی منزل پر رواں دواں ہوئے تو اس سلسلہ میں جناب فاروق اعظمؓ اکثر فرمایا کرتے تھے"۔ بخدا اللہ رحمت کرے جناب ابوبکرؓ پر۔ اُن کے نقش قدم پر چلنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں"۔

تاریخ اور راوی

اب حالات کو آگے چلانے سے پہلے ایک وضاحت بہت ضروری ہے اب تک لڑائیاں سرزمین عرب پر ہوئی تھیں اکثر جنگوں کے بعد دشمن بھی مسلمان ہو گئے اور یہ واقعات لکھنے والوں نے زیادہ تر یمن کے بعد تاریخ کو بہتر طور پر لکھا اس میں ایک آسانی بھی تھی کہ ادھر حکم دیا اور پھر جلدی سے اس حکم پر عمل یا کارروائی مکمل ہو گئی۔ اور نتائج بھی سامنے آ گئے لیکن اب معاملات وسعت اختیار کر گئے تھے ایک راوی نے مدینہ کا ذکر کیا کہ وہاں سے اس قسم کے احکام جاری ہوئے۔ دوسرے نے اس جگہ کا ذکر کیا جہاں احکام پہنچے اور کارروائی و نتائج کا راوی ایک تیسرا آدمی بھی ہو سکتا تھا بہرحال ان وسعتوں کے باوجود مسلمانوں کی تاریخ جتنی صحیح طور پر موجود ہے اتنی کسی اور قوم کی نہیں۔ وہ سچے لوگ تھے۔ جس طرح چیزیں اُن کو نظر آئیں انہوں نے بیان کر دیں، اور مورخین نے سب کے بیانات لکھ ڈالے طرزِ بیان اور فاصلوں کی وجہ سے جو تھوڑا بہت فرق تھا اس کو البتہ ٹھیک نہ کیا گیا، اور مختلف روایتیں لکھ دی گئیں پھر بعد کی صدیوں میں کچھ شر پسندوں نے اپنی طرف سے اضافے کر دیئے۔ اور ان کو کتاب کا

حصہ بنا کر پیش کر دیا لیکن اگر گہرا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اور سچائی سامنے آجاتی ہے کہ بیان "عینی شاہد" کا ہے یا صرف "شاہد" کا ہے۔

اس طرح "مبصر" "ناقد" "پرچہ نویس" "ادیب" "افسانہ نگار" "قصہ گو" غرضیکہ ہر لکھنے والے کے بیان سے اُس کی اصلیت ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔

راویوں کے طرزِ بیان

مثال کے طور پر طبری میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یمامہ کی طرف سے حضرت خالدؓ کو عراق میں داخل ہونے کا حکم دیا تو اسی زمانے میں حضرت عیاضؓ[1] بن غنم کو بالائی علاقے سے دومۃ الجندل والے راستے عراق میں داخل ہونے کا حکم دیا دونوں کی منزل مقصود حیرہ تھی اور خلیفہ نے فرمایا جو حیرہ پہلے پہنچ جائے گا وہ عراق کا سپہ سالار ہوگا اس کتاب کے تیرہویں باب میں ہم حضرت عیاضؓ بن غنم اور جناب خالدؓ کی متحدہ کارروائی کے تانے بانے جا کر دومۃ الجندل میں ملائیں گے اور یہ سارا عرصہ جب جناب خالدؓ نے لاکھوں کی تعداد میں دشمن کو واصل جہنم کیا اور درجنوں جنگیں لڑیں حضرت عیاضؓ بن غنم دومۃ الجندل کو بھی فتح نہ کر سکے۔

تبصرہ

اب سارے حالات کو مدِ نظر رکھ کر اگر اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیاضؓ کا لشکر ہی چند ہزار آدمیوں کا تھا اور راستہ اتنا غیر آباد تھا کہ اس راستے سے اگر حیرہ کو فتح بھی کر لیا جاتا تو مدینہ کے ساتھ نہ کوئی رابطہ قائم رکھا جا سکتا اور نہ اہلِ لشکر کے لئے راستہ پر کسی بحالی یا کفالت کا سامان ہوتا وغیرہ اور حیرہ کی فتح کے بعد اُس کے نچلے آباد علاقوں میں وہ تمام جنگیں لڑے بغیر چارہ نہ تھا جن کا ذکر ہم اگلے پانچ ابواب میں کریں گے یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے راوی بھی گزرے ہیں جن کو عراق کو فتح کر لینا اتنا آسان نظر آیا کہ حضرت عیاضؓ بن غنم عراق کو چند ہزار مجاہدوں کے ساتھ دومۃ الجندل والے راستے سے فتح کر لیتے۔ اِس روایت کو نقشہ پنجم کی مدد سے پرکھیں اور جو لوگ صرف نقشوں کی مدد سے حکمت عملی بناتے

---

[1] آپ عظیم صحابی جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے چچا زاد اور خالہ زاد بھائی بھی تھے

ہیں ان کو تو شاید یہ روایت صحیح نظر آئے گی لیکن جو لوگ نقشوں کا مطالعہ کر کے تجویز بنانے سے پہلے نقشوں کی زمینوں پر ذہنی طور پر سفر بھی کرتے ہیں اور ذہنی طور پر جنگیں بھی لڑتے ہیں وہ اس روایت کو سن کر ہنس دیں گے۔ خیر یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی تلوار اور حضرت عیاضؓ بن غنم کی فوجی بصیرت میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور ذہن یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسے احکامات دیئے ہوں لیکن ایسے راوی موجود تھے جن کو عراق کی ساری جنگ اتنی معمولی نظر آئی۔ اس کی مزید وضاحت تیرہویں باب میں خود بخود ہو جائے گی لیکن دومۃ الجندل والا راستہ کھولنے کی ضرورت تھی۔

حضرت خالدؓ کے لئے احکام

خلیفۂ وقتؓ نے جب فیصلہ کر لیا کہ بسم اللہ عراق سے کریں گے تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ یمامہ سے ابلہ کی طرف بڑھیں اور ان کی منزلِ مقصود صرف حیرہ تک ہو گی۔ مدائن وغیرہ کے سلسلہ میں احکام بعد میں دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی آپ نے حکم دیا کہ صرف رضا کار آدمیوں کو اپنے لشکر میں رہنے دیں۔ باقیوں کو جو جنگ میں شرکت کرنا نہیں چاہتے اُن کو اپنے گھروں میں جانے دو تو نتیجہ یہ نکلا کہ جناب خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار مجاہد رہ گئے اور آٹھ ہزار مجاہد اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خلیفۂ وقت کو اس کی اطلاع دی تو خلیفہ نے مسجد نبوی میں تمام مسلمانوں کو ان حالات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی جناب قعقاعؓ بن عمرو جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو قبیلہ بنو تمیم سے تھے اور اسلام پر قائم رہے کو بلایا اور جناب خالدؓ کے پاس کمک کے طور پر بھیج دیا۔ جناب قعقاعؓ اور ان کے دوسرے بھائی جناب عاصمؓ آئندہ کے ابواب اور اگلی کتابوں میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے ایسے خوش نصیب والدین دنیا میں کم ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قعقاعؓ اور عاصمؓ جیسے فرزند عطا فرمائے۔

خلیفہ اوّل کی حکمت عملی

خلیفہ اوّل یہ سب کچھ کسی حکمت عملی کے تحت کر رہے تھے۔ قعقاعؓ وہاں موجود تھے اور تیار تھے تو خلیفہ وقت نے انہیں محاذ جنگ پر بھیج دیا جب صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ خالدؓ کی اتنی بڑی مہم کے لئے واحد مجاہد کو کمک پر بھیجا جا رہا ہے تو خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا "قعقاعؓ تیار تھے، بھیجے جا رہے ہیں آپ لوگ تیار ہو جائیں

اور باقی لوگوں کو تیار کریں تو ان کو بھی محاذ پر بھیج دیا جائے گا اس کے علاوہ خلیفہ اوّل نے یمامہ کے لشکر سے لوگوں کو گھر جانے کی جو اجازت دی اُس میں بھی بڑی دانائی اور حکمت کی بات تھی لوگ تھک چکے تھے اور بال بچوں سے ملنا ضروری سمجھتے تھے۔ چھٹی ملی مالِ غنیمت بھی ساتھ لے آئے ہوں گے بڑی خوش آمدید اور آؤ بھگت ہوئی ہوگی۔ چند دن گھر میں گزارے ہوں گے تو کچھ بوریت محسوس ہوئی ہوگی دل میں پھر خیال پیدا ہوا ہوگا کہ کیوں نہ محاذ پر جائیں اور مالِ غنیمت حاصل کر کے ایک دفعہ پھر لوٹیں اور دوبارہ وہی عزت اور آؤ بھگت ہو۔ یہ نفسیاتی اور فطرتی پہلو ہے اور دینِ فطرت ایسے طریقوں کی اجازت دیتا ہے۔

علاوہ خلیفہ اوّل شروع شروع ایران کے خلاف کسی لاؤ لشکر کو نہیں بھیجنا چاہتے تھے اگر اُس لشکر کو کامیابی نہ ہو تو پیچھے علاقوں میں لوگ موجود ہوں اور اگر ایرانی جوابی کارروائی کریں تو ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ بڑے لشکر سے بہت بڑی جارحانہ کارروائی معلوم ہوتی اور اُس سے ایرانی لاؤ لشکر بھی مقابلے میں آ سکتے تھے اور مسلمانوں کے بہت بڑے لشکر کو اُس علاقے کے لوگ بھی شاید پسند نہ کرتے۔ خلیفہ اوّل کی حکمت عملی یہ تھی کہ اُس علاقے کے مسلمان قبائل کو اُس کام میں شریک کیا جائے اور جناب خالدؓ کا لشکر تمام مجاہدین میں وحدت کا ذریعہ بنے وہ حربی بصارت اور کامیابیاں جو خالدؓ کے لشکر کے مجاہدین حاصل کر چکے تھے اُن سے باقی مسلمان بھی فائدہ اٹھائیں اسلئے خلیفۂ اوّل نے جناب مثنیٰؓ، مذعور بن عدی اور سلمیٰ اور حرملہ قبائل کے سرداروں کو خط لکھے کہ وہ اپنے مجاہدین کے ساتھ خالدؓ کے آئندہ احکام کا انتظار کریں کہ وہ اُن کے علاقہ کے سپہ سالارِ اعظم ہیں۔

جنگ سلاسل کی تیاری

واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے آپ یاد کریں کہ جناب مثنیٰؓ گیارہ ہجری ذیقعد کے مہینہ میں مدینے حاضر ہوئے تھے اور اُس کے صرف دو ماہ بعد محرم بارہ ہجری میں جناب خالدؓ کو ایران وعراق کی طرف پیش قدمی کے احکام مل جاتے ہیں۔ خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار مجاہدین رہ گئے تھے لیکن گرد و نواح سے مسلمان قبائل کو بھرتی کر کے جناب خالدؓ اپنی فوج کی تعداد کوئی دس ہزار کے قریب کر چکے تھے اب آگے چار عرب سرداروں سے جن کو خلیفہ اوّل نے خط لکھے دو ہزار فی قبیلہ مجاہد ملنے کی امید تھی جس سے لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچنے کی امید تھی۔ یمامہ سے کوچ کرنے سے پہلے جناب خالدؓ نے چاروں عرب سرداروں کو خط لکھے اور

اپنی پیش قدمی کے راستہ سے اُن کو آگاہ کیا کہ وہ نباج[1] والے راستہ سے ابلہ کی طرف آگے بڑھیں گے اور ابلہ سے پہلے وہ اپنے لشکروں کے ساتھ آکر اُن سے مل جائیں اور پھر ایران کے اُس علاقہ کے گورنر ہرمز کو خط لکھا جس کے مختصر طور پر الفاظ یہ تھے "ہم اللہ کے احکام کو جاری وساری کرنے کے لئے پیش قدمی کر رہے ہیں تم اسلام میں داخل ہو جاؤ اگر یہ نہیں منظور تو جزیہ ادا کرو اور ہم تمہاری اور تمہارے عوام کی حفاظت کریں گے اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر تیار ہو جاؤ ہم تمہارے علاقے میں ایسے لوگوں کو لا رہے ہیں جو موت کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی تم لوگ زندگی کے ساتھ کرتے ہو۔"

خالدؓ کی تجویز پر عمل

مثنیٰؓ نے فوری طور پر احکام کی تعمیل کی۔ خالدؓ کو خوش آمدید کہنے کے لئے وہ نباج پہنچ گئے۔ بے شک! اگر اِس عظیم انسان کے پر ہوتے تو وہ اُڑ کر جناب خالدؓ کے پاس یمامہ پہنچ گئے ہوتے۔ بہر حال باقی تینوں سرداروں نے بھی بسر و چشم اِن احکام کو مانا سب قبائل مسلمانوں کی طاقت اور کردار سے بہت متاثر ہو چکے تھے۔ دینِ فطرت نے اُن کی اپنی شان کو بڑھا دیا تھا وہ خود ایرانیوں سے تنگ تھے اور ان کے ہمسایہ قبائل بھی ایرانیوں کی غلامی کا جوا اُتار کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ اور اللہ کی غلامی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔

ہرمز کا ردِ عمل

ہرمز البتہ خالدؓ کا خط پڑھ کر حیران ہو گیا کہ وہ معمولی آدمی نہ تھا وہ بہادر فوجی جرنیل تھا جس کو ایران کے سرحدی صوبوں کی حکومت سونپی گئی تھی۔

ایران میں جرنیلوں کے رتبہ کا اندازہ ان کی ٹوپی سے لگایا جاتا تھا اور بہت بڑے جرنیل زیادہ قیمت والے ہیرے اور جواہرات کی ٹوپی پہنتے تھے چنانچہ ہرمز ایک لاکھ درہم کی ٹوپی پہنتا تھا۔ ابلہ اس کا صدر مقام تھا۔ اُس مقام کو خاص اہمیت حاصل تھا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ موجودہ بصرہ کے نزدیک واقع تھا نقشہ پنجم سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگائیں کہ تمام عرب یمن کو یہاں سے راستے جاتے تھے۔ اور اوپر عراق کے علاقے سواد یا دریاؤں کے طاس کو بھی۔ سمندری لحاظ سے اس کی اہمیت پچھلے باب میں واضح کر دی گئی ہے اور یہ بندر بھی زرخیز

---

[1] : نقشہ پنجم دیکھیں۔

تھا۔ حضرت مثنیؓ کی چھاپہ مار کارروائیوں کی شدت کی وجہ سے ہرمز کو اس علاقہ میں تعین کیا گیا تھا۔

ہرمز ایک مغرور شخص تھا اور شہنشاہ کے رواج اور طور طریقوں کے مطابق وہ عام آدمیوں کی پرواہ نہ کرتا تھا اور عرب اُس کے خیال کے مطابق بونے تھے یعنی اُن کو وہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ عرب قبائل بھی اُس کے ساتھ بے پناہ نفرت کرتے تھے اور اگر کسی کی بدگوئی کرنا ہوتی تو کہتے کہ فلاں ہرمز سے بھی بدتر ہے چنانچہ جب ہرمز کو جناب خالدؓ کا خط ملا تو اُس نے کسریٰ کو مدائن میں اطلاع دی کہ اُسکو ایسا خط ملا ہے لیکن ساتھ ہی بڑے تفاخر کے ساتھ لکھا کہ "ان جاہلوں" کو وہ ایسا سبق سکھائے گا کہ وہ یاد رکھیں گے۔ اُس "بے چارے" نے مسلمانوں کو بھی کسی عام قسم کے "نووارد" کی طرح سمجھا۔ اُس کو کیا خبر تھی کہ یہ لوگ دینِ فطرت کے پروانے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا نام لے کر اُٹھے ہیں اور ساری دنیا کو حق اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینے کیلئے آئے ہیں اور باطل کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالنا اُن کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش   جس نے ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ   (اقبالؒ)

ہرمز کی تجویز

ہرمز نے جناب خالدؓ کا خط ملنے کے بعد سوچا کہ خالدؓ کاظمہ سے یمامہ کے راستے ابلہ پر دھاوا بولیں گے ابلہ اہم مقام تھا اور اِس پر قبضہ کرنا کسی بھی دشمن کا مقصد ہو سکتا تھا اور ابلہ کی فوجی، سیاسی، مالیاتی اور تجارتی اہمیت ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں ہرمز کی یہ سوچ بالکل صحیح تھی۔

متحارب گروہوں سے ہر گروہ خاص کر جارحانہ کارروائی والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی اہم علاقے پر قبضہ کر لیا جائے گو ایسے مقاصد حاصل کرنے کے لیئے فوری کارروائی دشمن کی افواج یا فوجی قوت کو نیست و نابود کرنا ہوتا ہے اور اگر ایک ہی وار میں دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ ہر مدافعانہ کارروائی والا انتظار کرے گا اور اپنے چنے ہوئے مقام یا زمین پر لڑائی یا مقابلہ کرنے کے بارے میں تجویز بنائے گا۔

ہرمز کے خیال کے مطابق کاظمہ اِس کام کے لیئے بہترین جگہ تھی اس لیئے اُس نے ابلہ سے کاظمہ کی طرف کوچ کر دیا۔ ایرانیوں کی طرزِ جنگ، کم حرکت والی بھاری بھر کم فوج کے ساتھ اس طرح وضع کی گئی تھی کہ وہ دفاع اختیار کر کے دشمن کو اپنے ساتھ گتھم گتھا ہونے کی اجازت دیتے تھے اور اپنے بھاری بھر کم کلہاڑوں نیزوں، برچھیوں اور تلواروں کا خوب استعمال کرتے تھے اکثر پیدل دستوں نے خود پہنے ہوتے تھے اور ٹانگوں

تک کی حفاظت کے لئے بچاؤ کی ڈھالیں ٹانگوں کے ساتھ باندھی ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کو اپنے ساتھ باندھ رکھتے تھے یعنی پیدل دستے زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ کس کر سات سات یا دس دس کے گروہ میں ہوتے تھے یعنی ایک دیوار بننے کی کوشش کرتے تھے لیکن مجاہدوں کو پتہ نہیں تھا کہ اُن کا مقابلہ ایسی قوم سے ہے جو سیسہ پلائی دیوار بن کر لڑتے ہیں۔ جو متحرک تھے اور جدھر پڑتے تھے تو طوفان کا رخ موڑ دیتے تھے۔

سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں

پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں

اقبالؒ

جناب خالدؓ کی تجویز

ہرمزکی تجویز میں ظاہراً کوئی کمی نظر نہ آتی تھی لیکن اللہ کی تلوار پر حضور پاکؐ کی نگاہ پڑ چکی تھی اور خالدؓ نے تدبر کے سارے سٹاف کالج پاس کر لئے تھے وہ غلامان محمدؐ میں نرالی صورت اختیار کر چکے تھے اور اللہ کی تلوار بن گئے تھے۔ "دل بینا تو ہر مومن کو میسر ہو سکتا ہے لیکن خالدؓ کو اب ایک اور مدبر کے دل بینا کی خدمات بھی حاصل ہونے والی تھیں جن کو ہم مثنیٰؓ بن حارث کے نام سے جانتے ہیں تو جناب خالدؓ کی پہلی ضرورت جناب مثنیٰؓ کے ساتھ ملاقات کی تھی بجائے اس کے کہ خالدؓ اُن کو اور باقی مجاہدوں کو یمامہ میں بلاتے۔ خالدؓ نے چاروں قبائل کے سرداروں کو لکھا کہ وہ اُن کے ساتھ نباج کے علاقے میں ملیں۔

جناب خالدؓ اور مثنیٰؓ کی ملاقات

جناب خالدؓ ابھی نباج میں داخل نہ ہوئے تھے کہ عظیم صحابی مثنیٰؓ آن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ اس ملاقات کے تصور سے کسی بھی مومن کے دل میں سرور اور رقت طاری ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ان دو عظیم فرزندوں کی ملاقات کا نظارہ دیکھنے والے مجاہد کتنے خوش قسمت تھے اور ہمارے تاریخ دان اگر تجسس کے ساتھ ایسی عظیم ملاقاتوں کے تاثرات کہیں سے ڈھونڈ نکالتے اور اُن کو قوم کے سامنے پیش کرتے تو یہ تاثرات اُن فضول باتوں سے بدرجہا بہتر ہوتے جو وقتی ذہنی عیاشی مہیا کرتی ہیں۔ ہمارا تصور ہے کہ دونوں عظیم مجاہدوں پر پہلی ملاقات میں سکتہ طاری ہو گیا ہوگا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر دل سرور سے بھر گئے ہوں گے۔ نیچے سے اوپر جو ایک دوسرے کو نیچی نظروں سے دیکھا ہوگا ہر جگہ اپنا ہی عکس

نظر آیا ہوگا اور ویسے بھی مردِ مومن کا دل آئینہ ہے لیکن یہاں پورے بدن ہی آئینہ بن گئے ہوں گے اور دونوں شخصیتوں سے اسلام کی روشنی جو اس لمحہ باہر نکلی ہوگی اُس کی خوشبو سے سارا ماحول معطر ہوگیا ہوگا اور جب ایک دوسرے کے ساتھ بغلگیر ہوئے ہوں گے تو ارد گرد اہلِ حق کے قافلہ میں بیشتر کے دل باغ باغ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ایسی جاوداں زندگی عطا کرے

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا

پھر ذوق شوق دیکھ دلِ بے قرار کا (اقبال)

وحدت عمل اور تدبیرات

باقی تینوں قبائلی سردار جناب مدعور، سلمیٰ اور مرحلہ کے امیر بھی دو دو ہزار مجاہدین کے ساتھ نباج کے علاقے میں اسلامی لشکر کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب نقشہ ششم کو غور سے دیکھیں تو خالدؓ کے اس طریق کار کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ وہ کس طرح اپنی مرضی کی زمین میں اٹھارہ ہزار کے لشکر کو متحد رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ مرضی کی زمین ریگستان تھا۔ اس ساحلی علاقے میں کسی تنگ راستے سے پیش قدمی کر کے خالدؓ کی کارروائیاں محدود ہو جاتیں یا لشکر حصّوں میں اس طرح بٹ کر رہ جاتا کہ ایک مٹھی میں کرنا مشکل ہو جاتا اور کئی کارروائیاں دشمن کے ردِ عمل کے طور پر کرنا پڑ جاتیں۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ جو سپہ سالار زیادہ تر کارروائیاں دشمن کے ردِ عمل کے طور پر کر رہا ہو وہ دشمن کی انگلیوں پر ناچ رہا ہوتا ہے لیکن یہاں پر جناب خالدؓ نے ہرمز کو ناچ نچایا۔ انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں بانٹ کر نباج سے آگے پیش قدمی شروع کر دی۔ طبری یا بعد کے مؤرخین نے یمامہ سے ہی لشکر کی بانٹ تین حصّوں میں بتائی ہے اور وہ ضرور صحیح ہوگی لیکن انہوں نے ساتھ ہی یمامہ سے ہراول کی کمانڈ جناب مثنیٰؓ کو دے دی جو صحیح نہیں۔ جناب مثنیٰؓ ملے ہی نباج میں۔ اس لئے آگے والی بات صحیح ہو سکتی ہے نقشہ پنجم اور ششم دونوں اس سلسلہ میں بہتر رہنمائی کرتے ہیں۔

بہرحال ہراول یا اگلے دستوں پر جناب مثنیٰؓ تھے جو دو دن پہلے چلے۔ درمیان میں جناب قعقاعؓ کے بھائی حضرت عاصمؓ بن عمرو تھے۔

تیسرے اور آخری دستے میں جناب خالدؓ خود تھے جس کے ہراول دستوں کی کمانڈ

جناب عدیؓ بن حاتم کر رہے تھے سب لشکروں کے ساتھ علاقہ کا ایک رہنما بھی تھا جو راستے کی نشاندہی کرتا تھا۔ خالدؓ نے اپنی منزلِ مقصود حضیر[1] کو قرار دیا جو ابلہ سے چند میل دور مغرب کی طرف ہے۔ اور خالدؓ نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ دشمن کی فوج کو کس مقام پر تباہ و برباد کر کے اپنا مقصد حاصل کریں گے وہ صرف دشمن کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے بہرحال اس پیش قدمی نے ہرمز کے لئے یہ خطرہ پیدا کر دیا کہ خالدؓ بغیر کسی لڑائی کے ابلہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہرمز سر پر پاؤں رکھ کر اپنے لشکر سمیت کاظمہ سے ابلہ کی طرف بھاگا۔ اس سے جناب خالدؓ کا ایک مقصد پورا ہو گا کہ دشمن نے ردِ عمل کے طور پر ان کے ساز پر ناچنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کاظمہ (جو موجودہ کویت میں ہے) جب اس مقام کو ہرمز نے چھوڑا ہو گا تو لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا ہو گا اور ہرمز کے لشکر میں تھکاوٹ۔ اس لئے خالدؓ نے آگے بڑھ کر ابلہ کے مقام پر ہرمز سے دو دو ہاتھ کرنے کی بجائے کچھ اور ہی سوچ لیا۔ ڈیلٹا کے علاقہ میں جنگ سے گریز کرتے ہوئے اور اپنے دوست ریگستان کو استعمال کرتے ہوئے خالدؓ نے کاظمہ کا رُخ کیا کہ کیوں نہ کاظمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور اس کے بعد دشمن کا ردِ عمل دیکھیں گے کہ ہرمز کا قلع قمع کہاں پر آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ ہرمز ابلہ کے دفاع میں لگا ہوا تھا کہ اس کو خبر ملی کہ جناب خالدؓ حفیر سے کاظمہ کی طرف جا رہے ہیں۔

ہرمز کا ناچ

اب ہرمز کو خیال آیا کہ اس طرح کاظمہ بغیر لڑائی کے اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس نے جلدی سے ابلہ کو چھوڑ کر کاظمہ کا رُخ کیا۔ خالدؓ کاظمہ میں دشمن سے پہلے ضرور پہنچ سکتے تھے اور وہاں پر بغیر لڑائی کے قبضہ بھی کر سکتے تھے لیکن اب دشمن پھندے میں آ چکا تھا۔ خالدؓ یہ چاہتے تھے کہ دشمن ان سے پہلے کاظمہ پہنچ جائے اور جیسے ہی دشمن کاظمہ پہنچے خالدؓ ایک ہی وار سے دو مقصد حل کر لیں یعنی کاظمہ پر قبضہ بھی کر لیں اور دشمن کو نیست و نابود بھی کر دیں۔ جناب خالدؓ نے اپنی رفتار کو تھوڑا سا سست کیا اور ہرمز نے اپنے

---

[1]: جناب عدیؓ مشہور سخی حاتم کے بیٹے تھے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جلالِ مصطفیٰؐ کے صفحہ ۲۸۷ پر بھی ذکر ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بھی ذکر ہے۔ بڑے دراز قد اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ بہت نبی عمر پائی۔

[2]: نقشہ ششم دیکھیں۔

بھاری بھرکم لشکر پر زور ڈال کر کاظمہ ایسی حالت میں پہنچایا کہ اہلِ لشکر تھک کر چور ہو گئے اور جلدی میں کاظمہ کے دفاع کے لئے لشکر کو صف بند کر دیا۔ اب تک ہرمز روایتی طور پر تین صف بندیاں کر چکا تھا اور جناب خالدؓ صرف دیکھ بھال میں مصروف تھے اگر خالدؓ ایرانی فوج سے پہلے پہنچ کر کاظمہ پر قبضہ کر لیتے تو پھر خالدؓ کو ایرانی فوج کے حملے کا انتظار ہوتا اور دفاعی جنگ لڑنا پڑتی۔ دفاعی جنگ کو متحرک رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو متحرک اور جارحانہ جنگ کی تربیت دی تھی کہ پہل کاری اپنے پاس رکھیں اس لئے خالدؓ نے ہرمز کو صف بندی کرنے دی۔

متبادل یا متوازی فوج

موجودہ فوج کی ڈرل میں ایک حرکت کو متبادل مارچ یا Alternate March کہتے ہیں۔ ڈرل پرانے زمانے میں جنگ کی حرکتوں کی گراؤنڈ پر ایک نقل ہوتی تھی اور جرمنی کے فریڈرک اعظم نے مسلمانوں کی نماز اور طرز جنگ کی نقالی کو اپنا کر اٹھارویں صدی میں موجودہ ڈرل کو اپنایا۔ متبادل کوچ کو اُس نے جنگ کے دوران بھی تدبیرات کے طور پر اپنایا۔ اُس سے پہلے یورپ کی عسکری تاریخ میں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں ہے لیکن ہم یہاں یہ نہیں کہیں گے کہ جناب خالدؓ اِس طرز جنگ کے موجد ہیں بلکہ صرف یہ کہیں گے کہ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن تھک کر چور ہو جائے اور اُس پر حملہ وہ ایسی جگہ سے کریں جہاں ریگستان مسلمانوں کی پچھلی طرف ہو یہ دونوں چیزیں کاظمہ کے میدان جنگ نے مہیا کر دیں۔ اہلِ یورپ تو سترھویں اور اٹھارہویں صدی تک جنگ کی حرکات کو جیومیٹری کے فارمولوں کے طور پر اپناتے تھے اور اب بھی اپناتے ہیں۔ لڑائی ایک داؤ ہوتی ہے اِس میں دھوکا بھی ہوتا ہے اور چالیں بھی۔ اسلام ہمیں چالوں کے اپنانے کے لئے تو کہتا ہے لیکن چالوں (فارمولوں) کی غلامی کی اجازت نہیں دیتا اس لئے ہم اِس طریقِ کار کو ایک وقتی چال کا نام ہی دیں گے۔

جنگ کی کارروائی

اب جنگ کی کارروائی کے سلسلے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ مسلمانوں کی تعداد کوئی اٹھارہ ہزار کے قریب تھی۔ ایرانیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ خاموشی ضرور ہے لیکن وہ مسلمانوں سے کسی صورت میں کم نہ تھے۔ ہتھیاروں میں بھی ایرانی برتر تھے لیکن مسلمان ایک اعلیٰ مقصد کے لئے لڑ رہے تھے اِس کے علاوہ مسلمانوں کی تدبیرات

اور حکمت عملی بہتر تھی اور حربی خوبیوں میں بھی وہ ایرانیوں سے بہتر تھے وہ ہلکے پھلکے اور متحرک تھے اور خود پک نے متحرک طرزِ جنگ کی ہی تربیت دی تھی۔ جناب خالدؓ کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ ایسی کارروائی کاظمہ میں ہو یا ابلہ میں۔ متصد دشمن کا ابلہ کے علاقے میں قلع قمع تھا اور خلیفۂ وقت کی یہی ہدایات تھیں کہ پہلا مرحلہ ابلہ سے شروع ہو۔ اب اگر نقشہ پنجم یا ششم کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کاظمہ کے پچھلے علاقہ میں ریگستان تھا۔ صحرائی علاقہ میں جنگ کا یہ اصول ہوتا ہے کہ صحرا کو اپنی پشت پر رکھ کر جنگ کرو۔ مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ یہ پہلی لڑائی تھی اور اس میں فتح کی ضرورت تھی اور کاظمہ کی زمین حفیر یا ابلہ کے علاقوں کی نسبت مسلمانوں کے لئے بہتر تھی۔ صحرا کو پیچھے رکھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جنگ میں کوئی خراب مرحلہ آجائے تو ریگستانی علاقہ میں تتر بتر ہو کر اپنی مرضی کے مقام پر اکٹھے ہو کر پھر اپنی مرضی کی جگہ دشمن پر وار کیا جا سکتا ہے لیکن ریگستان کو استعمال صرف وہی لوگ صحیح طور پر کر سکتے ہیں جو ریگستان کے باسی ہوں۔ مسلمانوں کو یہ ہی فائدہ تھا لیکن ایرانی لشکر کی طرزِ جنگ میں زمین کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

مبصرین کے تجزیے

کلاسوٹز کے مطابق مبصرین یا ناقد بعض دفعہ تجزیے صرف لفاظی کے زور پر کرتے ہیں اور اُن کے بیچ کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک مبصر لکھتے ہیں کہ "ہرمز خود ابلہ کی بجائے کاظمہ میں جنگ کا خواہاں تھا کہ ابلہ کے زرخیز زمین کے علاقے میں وہ پہلے ہی مثنیؓ کے چھاپوں سے تنگ آچکا تھا اور وہ ابلہ سے دور ہی جنگ کا خواہاں تھا۔ اس لئے وہ بھی خوش ہوا کہ خالدؓ کاظمہ جا رہے تھے اور ادھر ہرمز کے لئے خالدؓ کو تباہ کرنا آسان ہوگا۔"

چھاپوں، جھڑپوں اور لڑائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چھاپہ ہمیشہ زرخیز علاقہ یا مددطلب والی جگہ پر مارا جاتا ہے۔ جھڑپ حادثہ یا معمولی مخالفت کو دور کرنا ہوتا ہے لیکن لڑائی اور جنگ میں سب کچھ داؤ پر ہوتا ہے۔ ہرمز نے شروع میں اپنے لئے صحیح تجزیہ کیا اور مسلمانوں کو کاظمہ میں روکنا بہتر تھا لیکن اب خوشی والی بات کوئی نہ تھی۔ ہرمز خالدؓ کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ ہاں البتہ لڑائی کے نتائج کے بارے میں وہ پُرامید تھا اور "خواہاں" والی بات نہ تھی۔

ہمارے یہی مبصر آگے لکھتے ہیں۔

متحارب ملکوں کے لشکر ایک دوسرے کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچ لیتے ہیں اور یہی چیز ہرمز اور خالد کو کاظمہ کے مقام پر لے گئی" لیکن اس بنا پر اس چیز کی کلاسوٹز کی زبان میں وضاحت ضروری ہے بات یہ ہوتی ہے کہ جارحانہ کارروائی والے کو دشمن کی تلاش ہوتی ہے اور مدافعانہ کارروائی والا خود اپنی چنی ہوئی زمین پر دشمن سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہے اور یہی مقناطیس بن جاتی ہے لیکن یہاں حالات مختلف تھے ہرمز کو کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کبھی کاظمہ کو بچانے کے لئے بھاگتا تھا اور کبھی ابلہ کو بچانے کے لئے۔ کسریٰ حالات کو بہتر طور پر سمجھتا تھا۔ نے جنرل قارن کو ہرمز کی امداد کے لئے بھیج دیا۔ ہرمز کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ حالات کا صحیح جائزہ لیتا اور ... انتظار کرتا تب تک مسلمانوں کو الجھائے رکھتا اور کمک آجانے کے بعد اپنی مرضی سے مسلمانوں کے خلاف ... کن کارروائی کرتا لیکن یہاں پر اُس نے خالدؓ کے اشاروں پر ناچتے ہوئے اپنے آپ کو باندھ دیا اور اس کا لشکر مشقت اور تھکاوٹ سے چور ہو چکا تھا۔

چنانچہ ان حالات میں ہم اپنے مبصر سے اختلاف کرتے ہیں کہ ہرمز بڑی حربی خوبیوں کا مالک تھا۔ ہمارے لحاظ سے اور نتائج کے لحاظ سے بھی ہرمز کا عسکری تدبیرات کے سلسلہ میں کوئی مقام نہیں۔

طرفین کی صف بندی

ہرمز نے کاظمہ سے مغرب کی طرف اپنی فوج کی صف بندی کی اور لشکر کے سامنے ریتلا علاقہ تھا اور پچھلی طرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ پیدل فوج ٹکڑیوں میں زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس جنگ کو "جنگ سلاسل" کہتے ہیں ان زنجیروں کو ایرانی فوج کے عرب قبائل تو پسند نہ کرتے تھے کہ جوان متحرک نہ رہ سکتے تھے مگر ایرانی اِن زنجیروں کو کیوں استعمال کرتے تھے اِس کی دو وجوہات ممکن تھیں اوّل مل کر مرنا جینا اور دوم کمزوروں کو بھی ساتھ بندھنوں میں باندھ دینا۔ اسلام اس سلسلہ یا ضرورت کے لئے نفسِ حیات کی "زنجیر" استعمال کرتا ہے بہرحال جناب خالدؓ نے ایرانیوں کو صف بند اور سلاسل ہونے دیا اور پھر جنگ ان کے سامنے اپنے اونٹوں سے سامان اتار دینے کا حکم دیا۔ اہلِ لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو خالدؓ نے اعلان کروا دیا۔ "بخدا پانی پر ایسی جماعت کا قبضہ ہو جائے گا جو لڑائی میں صابر رہے گی" اور روایت ہے کہ جنگ کے شروع ہونے سے ایک لمحہ پہلے اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت سے مسلمانوں کے ایمان و یقین کو تقویت دی۔

ہرمز نے لشکر کے بازوؤں پر قباذ اور انوشجان کو مقرر کیا اور جناب خالدؓ نے عاصمؓ بن عمرؓو اور عدیؓ بن

حاتم کو۔ جناب مثنیٰؓ اپنے سواروں کے ساتھ دشمن پر جھپٹنے والی فوج کے ساتھ لشکر کے عقب میں تھے جیش المقدم میں چند سو بھی تھے جن کی کمانڈ قعقاعؓ بن عمرو کر رہے تھے۔ ایرانی پہلوانوں نے آگے نکل کر مسلمانوں کو مبارزت کی دعوت دی اور ہرمز بھی گھوڑے پر سوار "خالد" "خالد" پکارتا آگے نکلا۔ اُس زمانے کی جنگ میں سپہ سالاروں کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ ذاتی پہلوانی یا تیغ زنی میں اپنا مقام رکھتے ہوں۔

اس لئے مسلمان بھی لشکر کے سرداروں کے سلسلہ میں یہ پہلو مدِ نظر رکھتے تھے کہ کسی وقت کوئی پشیمانی نہ ہو چنانچہ خالدؓ بھی آگے بڑھے دونوں گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوئے یا تلوار زنی کی۔ خالدؓ نے ہرمز کو پچھاڑ دیا۔ ہرمز کے حامی جھپٹے اور اصول جنگ کے خلاف خالدؓ پر حملہ کرنے لگے۔ قعقاعؓ بن عمرو ہرمز کے حامیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ خالدؓ اور قعقاعؓ نے مل کر تمام ایرانیوں کا قلع قمع کر دیا۔

اس زمانے کے ایک مبصر نے اس مقابلہ کو کچھ زیادہ ہی رنگ آمیز بنا دیا ہے اور ہمیں تو پرانی تاریخوں میں اس قسم کا رنگ نظر نہیں آتا۔ بہرحال اس کامیابی کے بعد جناب خالدؓ نے بھرپور حملہ کا حکم دیا۔ دشمنوں نے خالدؓ کے ساتھ جو دھوکا کرنا چاہا اس سے مسلمانوں کو بڑا غصہ اور طیش آیا یہ مسلمان ایرانیوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے تھکے ہوئے ایرانی اپنے سپہ سالار کے خاتمہ کی وجہ سے دل چھوڑ چکے تھے۔

بھرپور جنگ

متحرک مسلمانوں نے بندھے ہوئے ایرانی سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ایرانیوں کی یہ طرزِ جنگ اُن کو مسلمانوں کے مقابلے میں بہت مہنگی پڑی اور جنگ کا فیصلہ بہت جلد ہو گیا۔ کہ اُن کے دونوں بازوؤں والے سردار قباذ اور انوشجان نے خیریت اسی میں سمجھی کہ جو لوگ آزاد تھے اُن کو بھگا کر اور بچا کر لے جائیں چنانچہ لشکر کا ایک حصہ میدانِ جنگ سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ خالدؓ نے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق فوری تعاقب کے لئے جناب مثنیٰؓ کو روانہ کیا لیکن بھگدڑ بہتر طریقے سے ہو رہی تھی اور سر پر پاؤں رکھ کر۔ تعاقب کا فائدہ وہاں ہوتا ہے جہاں یہ امید ہو کہ دشمن کوئی اور پوزیشن اختیار کرے گا اور اُس کو وہاں قدم نہ جمانے دیا جائے مگر یہاں بات ہی اور تھی۔ اسی لئے تعاقب جلد ہی خود بخود ختم ہو گیا۔

مالِ غنیمت

مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت حاصل ہوا جس میں ایک ہاتھی بھی تھا اور وہ زنجیریں جن کی مدد سے ایرانی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اُن کا وزن کئی من تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعدد زنجیروں میں بندھے ہوئے ایرانی کھیت رہے۔ جناب خالدؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ مدینہ شریف بھیجا اور ہرمز کی لاکھ درہم کی ٹوپی بھی جو خلیفہ اوّل نے حضرت خالدؓ کو عطا کر دی ہاتھی کو بھی مدینہ بھیج دیا اور مسلمان اتنے بڑے جانور کو دیکھ کر حیران ہو گئے لیکن اُس کی خوراک کا مسئلہ تھا اس لئے خلیفہ نے وہ بھی خالدؓ کے پاس واپس بھیج دیا

مسلمانوں کی پیشقدمی

فوری تعاقب سے کچھ زیادہ مقصد حاصل نہ ہوا صرف اتنا پتہ چلا کہ دشمن بے ترتیبی سے بھاگ رہا ہے اس لئے خالدؓ نے کاظمہ میں صرف دو دن قیام کیا اور پھر دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ہراول کے طور پر جناب مثنیٰؓ کا دو ہزار کا لشکر تھا۔ حضرت مثنیٰؓ جب دریا کے نزدیک پہنچے جہاں اب زبیر کا مقام ہے تو وہاں کی حکمران عورت قلعہ بند ہو گئی۔ جناب مثنیٰؓ وقت کا ضیاع نہ چاہتے تھے اس لئے اپنے بھائی معنیٰؓ کو قلعہ کے محاصرہ اور سرکوبی کے لئے چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے۔ اُس عورت کو حالات کی خبر ملتی رہتی تھی وہ مسلمانوں کو نزدیک سے دیکھنا چاہتی تھی۔ محاصرہ کے دوران اُس نے حضرت معنیٰؓ کو دیکھ لیا اور نہ صرف جلد ہتھیار ڈال دیئے بلکہ مسلمان ہو گئی اور حضرت معنیٰؓ سے شادی کی درخواست بھی کی جو انہوں نے منظور کر لی۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِس شادی پر کسی مبصر نے کوئی حاشیہ آرائی نہیں کی۔ عورت کی فطرت میں ہوتا ہے کہ وہ بہادر، وباکردار آدمی کو پسند کرتی ہے۔

قصورِ زن کا نہیں ہے کچھ اِس خرابی میں	گواہ اِس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور	کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں (اقبالؒ)

جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ عراق میں اسلام کی بسم اللہ ایک عظیم فتح سے ہوئی جنگ سلاسل کو عجم یا "بین الاقوامی" دنیا میں جنگِ

صفحہ ۱۱۴ الف
نقشہ ششم ۔ خالدؓ کی کاظمہ کی جنگ سے
حیرہ تک کی فتوحات
شمال
دریائے دجلہ
مدائن
دریائے فرات
عین التمر
آزاذبہ
بہمن
حیرہ
خالدؓ
الیس
جابان
دلجہ
اندرزغر
واسط
مقیل
مذار
قارن
ثنی
خالدؓ
ابلہ
حفیر
ہرمز
کاظمہ
خلیج فارس
خالدؓ
زرود
بناج
خالدؓ
مثنیؓ
مذعورؓ
حرملہؓ
سلمیٰؓ
یمامہ
خالدؓ بن ولید
وضاحت
۱۔ × جہاں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں
۲۔ دشمن کے سپہ سالاروں کے نام کے نیچے لکیر ہے۔
سکیل۔ RF ۱/۳،۰۰۰،۰۰۰

بدر جیسی حیثیت حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے حضور پاکؐ کی سنت کو صحیح طور پر آگے بڑھایا۔

۲. جناب صدیق اکبرؓ کی حکمت عملی سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پچھلے چار ابواب میں مرتدین کے قلع قمع کے لئے تمام چھوٹی موٹی لڑائیوں اور جھڑپوں کی تعداد تیس چالیس کے قریب بنتی ہے اور خلیفہ اوّل نے مسلمانوں کو متحد کرکے دنیا میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کا نام بلند کرکے بسم اللہ کی۔ اِس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم بھی اسلام کا فلسفہ حیات اپنائیں جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

۳. قدرتی بات ہے کہ مرتدین کے قلع قمع کے وقت متحرک حربی طریقہ اختیار کیا گیا لیکن وہ بغاوت تھی اور بغاوت کے لئے ضروری ہے کہ متحرک ہونا پڑتا ہے اِس لئے پچھلے ابواب میں ہم نے متحرک حکمت عملی پر تبصرہ نہ کیا تھا۔ اب واضح ہو رہا ہے کہ حضور پاکؐ نے جو متحرک جنگ کا طریقہ رائج کیا جناب صدیق اکبرؓ اور حضورؐ پاک کے سب غلاموں نے وہی حکمت عملی اور تدابیر اپنائیں اور ہمیں بھی یہی طرزِ جنگ اپنانا چاہیئے۔

۴. اسلام میں پوری قوم اللہ کی فوج ہے اور جہاد فرض ہے۔ ان مہمات اور جنگوں کے سلسلہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ پوری قوم کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی جا رہی تھی۔

۵. صدیق اکبرؓ کی عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں حکمت عملی پر نظر ڈالیں کہ آپؓ نے عراق کے اندر تک جانے اور دریاؤں کو پار کرنے کی اجازت نہ دی۔ جنوب میں ابلہ کے اہم مقام سے شمال میں حیرہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ مرحلے مقرر فرمائے۔ ہدایات جاری کیں۔ قبائل کو وحدت میں پرونے کے لئے ایک کمانڈر مقرر کیا پھر سب کچھ اُس کمانڈر پر چھوڑ دیا۔

جو قوم چھوٹے کمانڈروں پر بھروسہ نہیں کرتی اور اُن کی ہر بات میں دخل اندازی کرتی ہے وہ زیادہ دن تک نہیں چل سکتی۔ آپ دیکھ چکے ہیں اور آگے بھی دیکھیں گے کہ جونیئر افسروں یا علاقہ اور محاذ کے سالاروں پر مکمل بھروسہ کیا گیا تو مسلمانوں نے اتنا جلدی تمام دنیا کو فتح کر لیا یاد رکھیں کہ انگریزوں کی سلطنت کو بھی بنانے والے کپتان اور لیفٹیننٹ تھے ہماری پرانی یونٹوں کے بانی یہی تھے۔

۶. تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا یہ مطلب نہیں کہ کیچڑ اچھالا جائے یا فضول باتیں اکٹھی کی جائیں یا غیروں اور باطل فلسفہ والوں کی عظمت کے گُن گائے جائیں۔ بامقصد مطالعہ کا مدعا یہ ہونا چاہیئے کہ واقعات اور حالات کا صحیح جائزہ لیا جائے اور معاملات کو اپنی عقل اور پیمانوں سے نہ پرکھا جائے بلکہ تجزیہ کرکے قارئین کے تجسس کے

لئے چھوڑ دیا جائے۔ کردار کشی نہ کی جائے اور اپنوں کے بارے تو ایک ایک لفظ میں ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو آدمی تاریخ سے تفرقے والی باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے اور اُن کو ہوا دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے مسلمان کو اگر کوئی تفرقہ والی بات نظر آئے تو اُس کو نظر انداز کر دیں یا اُس کے صحیح رُخ کو قوم کے سامنے پیش کریں۔

۷۔ مسلمان جو اللہ کی فوج ہیں اُن کے لئے فنِ سپاہ گری کی تربیت ضروری ہے وہ اپنے آپ کو اسلامی رابطوں میں باندھیں ورنہ ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۸۔ جناب خالدؓ کی تدبیرات کا جائزہ لیں۔ مسلمانوں کے حالات کا اپنے آج کے حالات کے ساتھ موازنہ کریں مسلمانوں کی اُس زمانے میں دنیا کی عظیم سلطنتوں کے مقابلے میں وہی حالت تھی جو آج ہماری ہے بلکہ تعداد کے لحاظ سے ہم قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں سے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے سامنے کچھ ذلت کے زمانے بھی ہیں بارھویں تیرھویں صدی میں صلیبیوں اور منگولوں کی یلغار اور سقوطِ بغداد، مسلمانوں کا سپین سے انخلاء، نیز بیسویں صدی میں مسلمانوں کی غلامی، اب روسیوں کی افغانستان پر یلغار، یہودیوں کا فلسطین پر قبضہ، لبنان میں مسلمانوں کا خون، کشمیر پر غاصبوں کا قبضہ، سقوطِ ڈھاکہ، فلپائن اور برما میں مسلمانوں پر ظلم، روسی ترکستان میں اسلام کو ختم کرنے کی سازش، اپنے اندر غیروں کے فلسفوں کا پرچار وغیرہ بڑی ذلت کی باتیں ہیں اِن تمام باتوں کی گہرائی میں جایا جائے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری امت میں وحدتِ فکر و وحدتِ عمل پیدا کیا جائے اور اسکی بنیاد ہمیں پاکستان میں رکھنا ہو گی اور پوری پاکستانی قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہو گا اور متحرک طرزِ زندگی اور طرزِ جنگ اپنانا ہو گی یعنی جہاد کو جاری و ساری کرنا ہو گا۔ اور اس کو اسلامی فلسفۂ حیات کا اپنانا کہتے ہیں۔

۹۔ جنگ سلاسل کے نتائج کچھ بیان کر دیئے گئے ہیں کہ مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی اور جنگ کے نتائج آگے بڑھتے ہیں۔ اسلام میں فتح کو آگے بڑھا کر لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ سلاسل کی جنگ کے بعد وہاں کے عرب قبائل اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔

۱۰۔ ایران کی حکومت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی فوج کی شکست اُن کے کان نہ کھول سکی اور وہ نہ سنبھلے اس کے بعد شکست پہ شکست کھاتے گئے اور مٹ گئے۔ ہم نے بھی ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے کوئی سبق نہ سیکھا تو دسمبر ۷۱ء میں ملک دولخت ہو گیا۔ اب بھی مکمل طور پر سبق نہیں سیکھ رہے خدا خیر کرے۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر	تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام	میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ (اقبالؒ)

آٹھواں باب

ثنی یا مذار کی جنگ صفر ۱۲ ہجری

اسلام کا قافلہ

اسلام کا قافلہ رواں دواں تھا۔ اسلام کی با مقصد جنگ میں فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا مغربی مبصرین خواہ وہ پرانے زمانے کے ہوں یا آج کل کے وہ فتح کے اختتامی مقام پر پہنچ کر بھول بھلیوں میں پھنس جاتے ہیں ان کے تمام فلسفے، معاشرت اور زندگی کے مقاصد یہاں آکر جواب دے جاتے ہیں لیکن دین فطرت والوں کی شان نرالی ہے۔ اللہ کی تلوار نیام سے باہر آچکی تھی۔ منزلِ مقصود کی طرف ہر قسم کی پیش رفت جاری تھی۔ پچھلے باب میں فوری تعاقب اور لمبے تعاقب کا ذکر ہو چکا ہے اور بقول کارسوئرز مسلمان اپنی فتح کے "عطیات و ثمرات" وصول کر چکے تھے اب فتح کو جاری کرنا تھا۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے مسلمان ملک نہیں دل فتح کرتے ہیں اس لئے ابلہ میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی کوئی اور فوج ہوتی تو کاظمہ کے بعد ابلہ کا رُخ کرتی۔ وہاں فتح کی شادمانیاں مناتی۔ شراب کے خم لنڈھاتی لیکن اللہ کے نام پر تلوار اُٹھانے والوں نے صرف ایک گشتی دستہ جناب معقلؓ بن مقرنؓ کے ماتحت ابلہ کی طرف روانہ کیا کہ اعلان کر دو کہ "حق آ گیا اور باطل مٹ گیا" اور باقی قافلہ شمال کی طرف رواں دواں تھا۔ ہراول کا کام ہا بے عظیم مجاہد جناب مثنیٰؓ بن حارث کر رہے تھے۔

ایرانیوں کا ردِ عمل

پچھلے باب میں قارن کا ذکر ہو چکا ہے جس کو کسریٰ ایران یعنی ازدشیر نے ہرمز کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بھی ایک لاکھ درہم والا جرنیل تھا اُس نے دریائے دجلہ کو مذار کے مقام پر پار کیا۔ یہاں پر چھوٹا معاون دریا دریائے معقل بھی دریائے دجلہ کے ساتھ ملتا ہے اور تھوڑا نیچے دریائے دجلہ اور فرات کا سنگم ہے بہر حال قارن آگے بڑھا اور فرات کو ثنی کے مقام سے پار کیا اس کے بعد وہ جنوب کی طرف مڑ کر ابلہ یا کاظمہ پہنچنے کے بارے سوچ ہی رہا تھا

کہ وہاں پر اُس کو ہرمز کے خاتمہ اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی۔ جنگ کے ایرانی بھگوڑے بھی وہاں اُس سے ملے جن میں ہرمز کے دو جرنیل قباذ اور انوشجان بھی شامل تھے۔ بھگوڑے اور قارن کی فوج، ثنی اور مذار کے علاقہ میں اکٹھے ہو کر اب آگے کے معاملات کو سوچنے لگ گئے۔ کئی باتیں اُن کی سمجھ سے باہر تھیں۔ کیا ہو چکا تھا، اور کیا ہوگا، وہ عجیب کشمکش اور تذبذب میں گرفتار تھے اور ظاہر ہے کہ اُس کے بعد قارن وہاں رُک گیا کہ وہ بھی کسی مدافعانہ تجویز کے تحت جگہ یا علاقہ کے دفاع کی تجویز بنانے میں مصروف تھا۔ نقشہ ششم میں مذار اور ثنی کے مقامات دکھائے گئے ہیں یہ نقشہ کاظمہ کی جنگ سے حیرہ کی فتح تک تمام جنگوں کے علاقوں اور مقامات کی نشاندہی کرتا ہے اور خالدؓ کی تمام تر پیش قدمی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس نقشہ کی مدد سے خالدؓ کی تدبیرات جو آپ نے خلیفہ اوّل کی حکمت عملی کے تحت حیرہ کی فتح تک بنائیں اُن کی اچھی طرح سے سمجھ آجاتی ہے ساتھ ہی ایرانیوں کے ردِ عمل اور کارروائی کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ایرانی ساکن دفاع یعنی "کھڑی" یا "بیٹھی" جنگ کو پسند کرتے تھے اِس وجہ سے قارن نے دریا کے علاقہ کو پسند کیا کہ یہاں پر لوگوں کو زنجیروں سے باندھنے کی ضرورت نہ پڑے گی زنجیروں سے باندھنے والے پہلو پر مبصرین نے ہر طرح کی چہ میگوئیاں کی ہیں کہ کوئی کہتا تھا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا کہ خود کو پابجولاں کر کے دشمن کے حوالے کر دیا جاتا ہے دوسرا کہتا تھا کہ بھاگنے والے لوگوں کو قابو میں رکھنے کا طریقہ تھا یہ طریقہ شاید کرایہ کے سپاہیوں کو قابو رکھنے کے لئے تھا۔ بہرحال قارن نے دریا کو پسند کیا کہ اُس کے عقب کی حفاظت ہو جائے گی، اور مسلمان کسی بازو سے آگے بڑھ کر اُس کے لشکر کو اکھیڑنے یا اُدھیڑنے کی کارروائی نہ کر سکیں گے۔

ایرانیوں کی حکمت عملی کا تجزیہ

اب اہلِ ایران کی اِس حکمت عملی کا تجزیہ کریں کہ وہ خالص دفاعی جنگ لڑ رہے تھے اور یہ بے مقصد دفاعی جنگ تھی یعنی وہ اُس کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے جو کچھ اُن کے پاس تھا۔ اُن کا ملک بڑا وسیع تھا۔ اُن کی تدبیرات کسی حکیمانہ جنگ کا حصّہ نہ تھیں اور بقول کلاسوٹز اگر وہ دشمن کو اپنے اندر کسی حکمت عملی کے تحت گھسنے کی اجازت دیتے اور پھر اپنی چھینی ہوئی زمین یا علاقہ میں مسلمانوں کے ساتھ اپنی کسی تدبیر اور تجویز کے مطابق جنگ کرتے تو وہ کارروائی صحیح ہوتی کسی جگہ بہت بڑا لشکر اکٹھا کر کے

مسلمانوں پر اتنا سخت حملہ کرتے کہ مسلمان تتر بتر ہو جاتے تو پھر اس کو بامقصد جنگ کا نام دے سکتے تھے لیکن ایرانی اپنی سلطنت اور زمین کو بچانے کے لئے جگہ جگہ مسلمانوں کے ساتھ لڑ رہے تھے یا مسلمانوں کی پیش قدمی کے تحت ردِ عمل کے طور پر آگے آ رہے تھے۔ جو نہتے لوگوں کے مقابلہ کے لئے کبھی "پابہ زنجیر" ہو کر کام چلاتے تھے اور کبھی دریا کا سہارا لیتے تھے کہ کہیں اس کے اپنے جوان پیچھے نہ بھاگ جائیں۔

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

جناب خالدؓ بھی حضرت مثنیٰؓ کے پیچھے دریاؤں کے سنگھم کی طرف روانہ تھے اور پھر حضرت مثنیٰؓ نے خبر دی کہ انہوں نے ثنیٰ کے مقام کے نزدیک دشمن کے ایک لشکر کو تلاش کر لیا ہے یہ خبر سن کر حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور علاقہ کی دیکھ بھال کی زمین کا جائزہ لیا یہ کام ذرا اُوپر والی سطح پر تھا اور تعداد کے لحاظ سے جناب خالدؓ کا لشکر ہمارے موجودہ ایک ڈویژن کی تعداد کے برابر تھا۔ لیکن اُس زمانے میں جنگ اتنے محدود علاقے میں ہوتی تھی کہ یہ ساری کارروائی اِس طرح تھی جس طرح آج کل "ایڈوانس ٹو کنٹیکٹ" میں کوئی کمپنی کمانڈر رُک جائے کہ آگے دشمن زیادہ ہے تو پھر بٹالین کمانڈر آگے بڑھ کر دشمن اور زمینی حالات کا جائزہ لیتا ہے۔

خالدؓ کی دُور رس نگاہ جلد ہی حالات کو بھانپ گئی۔ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اُسکو وہاں سے چھوڑ کر آگے حیرہ کی طرف پیش قدمی نہ ہو سکتی تھی یعنی کنائی نہیں کی جا سکتی تھی نہ ہی جناب خالدؓ اِس دشمن کو کسی چال سے نچا سکتے تھے جس طرح ہرمز کے ساتھ کیا اور جناب خالدؓ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ دریا کسی اور جگہ سے پار کر کے کسی اور مقام پر دشمن سے لڑائی لڑی جائے کہ دریا کے پار لڑائی لڑنا مسلمانوں کی طرزِ جنگ کے لحاظ سے ٹھیک نہ تھا۔ مسلمان اُس وقت تک اپنے دوست صحرا کو عقب میں رکھے ہوئے تھے اور شروع شروع کی جنگوں میں یہ ضروری تھا خالدؓ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ یہ مقصد اُسی مقام پر حاصل کر سکتے تھے کہ دشمن کی فوج کو اُسی مقام پر ایسا تہس نہس کیا جائے کہ وہ وہاں سے بھاگ جائیں۔ ہر لڑائی اور جنگ کا فوری مقصد یہی ہوتا ہے کہ دشمن کی فوج کو ایسی شکست دی جائے کہ اُس میں لڑنے کی سکت ختم ہو جائے اُ اِس حصول کے لئے بعض دفعہ ایک سے زیادہ لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں

طرفین کی صف بندی

دشمن پہلے ہی صف بند ہو چکا تھا۔ قارن خود درمیان میں تھا اور بازوؤں پر اُس نے کاظم یا سلاسل

کی جنگ کے شکست خوردہ جرنیل قباذ اور انوشجان کو ہی لگایا۔ کاظمہ کے فاتح جرنیل اور اللہ کی تلوارؓ نے بھی دشمن کے مقابلے میں اپنی فوج کے بازوؤں پر کاظمہ کی فاتح فوج کے بازوں والے سالار جناب عاصمؓ بن عمرؓ اور جناب عدیؓ بن حاتم کو مقرر کیا۔

قارن بڑا سمجھدار آدمی تھا وہ ایران کی فوج کی شکست اور بے دلی کو بھانپ چکا تھا اور وہ شکست خوردہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا وہ اُن کو بدلہ لینے پر اُبھار رہا تھا۔ اس وجہ سے اُس نے کاظمہ کے شکست خوردہ جرنیلوں کی عزت بحال رکھی اُس کو اپنی فتح کا بڑا یقین تھا کیونکہ مبارزت میں وہ اپنا مقام رکھتا تھا وہ اس خیال میں تھا کہ وہ پہلے ہی وار میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو ختم کر کے اپنی فوج کا جذبہ بحال کرلے گا بے شک ماہر کمانڈر کو ایسے کرنے کیلئے ہر طرح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اِس سلسلہ میں قارن کی کارروائی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بات صرف یہ تھی کہ اُس کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کا مقابلہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو زندگی کی نسبت موت سے زیادہ محبت کرنیوالے تھے۔ یہ وہ مسلمان تھے جن میں کم دل فلاسفر اور مصلحت آمیز مدافعانہ قسم کے مبلغ اُس وقت تک مسلمانوں کی صفوں میں داخل نہ ہوئے تھے۔

جنگ کی کارروائی

ثنیٰ کے میدان میں ایک طرف ہلکے پھلکے ہتھیاروں والے مسلمان اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ صف آرا ہو رہے تھے دوسری طرف ایرانی بھی بھاری بھرکم ہتھیاروں کے ساتھ زمین میں قدم گاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں قارن آگے نکلا اور مبارزت طلب کی۔ خالدؓ آگے نکلنے ہی والے تھے کہ اسلام کے ایک عظیم فرزند حضرت معقلؓ اللہ کی تلوارؓ پر سبقت لے گئے۔ خالدؓ مسکرائے اور یہ اللہ کی شان ہے کہ اپنے حبیبؐ کے غلاموں میں ایسی گمنام ہستیاں بھی پیدا کرتا ہے جن کی شہرت اور جزا سب اللہ کے ہاں ہے یہ معقلؓ بن الاعشیٰ تھے۔ نووارد جناب معقلؓ نے ایرانیوں اور مسلمانوں دونوں کو حیران کر دیا۔ ایک ہی وار میں انہوں نے قارن کا سر اُس کے بدن سے جدا کر دیا۔

ایرانیوں کی تجویز کے مطابق قارن کے بازوؤں والے دونوں ایرانی کمانڈروں نے آگے بڑھ کر مبارزت طلب کرنا تھی کہ شاید وہ کامیابی حاصل کر کے ایرانیوں کا جذبہ بحال کر دیں اس لئے قباذ اور انوشجان

یعنی کاظمہ کے بھگوڑے آگے بڑھے۔ ادھر کاظمہ کی فتحیاب فوج کے بازوؤں کے کمانڈر آگے بڑھے۔ جناب عدیؓ نے قباذ کو داصل جہنم کیا اور جناب عاصمؓ نے انوشجان کو۔ اور اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب خالدؓ نے بھرپور حملہ کا حکم دے دیا۔ گو ایرانی پابہ زنجیر نہ تھے لیکن انہوں نے مقابلہ ضرور کیا اور طبری کے مطابق تیس ہزار ایرانی مارے گئے اگر اس تعداد سے آدھی نفری کھیت رہی ہو تو لشکر کی کل تعداد تیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ کمانڈر بھی لاکھ درہم کی ٹوپی والا تھا مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب ہوگی لڑائی بھی ایرانیوں کے مرضی کے میدان جنگ میں تھی۔ گو دریا کے مغربی کنارے کی طرف ہوئی او مسلمانوں نے دریا کو پار کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بے شمار مالِ غنیمت ملا جو کاظمہ یا سلاسل کی جنگ سے کہیں زیادہ تھا۔ مسلمان زخمیوں یا شہدار کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں۔ کسی چوٹی کے مجاہد کی شہادت کا ذکر بھی نہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا نقصان برائے نام تھا اور اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان منظم تھے اور تدبیر کے مطابق جنگ لڑی تھی۔ ایرانی اپنی فوج کو جنگ کے ایندھن کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

جنگی تجزیے

عسکری تاریخ کے طالب علموں کے لئے ایسی جنگوں میں بڑے اسباق ہوتے ہیں کہ ان کا تجزیہ کرکے حالات سے اور زیادہ واقفیت ہوتی ہے۔ ذہن میں فوجی حکمت عملی اور تدبیرات سماجاتی ہیں۔ اس جنگ میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے بعد ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ لڑائی کے شروع ہی میں ایرانیوں کے تین بڑے سردار مارے گئے اور مسلمانوں کی طرح ایرانیوں کے پاس نچلی سطح پر کمانڈر مقرر کرنے کا کوئی رواج نہ تھا اور نہ نچلی سطح والے اس قابل ہوتے تھے کہ جنگ میں ٹولیوں کے امیر ہوں۔ حضور پاکؐ نے ہر دس آدمیوں پر ایک امیر مقرر کرنے کا حکم فرمایا تھا اور پھر ان دس امیروں یا سو کے دستہ پر ایک اور امیر۔ اور یہ سطح اوپر جاتی رہتی تھی۔ جناب فاروق اعظمؓ اپنی خلافت میں جناب سعدؓ کو اس سلسلہ میں یاد دہانی بھی کراتے ہیں جس کا آگے ذکر آئے گا۔

جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ فلسفہ جنگ کے بڑے اصول یعنی جنگ کو رواں دواں رکھا گیا اور نتیجہ ایک اور فتح کی صورت میں

ظاہر ہوا اور آگے ایک اور جنگ بھی ہوئی جس کا ذکر اگلے باب میں ہے

۲۔ مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت ملا۔ زرخیز علاقوں میں فوج کی کفالت اور بحالی میں آسانی ہو گئی اور جنگی ہتھیار بھی ملے جن سے لڑنے کی قوت میں اضافہ ہوا۔

۳۔ اس پہلو کو کچھ مورخین نے غلط طور پر بھی پیش کیا کہ خالدؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ عراق کی زرخیزی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جنگ کو جاری رکھا جائے دراصل جناب خالدؓ کا مطلب یہ تھا کہ دشمن سے زرخیز علاقے چھین لینے سے، جنگ مسلمانوں کے لئے آسان ہو گئی ہے اور دشمن کے لئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں

۴۔ مسلمان جنگ صرف اللہ کے احکام کے لئے لڑتا ہے اور خالدؓ نے علاقوں کی زرخیزی کی بجائے دشمن کو بتایا تھا کہ وہ اُن کے مقابلے میں ایسے لوگ لے آیا ہے جو موت سے بھی اتنی محبت کرتے ہیں جتنی وہ لوگ زندگی سے۔

۵۔ اس جنگ میں جناب حسن بصریؒ[1] کے والد قید ہو کر آئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ بصرہ اس وقت ابلہ کے پاس گاؤں تھا جناب حسن بصری کا ذکر تیسری کتاب کے ساتویں باب میں ہے۔

۶۔ اس جنگ نے ثابت کیا کہ ایران جیسا طاقتور ملک بھی "انفعالی" یا ساکن دفاع سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکا کہ وہ لوگ ہلکے پھلکے دستوں کے خلاف دفاع برائے دفاع کر رہے تھے۔ یہی غلطی مغلوں نے مرہٹوں کے سامنے کی۔ نتیجہ دونوں جگہ مشابہہ ہے۔

۷۔ جنگ میں زیادہ نقصان لیڈروں اور افسروں کا ہوتا ہے مسلمانوں میں ہر سطح پر ایسے لیڈر موجود تھے۔ ایرانیوں کے لئے لیڈر پیدا کرنے کا مسئلہ بن گیا۔ اِس سلسلہ میں جرمن جنرل فان سیکٹ کے دونوں جنگ عظیموں کے درمیانی عرصہ کی تجویز کا مطالعہ ہر افسر کے لئے ضروری ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
(اقبالؒ)

---

[1]:- جلال مصطفےٰ صفحہ ۴ اور ۲۵۵ سے استفادہ کریں۔

نواں باب

جنگِ ولجہ، صفر ۱۲ ہجری

مؤرخین و مبصرین کے تجزیوں پر تبصرہ

مؤرخین کے حساب سے ثنیٰ کی جنگ اور جنگ ولجہ دونوں صفر کے مہینے میں ہوئیں اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ثنیٰ کی شکست کے بعد اردشیر شہنشاہ ایران نے دو لشکر ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کئے۔ ایک لشکر اندازغر یا اندازگر کا تھا اور دوسرا بہمن کا۔ ولجہ پہنچ کر بہمن نے دونوں لشکروں کی کمانڈ سنبھالنا تھی لیکن بہمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے اندازگر میدان ہار بیٹھا۔ زمان و مکاں کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات کچھ ناممکن نظر آتی ہے کہ صفر کے مہینہ کے اندر ہی اندر ثنیٰ کی شکست کی خبر مدائن پہنچ گئی اور کئی سو میل کا فاصلہ طے کر کے ایک لشکر بھی ولجہ پہنچ گیا۔ لیکن "مکاں" کا مسئلہ کیسے حل ہو کہ اندازگر کا لشکر چار پانچ سو میل کا فاصلہ دو ہفتوں میں طے کر کے ولجہ پہنچ گیا؟

مبصر کا تجزیہ

اس زمانے کے ایک مبصر نے طبری کی ایک اور روایت سے "زماں" کے مسئلہ کا حل تو نکال لیا کہ ایرانی کچھ فاصلہ پر آدمی کھڑے کر دیتے تھے جو باآواز خبروں کو ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے اور میدان جنگ سے خبر چند گھنٹوں میں اس "انسانی وائرلیس" سے دارالخلافہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اب صحیح خبر ایک آدمی سے دوسرے آدمی تک پہنچانے کے لئے فاصلہ پچاس سے سو گز تک ہونا چاہیئے تو ایک میل میں کم از کم تیس چالیس آدمی رکھنا پڑتے ہوں گے اور فاصلہ جب چھ سے سات سو میل دور ہو تو بیس سے لے کر تیس ہزار آدمی اس کام پر لگے ہوتے ہوں گے لیکن ایک سے دوسرے آدمی تک خبر کی جو گت بنتی ہو گی اُس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ راقم نے دس سے پندرہ آدمیوں کے ذریعہ سے خبروں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے پہنچانے کی مشق اپنی کمپنی کے جوانوں سے ۱۹۵۱ء میں کرائی تھی بات بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جاتی ہے۔ بہرحال گھنٹوں والی بات تو ناممکن ہے ہاں کوئی ایسا تیز تر طریقہ ہو گا کہ خبر مہینہ کی بجائے

دنوں میں مدائن پہنچ جاتی ہوگی اور ایسے طریقہ کا ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے زمانے میں اِس خطہ میں بھی ذکر کیا تھا اور بعد میں بھی ایسا طریقہ جاری وساری رہا۔ اور وہ ایک چوکی سے دوسری چوکی تک تیز ہرکاروں کا استعمال ہوتا ہے۔

کئی لوگ پرانی اور باطل ایرانی تہذیب کی عظمت کے بڑے قائل ہیں اُن کو ایران کی اُس عظمت میں اچھا ہی اچھا نظر آتا ہے اور کوئی جدت یا اچھی بات سنی تو وہ اُس کو ایران کی پرانی عظمت بڑھانے میں مدد سمجھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ خبروں کو آگے صحیح طور پر پہنچانا اور قاصد کا کام بہت مشکل ہے ہر آدمی یہ کام نہیں کرسکتا۔ یہ کام تربیت یافتہ لوگ کر سکتے ہیں اور آگے اِس پر اگلے بابوں میں اور تبصرہ بھی ہوگا اس لئے ایرانی اگر دنوں میں ایسا کر سکتے تھے تو بڑی بات تھی۔

ایک دوسری صورت

ظاہر ہے کہ "زمان و مکان" کا تجزیہ صحیح نہیں۔ بات کچھ ایسے ہو سکتی ہے کہ قارن کا لشکر تو کاظمہ کی شکست سے پہلے چل چکا تھا اور کاظمہ کی شکست کی خبر سن کر اندازغر کے لشکر کو بھیجا گیا اور وہ قارن کے لشکر کی مدد کے لئے ثنیٰ کے مقام پر بروقت نہ پہنچ سکا راستہ میں اُس نے ثنیٰ کی شکست کی خبر سُنی اسطرح کہ جس طرح قارن نے کاظمہ کی سُنی تھی اور اُس نے رُخ تبدیل کر کے ولجہ کے مقام کا رُخ کیا۔ جہاں ابھی مسلمانوں نہ پہنچ سکے تھے۔ بہمن کے لشکر کو ثنیٰ کی شکست کے بعد بھیجا گیا کہ دو شکستیں ہوئی تھیں اس لئے ایک بڑے کمانڈر کی ضرورت تھی کہ دو لشکروں کو ملا کر مسلمانوں کو شکست دی جائے۔ آگے جو واقعات ہوئے وہ اس تجزیہ کے حق میں جاتے ہیں اور اِن تجزیوں پر تبصرہ کا مطلب یہ ہے کہ صحیح صورت حال واضح ہوتی رہے تو جنگوں کے نتائج اور اسباق صحیح طور پر نکالے جائیں اور اس کو ہم تاریخ کا بامقصد مطالعہ کہتے ہیں۔ آگے بات قارئین پر چھوڑ دیں گے۔ اور اُن کو جو رائے زیادہ وزنی معلوم ہو وہ اس پر یقین کریں اور اہلِ فوج کے لئے یہ ایک ذہنی مشق بھی بن جاتی ہے۔

ولجہ کی جنگ کا ایرانی کمانڈر

اندازگر فارسی النسل نہ تھا لیکن اہلِ فارس میں اُس کو اونچا مقام حاصل تھا وہ خراسان کا فوجی گورنر رہ چکا تھا

اور عرب قبائل میں بھی ہرمز کی طرح وہ کوئی ناپسندیدہ آدمی نہ تھا وہ مدائن سے چل کر کسکر آیا جو موجودہ واسط ہے اور وہاں سے دجلہ کو پار کیا پھر آگے بڑھ کر دریائے فرات کے ساتھ ساتھ ہولیا اور یہاں کسی جگہ مثنیٰ کی شکست کی خبر سنی اور رُخ دجلہ کی طرف پھیر دیا۔ مؤرخین نے تو یہ نہیں لکھا کہ راستے میں ایسی خبر سُنی تو رُخ دجلہ کی طرف پھیر دیا لیکن یہ ہمارا اپنا تجزیہ ہے اور اس وجہ سے بھی یہ تجزیہ صحیح ہے کہ اگر مثنیٰ کی شکست کی خبر سُن کر وہ مدائن سے چلتا تو پھر کسکر یا واسط جا کر دجلہ دریا کو کیوں پار کرتا۔ مدائن سے دجلہ پار کر کے سیدھا راستہ زیادہ نزدیک تھا۔ نقشہ ششم کی مدد سے قارئین خود اس رائے کا تجزیہ کریں ویسے دلجہ کا مقام نقشہ پر ہم نے بھی اندازاً ظاہر کیا ہے کہ ایک آدھ میل کا فرق ہو سکتا ہے اور مؤرخین کے بیانات اور اُلیس سے فاصلہ کو مدِنظر رکھا ہے۔

بہمن کو ایرانی فوج میں بڑا اونچا مقام حاصل تھا وہ بھی لاکھ درہم والے کمانڈروں میں شامل تھا اور بادشاہ کے ساتھ اُس کے گہرے مراسم تھے اُس کو حکم دیا گیا کہ وہ اندازگر کی مدد کرے اور کمانڈ سنبھال لے۔ وہ ایسا نہ کر سکا تو ظاہر ہے کہ "زمان و مکان" کے حساب کتاب میں ایرانی بُری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ اب نہ صرف ایرانی محاذِ جنگ کے کمانڈر بلکہ پوری ایرانی حکومت مسلمانوں کے اشاروں پر ناچ رہی تھی یعنی ان کی تمام تر کاروائیاں ردِ عمل کے طور پر تھیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے پہل کاری حاصل کرلی تو دراصل وہ زمان و مکاں پر حاوی ہونا ہوتا ہے۔ چھوٹی سطح پر یہ معاملہ کچھ آسان ہوتا ہے وسیع علاقوں کے سلسلہ میں یہ بڑا اہم معاملہ ہوتا ہے لیکن حضورؐ پاک نے مسلمانوں کو زمان و مکاں پر حاوی ہونے کی تربیت دی تھی۔ آپ اب جنگوں میں مسلمانوں کی تمام تر کاروائیوں کو اِس پیمانہ کے ساتھ ناپئے آخری ابواب میں حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کے تحت اِس مسئلہ کی اور وضاحت ہوگی۔

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور (اقبالؒ)

جناب خالدؓ کا تجزیہ

خالدؓ نے حالات کا جائزہ لیا وہ دو لڑائیاں جیت چکے تھے دشمن سے علاقے چھین چکے تھے لیکن ایرانی فوج کا کوئی بڑا حصہ پوری طرح تباہ و برباد نہ ہوا تھا۔ دونوں مقامات پر ایرانی فوجی بھاگ کر پیچھے چلے گئے اور

کمک کے طور پر آنے والے لشکروں میں شامل ہو گئے دونوں مقامات پر میدانِ جنگ نے خالدؓ کو اجازت دی کہ وہ گھیرا ڈالنے کی کوئی کارروائی کر سکے یا تعاقب کے ذریعہ دشمن کو مکمل تباہ کر دے۔ اوّل خیال جو جناب خالدؓ کے دل میں تھا وہ یہ تھا کہ اب وقت ضائع نہ کیا جائے اور جو ایرانی فوج یا دشمن مل سکے اُس کو شکنجے میں کس لیا جائے ساتھ ہی جو علاقے حاصل کئے تھے اُن کو قابو میں رکھنا ضروری تھا اس لئے حضرت سویدؓ بن مقرنؓ کو اُن علاقوں کا فوجی گورنر بنایا اور اُن کو حفیر میں متعین کیا۔ قارئین نقشہ پنجم یا ششم پر نگاہ ڈالیں تو ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں کے لحاظ سے حفیر کو ابلہ پر فوجی لحاظ سے فوقیت حاصل تھی اور ہرمز اگر ابلہ یا کاظمہ کی بجائے حفیر کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑنے کی ٹھان لیتا تو جناب خالدؓ اس کو اور زیادہ پسند کرتے۔ ایرانیوں کے نقطہ نگاہ سے ابلہ زیادہ اہم تھا اور اُس کا بیان ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں کی حکمتِ عملی کے لحاظ سے حفیر کو زیادہ اہمیت تھی یہ ایک قسم کا خشکی کے راستوں کا جنکشن یا مرکز تھا اور اس کی ایک طرف ریگستان تھا جو مسلمانوں کا "دوست" تھا حضرت سویدؓ صحابی اور صحابیؓ کے بیٹے تھے۔ خالدؓ اور جگہوں پر نومسلم قبائل کو کمانڈ دے رہے تھے لیکن اتنی اہم جگہ کی کمانڈ ایک ایسے صحابی کو دی جن کو جناب ابوبکرؓ بھی گیارہ لشکروں میں سے ایک کی کمانڈ دے چکے تھے۔

جناب خالدؓ کی مخبری

جناب خالدؓ نے حضرت مثنیٰؓ کے قبیلہ بنو بکر کے ذریعہ سے اور باقی نومسلم عرب قبائل کی مدد سے مخبری کا نہایت اعلےٰ پایہ کا انتظام کر لیا تھا اور خالدؓ کو یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ ایران کا دوسرا لشکر بھی مدائن چھوڑ کر محاذِ جنگ کی طرف رواں دواں تھا لیکن اُس کی رفتار سست تھی معلوم ہوتا تھا کہ بہمن جنگ سے کچھ کترا رہا تھا۔ دراصل اردشیر بیمار تھا اور حکومت کی متوقع تبدیلی نے اوپر والوں کو عجیب الجھن میں ڈالا ہوا تھا اور یہی کمزوریاں ایرانیوں کے زوال کا باعث بن رہی تھیں اور ایسی بے یقینی کسی بھی قوم کے لئے زوال کا باعث بن سکتی ہے۔

جناب خالدؓ کی تجویز

چنانچہ خالدؓ نے تیزی کے ساتھ دجلہ کے مقام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جس کا محل وقوع

نقشہ ششم پر دیکھیں اور خالدؓ نے دشمن کے سامنے ہی کچھ فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خالدؓ نے رسالہ والوں کو کہیں پیچھے ہی چھپا کر رکھا ہوا تھا اور دشمن پر ظاہر کیا کہ وہ صرف پیدل دستوں کے ساتھ وہاں آموجود ہوئے تھے۔ ایرانی لشکر کی تعداد کے بارے مورخین خاموش ہیں اور مسلمانوں کی تعداد کوئی پندرہ ہزار کے قریب بتائی گئی ہے اور شاید کچھ زیادہ نہ ہو کہ ایرانی کمانڈر مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر ٹس سے مس نہ ہوا اور اپنی پچھلی طرف دریا کو بھی استعمال کرنے کی کوشش نہ کی کہ دریا پیچھے سے اُس کے لشکر کی حفاظت کرتا تھا۔ وہ دن اور اگلا دن طرفین نے دیکھ بھال میں گزار دیا۔ پرانے مورخین نے میدانِ جنگ کے زمینی حالات کو زیادہ واضح نہیں کیا۔ مورخین اور مبصرین نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ایرانی فوج کی صف بندی دریا سے کافی آگے میدان میں بتائی ہے۔ یہ مطالعے اور تجزیئے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ تمام تر مطالعے اِس حقیقت کی تلاش میں ہو سکتے ہیں کہ جناب خالدؓ رات کو اپنے رسالہ کو دشمن کے پیچھے کس راستے سے اور کیسے لے گئے کہ دشمن کو خبر نہ ہوئی۔ ظاہر ہے دشمن دریا کی طرف سے بالکل بے خبر تھا یعنی ایرانی چوکنے نہ تھے وہ اپنے بازوؤں یا پچھلے علاقہ کی حفاظت نہ کر رہے تھے۔ جناب خالدؓ نے زمین کا مطالعہ کس خوبصورتی سے کیا اور تجویز پر کس طرح بھید اور خوشنودگی سے عمل کیا ایسی تجاویز وہ لوگ بنا سکتے ہیں جو کہ روح جنگوں میں ہوتی ہے اور دشمن کی نفری اور زمین کا ایسا تجزیہ کرتے ہیں کہ چپہ چپہ زمین اُن کے سامنے بول اُٹھتی ہے کہ وہ کس کام آسکتی ہے۔

اندازگر کا ردِ عمل اور جنگ کی کارروائی

اندازگر خوش تھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ مسلمانوں کی نفری کوئی دس ہزار ہے۔ اُس کو کوئی گھوڑا بھی میدانِ جنگ میں نظر نہ آیا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ کم نفری کی وجہ سے مسلمان گھڑسوار بھی پیدل لڑ رہے ہیں۔ نقشہ ہفتم کے طور پر جنگ دلجہ کے تین مرحلوں کے تین خاکے پیش کیے جا رہے ہیں جو بغیر سکیل کے ہیں لیکن ان نقشوں کی مدد سے جنگ کی صورتوں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے گا۔

پہلا مرحلہ

اندازگر پچاس ہزار درہم کی ٹوپی والا جرنیل تھا اور مورخین نے یہ نہیں بتایا کہ اُس کے لشکر کے بازوؤں

پر کون کون تھے۔ جناب خالدؓ خود درمیان میں تھے اور جناب عدیؓ اور عاصمؓ بازوؤں پر تھے لیکن آج کے دن خالدؓ کے حکم پر لشکر کے ہر دستہ کے امیر اگلی صفوں میں تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے۔ محاذ زیادہ پھیلا ہوا نہ تھا۔ ایرانیوں کی صف بندی اِس طرح تھی کہ ایک لائن اور اُس کے بعد دوسری لائن اور یہ گہرائی بہت زیادہ تھی۔ اگلی صف جب تھک جاتی تھی تو وہ ہٹ جاتی تھی اور مسلمانوں کے سامنے ایک نئی صف آجاتی تھی۔

علاوہ ایرانی سرداروں نے مبارزت طلبی سے گریز شروع کر دیا تھا۔ ہرمز، قارن، قباذ اور انوشجان کی قسمت کے بارے میں سُن کر وہ کچھ سہمے ہوئے تھے لیکن اِس دفعہ لشکر میں کچھ "ہزار مرد" لائے گئے جو ایرانی فوج کے خاص پہلوان کہلاتے تھے۔ اور اکیلے کئی مردوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اور ان کو بہادری کے جوہر دکھانے کے بعد بادشاہ کی طرف سے ہزار مرد کا خطاب ملتا تھا۔ ایک ایسا ہی ہزار مرد آگے نکلا اور جناب خالدؓ نے آگے بڑھ کر اُس کا کام تمام کر دیا اور اُس کے اوپر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ اے ایرانیو یہ تمہارا ہزار مرد ہے۔ طبریؒ کی روایت کہ جناب خالدؓ نے اُس کے اوپر کھڑا ہو کر کھانا کھایا خوبی اور اخلاق لحاظ سے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

دوسرا مرحلہ

جیسے ہی مسلمانوں کے حملے کا زور ٹوٹا یا جان بوجھ کر توڑا گیا تو ایرانی خوش ہوئے اور انہوں نے جوابی حملہ کر دیا اور کئی جگہوں پر مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا مسلمان بے جگری سے لڑے لیکن ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے۔ کئی مسلمان حیران تھے کہ معاملات کچھ غلط صورت اختیار کر رہے تھے۔ ایرانی خوش تھے بلکہ اندازہ کرو ایک لاکھ درہم کی ٹوپی ملنے کی بھی امید لگ گئی لیکن خالدؓ کسی وقت کے منتظر میں تھے کہ ایرانی صفیں اپنی اصلی پوزیشنوں سے آگے کچھ پیش قدمی کر رہی ہوں تو تب جناب خالدؓ کی فیصلہ کن تجویز اور لڑائی کا تیسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔

تیسرا مرحلہ

لڑائی کا تیسرا مرحلہ مسلمانوں کے رسالہ کی دو یونٹوں کا ایرانیوں پر پچھلی طرف سے حضرت بسرؓ بن ابی رحم اور سعیدؓ بن مرہ کی قیادت میں حملہ تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے جناب خالدؓ نے رسالہ کی

ان دو لیونٹوں کو لڑائی والے دن سے پہلی رات کو دشمن کی پچھلی طرف بھیج دیا۔ یہ کام بڑی رازداری سے کیا گیا تھا۔ بڑے لمبے چکر کے بعد یہ گھڑ سوار دشمن کے پیچھے ٹیلوں کی اوٹ میں جا کر چھپ گئے اور حکم تھا کہ خالدؓ کی طرف سے اشارہ ملنے پر دشمن پر پچھلی طرف سے حملہ کر دیں۔ یہ راز ایرانیوں سے بھی پوشیدہ تھا اور مقررشدہ اشارہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں مورخین بھی خاموش ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کوئی آگ یا دھواں یا دشمن کے جوابی حملہ کی امید وغیرہ تھی یعنی جیسے ہی دشمن جوابی حملہ کرے اور زمین سے اُس کے پاؤں آگے کی طرف ہوں تو پیچھے سے آ کر پل پڑو۔ خدانخواستہ اگر دشمن جوابی حملہ کر کے مسلمانوں کی صفوں میں دور تک گھس جاتا یا مسلمانوں کا بڑا لشکر پسپائی اختیار کر لیتا اور رسالے والے بعد میں حملہ آور ہوتے تو بڑی افراتفری پیدا ہوتی۔ ایسی کارروائی کا بنیادی پہلو یہ ہوتا ہے کہ یہ تیران کن ہو اور رسالے والوں کا حملہ کرنے والی جگہ پر پہنچ جانا ہی بڑی کامیابی ہوتی ہے جہاں سے حملہ کیا جائے اس کے بعد صرف کمانڈر کے اشارہ اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دن کا وقت تھا امید واثق ہے کہ جناب بسرؓ اور سعیدؓ اپنے گھوڑوں پر سرپٹ دوڑ رہے ہوں گے اور دشمن بوکھلا گیا ہوگا۔

لڑائی کا نتیجہ

نقشہ ہفتم کے تین خاکے ساری لڑائی کا نچوڑ ہیں۔ ایرانی فوج میں ایسی تباہی مچی کہ اُن کا بچ نکلنا ناممکن ہو گیا اور زیادہ فوج کھیت رہی جو چند بچ کر نکل سکے اُن کو یہ پتہ نہ تھا کہ کس طرف بھاگ رہے ہیں اندازگر بھی اُن میں تھا۔ وہ سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ کس طرف؟ یہ انہیں خود کو بھی پتہ نہ تھا پس آگے آگے وہ خود تھے اور پیچھے پیچھے موت اور کچھ ایک۔ اندازگر بسمت دریا کی طرف بھاگنے کی بجائے ریگستان میں داخل ہو گئے اور بھاگتے گئے پھر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کوئی پانی نہ تھا اور وہاں پیاس کی شدت سے تڑپ کر جان دے دی۔ اندازگر مبارزت سے بچ گیا لیکن ریگستان جو مسلمانوں کا دوست تھا اُس سے نہ بچ سکا۔ ریگستان ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرتا ہے جو اُس کو "جانتے" ہوں اور وہ اُن کو "جانتا" ہو۔ ایرانیوں میں صرف وہ چند بچ سکے جنہوں نے دریا کو پار کر لیا وہ کچھ دریا کی نذر بھی ہوئے اور مسلمانوں کو بے پناہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

عسکری جدت

جناب خالدؓ نے جنگ کا یہ طریقہ کار یا جدت کونسی عسکری تاریخ پڑھ کر سیکھا اور اس سے پہلے دنیا کی عسکری تاریخ میں ایسا طریقہ کب اپنایا گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو موجودہ زمانے کے عقلی مبصرین کے ذہنوں میں پیدا ہوں گے ہمارے لئے اِس سوال کا جواب آسان ہے۔ خالدؓ اُن خوش نصیبوں میں سے تھے کہ جن کو حضور پاکؐ کے "دیدارِ عام" کے علاوہ "دیدارِ خاص" بھی ہو چکا تھا اصل میں اُن پر جنگ اُحدؐ میں بہت کچھ واضح ہو گیا تھا کہ اُن کی جگہ لشکرِ اسلام میں ہے۔ ویسے سب صحابہ کرامؓ کے لئے حضور پاکؐ نے اپنی نگاہ سے اور عملی نمونوں سے عسکری فلسفے اور کئی اور مضامین کے کالج کھول دیئے تھے کسی کو ماہرِ مالیات بنا دیا، کسی کو عالمِ دین، کسی کو جرنیل اور کسی کو ماہرِ تجارت۔ بعض فقیہ تھے اپنی اپنی قسمت تھی جو کچھ کسی کی شخصیت میں سما سکتا تھا وہ عطا ہو گیا پھر حضور پاکؐ نے ایمان کے درجوں کی بھی وضاحت کی کہ ایک ایسا درجہ آتا ہے کہ مومن کے سامنے تمام دنیا جہاں کے علوم ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ کبھی کبھی ہماری نگاہ دِل وجود کو بھی چیر کر پار نکل جاتی ہے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور حضور پاکؐ کی غلامی سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور "دیدارِ خاص" کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری نگاہیں ہمارے توہمات میں الجھ کر رہ گئی ہیں اِس وجہ سے ہم غیروں سے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ہمارے قلب و نظر کی ناپاکی کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالےٰ نے تو ہمیں اِس کائنات کا وارث مقرر کیا تھا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں آفاق (اقبالؒ)

نتائج و اسباق

یہ لڑائی بڑی فیصلہ کن تھی۔ خالدؓ نے ایرانی فوج کو تباہ و برباد کر دیا گو دشمن کے نقصان کے صحیح اندازہ

---

[1] جلال مصطفےٰ صفحہ ۲۰۷ سے استفادہ کریں کہ خالدؓ پر کیا گزری۔

کے بارے مورخین خاموش ہیں۔ بہرحال دشمن کی فوج کی تعداد بیس تیس ہزار کے درمیان تھی جس میں سے چند سو زندہ بچ کر نکل سکے۔

۲۔ گو ہر لڑائی کی فتح بنیادی طور پر تدبیرات کی فتح ہوتی ہیں اور ایسی دو تین فتوحات مل کر حکمت عملی کی فتح قرار دی جا سکتی ہے لیکن ولجہ کی لڑائی بنیادی طور پر حکمت عملی کی بھی فتح تھی کہ جناب خالدؓ نے بہمن کے پہنچنے سے پہلے اندازگر کا قلع قمع کر دیا۔ حکمت عملی (سٹرٹیجی) اور تدبیرات (ٹیکٹکس) کو الگ الگ سمجھنے کے لئے یہ مثال بڑی موزوں ہے۔ زیادہ وضاحت کلاسوٹز کی کتابوں میں ہے۔ جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ ایرانی ویسے بھی اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے جنگ میں مصروف تھے اور جو عرب قبائل اِن علاقوں میں تھے وہ نیم خودمختار تھے۔ اُن کو نظر آ گیا کہ ان کے مالک تبدیل ہو رہے ہیں اور نئے مالک برابری کا اصول جاری و ساری کر دیں گے اس لئے قبائلی سردار فکرمند ہو کر اکٹھے ہوئے کہ مسلمانوں کا سخت مقابلہ کریں۔

۴۔ جن علاقوں کو مسلمان اپنے ماتحت لا چکے تھے وہاں کے لوگ البتہ خوش ہو گئے کہ اسلام میں برابری اور مساوات کے اصولوں کیوجہ سے ان کو اسلام میں کشش نظر آئی اور وہاں کے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۵۔ خالدؓ کی اس کارروائی کا ہنی بال کی کنائی والی کارروائی کے ساتھ موازنہ ٹھیک نہ ہوگا کہ وہ ایک سیدھی سادھی جنگ تھی کہ ہنی بال کے رسالہ نے بازوؤں سے بڑھ کر پہلے دشمن کے رسالہ پر حملہ کر کے اُس کو شکست دی اور پھر ہنی بال کے اشارہ پر دشمن پیدل فوج پر حملہ آور ہوئے۔ ویسے کچھ مبصر عسکری تاریخ میں مشابہت اور موازنہ تلاش کرتے ہیں اور یہ ایک اچھے تجسس والا مطالعہ ہوتا ہے لیکن بقول کلاسوٹز کسی ایک جگہ کے حالات دوسری جگہ کے عین مطابق نہیں ہوتے۔ اس لئے مشابہت کے بجائے اور اصول تلاش کرنا چاہیئے اور اِن اصولوں کو اپنا غلام بنانا چاہیئے ہمارا ایمان ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو کبھی نہیں دہراتی اور ہم مسئلہ آواگون کے قائل نہیں اور وہ لوگ بھی کورو پانڈو کی جنگ یا دوسری جنگوں کو نہ دہرا سکے چنانچہ خالدؓ کے اِس طریقِ کار سے ہمارے لئے بہت سبق اور اصول نکلتے ہیں اور اول سبق یہ ہے کہ وہ کس طرح رازداری کے ساتھ دشمن کے پیچھے پہنچ گئے اور خالی پیچھے پہنچ جانے سے اسی فیصد کامیابی حاصل ہو جاتی ہے ہماری فوج میں ستمبر ۶۵ء سے پہلے اس طریقہ کا بڑا مطالعہ کیا گیا کہ دشمن کے پچھلے علاقہ میں پہنچ کر اُس کی توپوں پر حملہ کیا جائے لیکن افسوس اس میں پیش رفت

نہ ہوسکی اور نہ ہم ستمبر ۶۵ء میں کبھی ایسا عملی طور پر کر سکے ضرورت بڑی اہم ہے لیکن طریق کار بہت مشکل ہے اس کے لئے "کفن پوشوں" کی ضرورت ہوتی ہے اور کم تعداد کے لوگ بنیادی طور پر ایسی کارروائی کرتے ہیں اور اُن کی کامیابی کو آگے بڑھانے کے لئے تدابیرات کو "طول" دیا جاتا ہے یہ بڑا دلچسپ عملی مضمون ہے جس کی مکمل وضاحت یہاں مشکل ہے۔

۶۔ اس جنگ نے اہلِ ایران کی سوچ میں تبدیلی پیدا کر دی۔ بہمن نے آگے بڑھ کر کوئی لڑائی لڑنے کی کوشش نہ کی۔ بادشاہ جو بستر مرگ پر تھا شکست کی خبر سن کر اس دنیا سے جلد رخصت ہوگیا۔

۷۔ بڑا سبق یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان غیرت مند تھے۔ اُن کے ایمان جذبہ جہاد سے معمور تھے وہ مرنا اور مارنا جانتے تھے اور جو قوم مرنا اور مارنا جانتی ہو وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

دسواں باب

امغیشیا اور الیس کی جنگ

مسلمانوں کی تدبیرات اور کارروائی کا جائزہ

نقشہ ششم کو غور سے دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ جناب خالدؓ اپنی منزل مقصود پر پہنچنے والے تھے صرف امغیشیا کا علاقہ باقی تھا۔ یہاں تک بھی جناب مثنیٰ ابن حارث کے قبیلہ کے لوگ پھیلے ہوئے تھے اور وہ نصرانی تھے اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے یہ لوگ بھی کسریٰ ایران کے باجگذار تھے اور دلجہ کی لڑائی میں حصّہ لے چکے تھے اور وہاں سے کچھ لوگ جان بچا کر اپنے علاقہ میں پہنچ گئے تھے۔ یہ زرخیز علاقہ تھا اور باشندے بڑے امیر تھے۔ انہوں نے ایک فوجی چھاؤنی بنا رکھی تھی جس کو چوکی کہتے تھے۔ چوکی کا لفظ فوجی زبان میں ہمارے ہاں بھی عام ہے اس لئے ہم اِس مقام کو اِس کے اپنے نام الیس سے ہی موسوم رکھیں گے اور لشکر اسلام نے عراق کی فتوحات کے سلسلے کی چوتھی جنگ اِس چھاؤنی میں لڑی

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ دلجہ کی لڑائی سے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جو تدبیرات اپنائی گئیں۔ اُن کے تحت گھیرے میں آنے والے دشمن کے قلع قمع میں کافی دیر لگ گئی تھی ویسے تعاقب بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فوری تعاقب جس کے ذریعہ سے فتح کے "عطیات" وصول کئے جاتے ہیں اور دوسرا حکمت عملی کا تعاقب کہ دشمن کو کسی اور اہم جگہ پر قدم جمانے کا موقع نہ دیا جائے لیکن دلجہ کی لڑائی میں مسلمان لشکر کافی تھک چکا تھا اور کاظمہ سے لے کر جنگی حالات کے تحت اتنا لمبا سفر طے کر لیا تھا کہ اب منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے پوری طاقت اور بھرپور وار کرنے کی ضرورت تھی۔

ابلہ اور بصرہ کے علاقوں کی اہمیت

پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب خالدؓ نے حضرت سوید بن مقرنؓ کو ابلہ کے علاقے کا فوجی گورنر بنا دیا تھا اور وہ کچھ فوجی دستوں کے ساتھ حفیر میں تعین تھے۔ دوسری جگہ پر بھی فوجی چوکیاں قائم

تھیں اور اس طرح لشکرِ اسلام کا پھیلاؤ کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا اور اپنی طاقت منتشر ہونے کا خطرہ تھا اس لیے جناب خالدؓ نے تمام فوجوں کو دلجہ میں اکٹھا کیا اور جو علاقے فتح کئے ہوئے تھے اُن کا بندوبست وہاں کے وفادار قبائل کو سونپ دیا گیا۔ نقشہ ششم کو اگر غور سے دیکھیں تو نباج سے حفیر والا راستہ مدینہ سے آمدورفت کے لئے بھی کافی لمبا تھا اور دلجہ پہنچنے کے بعد نباج سے زرود اور شراف والا راستہ نزدیک تھا اس لئے ابلہ کے علاقہ کی اہمیت مسلمانوں کے لئے اور کم ہو گئی تھی۔ اِس میں شک نہیں کہ خلیفہ اول نے خالدؓ کو نچلے علاقہ سے بڑھ کر حیرہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا کہ اِس راستے فوجوں کی کفالت آسان تھی لیکن اب مسلمان زرخیز علاقوں میں پہنچ چکے تھے۔ ویسے مسلمانوں کے لئے حیرہ کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ خلیفہ وقت شام و فلسطین کی طرف بھی پیش قدمی کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ عراق کے محاذ والی فوجیں شام و فلسطین کے محاذ والی فوجوں کے نزدیک ہوں تاکہ بوقت ضرورت دونوں محاذ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں ویسے حیرہ سے سیدھا راستہ مدائن بھی جاتا تھا۔

ابلہ اور حیرہ کے علاقوں کا موازنہ

طبری کی ایک روایت کے مطابق ابلہ کا علاقہ جناب فاروقؓ کے زمانے میں فتح ہوا دراصل جناب ابوبکرؓ کے زمانے میں ابلہ تک علاقہ فتح تو ہو گئے تھے لیکن حکمت عملی کے تحت فارس یا خوزستان کی طرف مزید پیش قدمی نہ کی گئی کہ پہلے حیرہ تک جانا ضروری تھا کہ عراق اور شام کی فتوحات کے تانے بانے ملائے جائیں اس چیز کی مزید وضاحت اور خوزستان کی فتوحات کا ذکر پچیسویں باب میں موجود ہے اس لئے موجودہ ضرورت کے تحت اسلامی لشکروں نے حفیر کے مقام پر جو کی بنائی حفیر کی مسلمانوں کے لئے کچھ وقتی اہمیت تھی مسلمانوں کی حکمت عملی کے لحاظ سے حیرہ اور امغیشیا کو زیادہ اہمیت تھی اس لئے فوجوں کا اجتماع وہاں پر کیا گیا ابلہ اور حفیر کو کم اہمیت دی گئی اور وہاں پر کارروائی دیکھ بھال تک محدود تھی دریاؤں کے سنگم سے خالدؓ نے فوج اوپر بلالی تو ابلہ کے علاقوں پر مسلمانوں کا کنٹرول باقی نہ رہا حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہاں جو کارروائیاں مرحلہ در مرحلہ ہوئیں اُن کا ذکر آگے فتوحات ایران کے تحت آئے گا۔

حیرہ اور امغیشیا کو کئی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی یہ عراقی علاقوں کے نیم خود مختار قبائل کے اہم مرکز تھے کسی زمانے میں یہ علاقے تمدن اور تجارت کے بھی مرکز رہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے عظیم مجاہد حضرت

مثنیٰؓ کے قبیلے کا علاقہ تھا اس لئے اِن قبائل کو اپنے ساتھ شامل کرنا ضروری تھا۔ شام و فلسطین کے محاذ کے ساتھ نزدیک ہونے کے علاوہ اگلے تمام واقعات سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگوں میں حیرہ کے علاقے نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہاں ہی سے مسلمان دومۃ الجندل، انبار اور فراض پر چھا گئے۔ یہاں ہی سے حضرت خالدؓ نے شام کے لئے کوچ کیا اور اسی جگہ کے نزدیک قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو جنگ ہوئی اُس نے ایرانی سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ کوفہ کی چھاؤنی بعد میں اِسی جگہ کے نزدیک بنائی گئی۔

مسلمانوں کی پیش قدمی

ہمارے عظیم مجاہد جناب مثنیٰؓ بن حارث ہر اوّل دستوں کی کمانڈ کر رہے تھے اور گو ولجہ کے بعد فوری تعاقب تو نہ کیا گیا لیکن حکمت عملی کا تعاقب کیا گیا تھا۔ جناب خالدؓ کو خبر مل رہی تھی کہ عرب قبائل آلیس میں مل رہے تھے اور جناب مثنیٰؓ کے گشتی دستوں نے جلد اِس خبر کی توثیق کر دی۔ جناب خالدؓ کو البتہ فکر یہ تھی کہ بہمن جو اپنے کوچ کے دوران ولجہ کی شکست کی خبر سن چکا تھا کہ وہ اُلیس نہ پہنچ جائے۔ بہمن نے یہ خبر سُنی ضرور لیکن اُس نے خود وہاں پہنچنے کی بجائے اپنے ماتحت جرنیل جابان کو اُلیس بھیج دیا اور خود مدائن واپس چلا گیا۔

ایرانیوں کے حالات

بہمن مدائن کیوں گیا؟ اِس کی مؤرخین نے کئی وجوہات بتائی ہیں کوئی کہتا ہے کہ صلاح مشورے کے لئے گیا کوئی کہتا ہے کہ وہ شہنشاہ کا اے ڈی کانگ تھا اور ہر اے ڈی کانگ (ADC) کو بادشاہ کے دربار میں مقررہ دنوں میں حاضری دینا پڑتی تھی وہ اُس دن وہاں گیا تو بادشاہ زیادہ بیمار تھا وہ اُس کی تیمارداری میں لگ گیا یہ سب باتیں صحیح ہو سکتی ہیں لیکن ساتھ یہ بات بھی عیاں ہے کہ وہ موت سے ڈر گیا اور پہلے ایرانی جرنیلوں کے حالات سن کر وہ ذہنی شکست کھا چکا تھا اور جابان کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتا تھا۔ جابان خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا تھا کہ وہ ڈرا ہوا تھا کیونکہ طبری کے مطابق اُس نے اُلیس پہنچ کر اپنے لشکر کو بتا دیا کہ اُس کو کسی سپہ سالار سے اتنی وحشت یا دہشت کبھی نہیں ہوئی۔

اُس دن خالدؓ سے ہو رہی تھی۔ طبری تو ہر قسم کی باتیں لکھتا رہتا ہے لیکن بلاذری اور اصفہانی وغیرہ ۔
طور پر ایران کے پرانے زمانے کی عظمتوں کے بڑے گن گاتے ہیں۔ ہمارے اس زمانے کے مبصر بھی اِن
پرانے مؤرخین کی مدد سے غیر مسلم ایرانی عظمت کے بڑے قائل ہیں وہ جان بوجھ کر جابان کے ان الفاظ
کو گول کر گئے کیونکہ ایسے الفاظ لکھنے کے بعد اُن کا سارا پلاٹ جس پر ان کی تحریر کی بنیاد ہے وہ ختم ہو جاتا ہے
ویسے بھی ابنِ اسحٰق کے انگریز مترجم گلیم کا کہنا ہے کہ بلاذری جو طبری کی وفات سے تیس سال پہلے مر گیا تھا اُس
نے اپنی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں لکھی اور اصفہانی کو تو خیر جانتے ہی کم لوگ ہیں ۔

اللہ کی تلوارؓ

بہر حال مثنیؓ کی زبانی عرب قبائل کے جمگھٹے کی خبر سن کر اللہ کی تلوارؓ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو
گئی۔ حکمتِ عملی کے طور پر جناب خالدؓ کی کوشش تھی کہ جابان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ عرب قبائل
کا قلع قمع کر دیں اور پھر جابان سے نپٹ لیں لیکن جابان وہاں پر اسلامی لشکر سے چند گھنٹے پہلے پہنچ گیا۔
لشکر کی تعداد کے بارے میں مؤرخین خاموش ہیں وہاں پہنچنے پر البتہ ایرانی لشکر کے لئے کھانا تیار کیا گیا
جو ضرور عرب میزبانوں نے تیار کیا ہوگا۔ وہ کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا یا رکھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ور
سپاہ کھانا کھانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ جناب خالدؓ کا لشکر صف بند ہو کر دشمنوں پر جھپٹنے کیسے
پہنچ گیا۔ بازوؤں پر جناب عدیؓ و عاصمؓ ہی تھے ۔ جابان نے اپنے لشکر والوں کو کہا کہ مسلمان اُن کو کھانا
کھانے کی مہلت نہ دیں گے ۔ بہتر ہے کہ کھانا میں زہر ملایا جائے لیکن اہلِ لشکر نہ مانے اور جلدی میں
کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے ایک نوالہ چکھا اور کسی نے دو کہ مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے فضا گونج اٹھی

مسلمانوں کا حملہ

اللہ کی تلوار میدانِ جنگ میں دشمنوں کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں پر ایک وضاحت بھی ضروری
ہے کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ اے خالدؓ ۔ تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک ہو۔ اِس پہلو کو ہم دوسری کتاب
میں یرموک کی جنگ کے بیان میں اور واضح کریں گے ۔

جناب خالدؓ نے ایک دستہ مقرر کیا کہ ان کی پشت کی حفاظت کی جائے اور آپ آگے بڑھے اور انہوں نے

صفحہ ۱۳۴ ا

نقشہ ہفتم

ولجہ کی جنگ کے تین مرحلے

خاکے بغیر سکیل کے
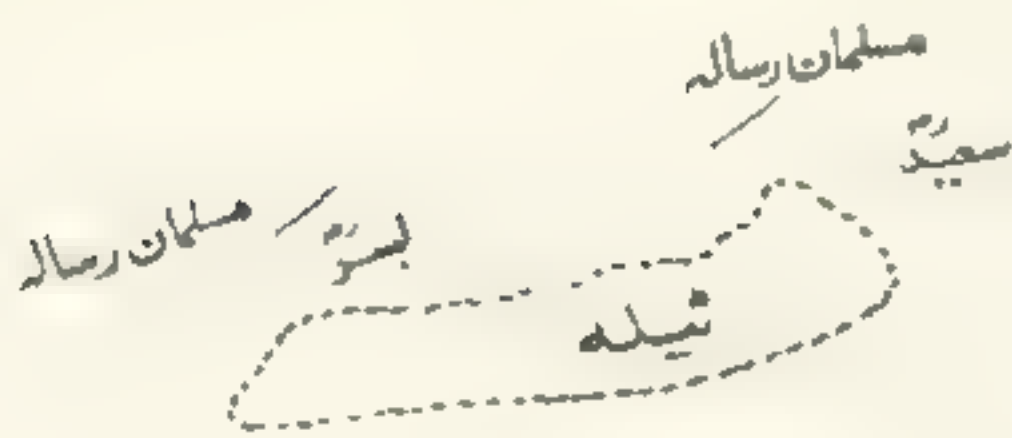
پہلا مرحلہ
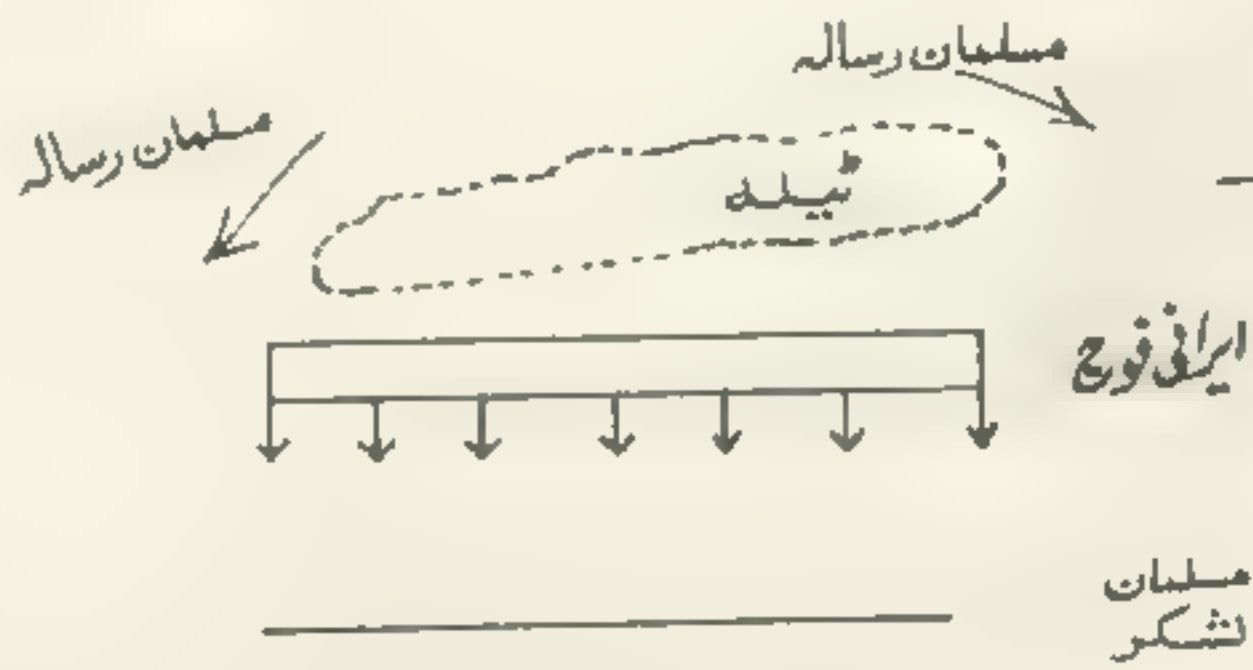
تیسرا مرحلہ
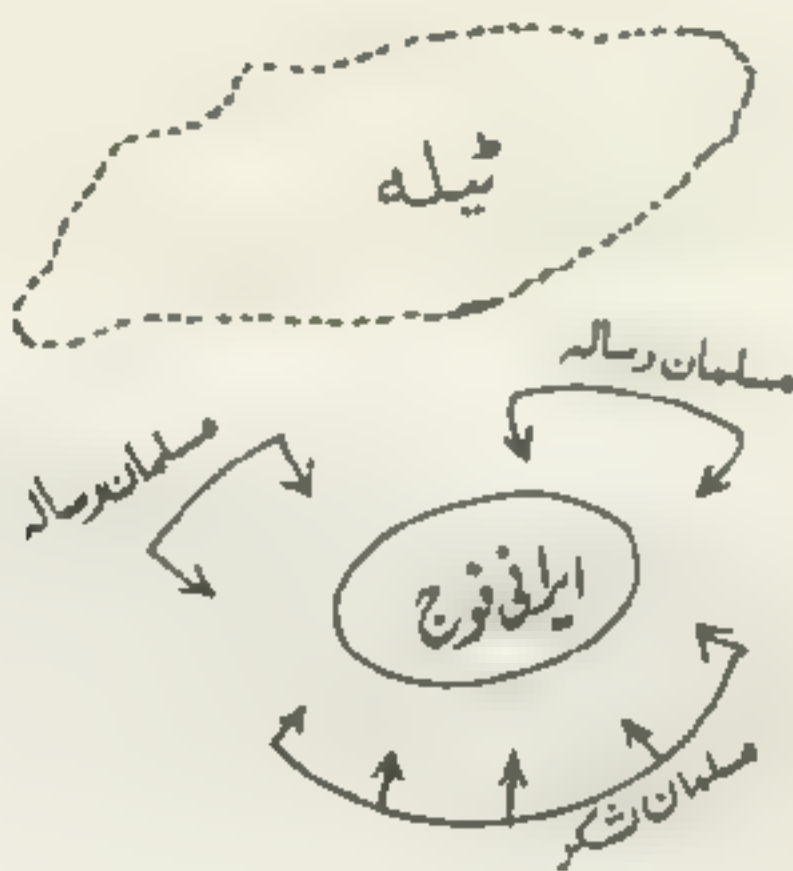
عرب قبائل میں سے دشمنوں کے نام پکار کر اُن کو اپنے مقابلہ میں آنے کی دعوت دی۔ ان میں سے صرف مالک کو آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور جناب خالدؓ نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ بانہ دوسری اسی قسم کی دعوت جناب عدیؓ اور جناب عاصمؓ دے رہے تھے لیکن اُن کے بالمقابل عبدالاسود اور ابجر آگے نہ آئے۔ عرب قبائل یہ سمجھتے تھے کہ جابان پہنچ گیا ہے اور بہمن پہنچنے والا ہوگا اور گو وہ مبارزت کے لئے آگے نہ بڑھے تھے لیکن ویسے ایرانی بہادری سے لڑ رہے تھے۔

خالدؓ نے یہ حملہ بڑی تیزی سے کر دیا تھا۔ صف بندی پہلے ہی سے کر کے کوچ کر رہے تھے دشمن کے سامنے آئے تو سامان اتارنے کا حکم دیا اور فوراً حملہ کر دیا۔ مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کر رہے تھے خالدؓ نے عرب قبائل کو راہِ راست پر لانے کے لئے بڑے پیغام بھیجے تھے لیکن وہ کسی غلط فہمی کا شکار تھے میدانِ جنگ میں جناب خالدؓ کے منہ سے یہ کلمات نکلے "اے رب العالمین یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آ رہے تھے ہم تیرے نام پر خون کی ندیاں بہا دیں گے"۔

اب بات یہ تھی کہ یہ جنگ ربیع الاوّل بارہ ہجری میں ہوئی اور مئی یا جون کا مہینہ تھا۔ گرمی میں خون جم کر کھڑا نہیں ہوتا اور قتل و غارت سے واقعی خون اِن مہینوں میں ایک طرف بہہ نکلتا ہے اِس زمانے کی جنگوں میں پہلے سے زیادہ ہوتا ہے اور پرانے زمانے کی حالت نہیں ہوتی تو کیا واقعی اس جنگ میں مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں سے "خون کی ندیاں" بہہ گئیں؟

مؤرخین و مبصرین کی موشگافیاں

تب ثابت ہے کہ ستر ہزار کفار اس جنگ میں مارے گئے لیکن یہ زیادتی ہے مسلمانوں کا لشکر اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہ تھا اور دشمن کا لشکر کم از کم ایک لاکھ کے قریب ہوتا تو تب ستر ہزار کفار مارے جاتے اور دشمن کے لشکر کی اتنی تعداد کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ "اضافہ" خون کی ندیوں والی بات کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا کہ شاید ستر ہزار آدمیوں کے خون سے ایک ندی بہہ سکی ہوگی۔ اندازہ ہے کہ دشمن کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور مرنے والوں کی تعداد شاید اٹھارہ ہزار ہو۔ ویسے اٹھارہ سے بیس ہزار آدمی بھی ایک محدود جگہ مریں اور ہر آدمی کا تقریباً سیر دو سیر خون بہہ جائے تو یہ بھی پانچ سو سے چھ سو من خون ہو سکتا ہے جو نو دس ہزار گیلن کے برابر ہو سکتا ہے اور اس سے خون کی ندی ضرور بہہ گئی ہوگی۔

مؤرخین نے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے کسی نے لکھا کہ خالدؓ نے قسم اٹھائی کہ فتح کے بعد وہ لوگوں کے سر کاٹ کر خون کی ندیاں بہا دیں گے اور لڑائی ختم جانے کے بعد لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے اور اُن کے سر کاٹتے جاتے تھے لیکن خون چلتا نہ تھا اس لئے پانی چھوڑا گیا کہ خون کو بہا کر لے جائے اور ندی کے پانی کا رنگ سرخ کر دے تاکہ قسم پوری ہو۔ کسی نے لکھا کہ اُس ندی پر آٹا پیسنے والی جو چکیاں تھیں وہ تین دن اسی خون کے ساتھ چلتی رہیں اور خالدؓ کے لشکر کے لئے اتنے من آٹا پیسا وغیرہ وغیرہ یہ افسانے تو نابلد لوگوں کے ہیں لیکن کئی سنجیدہ لوگوں نے بھی اس جنگ کو خونی دریا والی جنگ کا نام دیا اور یہ بھی لکھا کہ لڑائی کے بعد کسی قیدی کو زندہ نہ چھوڑا اور تعاقب میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لایا گیا کہ خالدؓ کی قسم پوری ہو۔

قارئین اندازہ لگائیں کہ لفاظی والوں کو ایک تلمیح مل گئی اور اُس کے گرد اتنی کہانیاں بُن دیں کہ جنگ اُلیس کے تمام واقعات پر پانی پھیر دیا اور حقیقی واقعات پر کچھ بھی نہ لکھا اِسی جنگ کے مقابلے میں یدمہ کی جنگ کو لیں جہاں چودہ ہزار سے سات ہزار آدمی ایاز کے باغ میں مارے گئے تو اس کا نام خونی باغ رکھ دیا گیا لیکن مسلمانوں کے بارہ سو شہداء کا ذکر بھی کیا مگر یہاں پر مسلمانوں کے ایک شہید کا بھی ذکر نہیں اور دشمن کے ستّر ہزار آدمی کے ختم کرنے کا ذکر کیا اس طرح پوری جنگ کو الف لیلیٰ کی کہانی بنا دیا یہی نہیں بلکہ اِس اُلیس کی جنگ کو ایک ایسی جنگ بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جناب خالدؓ سے ایسے الفاظ منسوب کئے گئے جو حضرت خالدؓ کی شان گھٹانے کے مترادف ہے۔

افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جنرل اکرم اور جنرل گلب جیسے مبصروں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا۔ دوسری جنگ عظیم میں راقم نے کئی جگہیں دیکھیں۔ جہاں پر چند سو جاپانی لاشیں پڑی تھیں تو انسان وہاں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ڈوگرئی کے میدانِ جنگ سے بھارتیوں نے تقریباً سات سو لاشیں ہمارے سامنے سے فائر بندی والے دن اٹھائیں جس کے دو سال بعد بھارت کے لوک سبھا میں بڑا پراوپیگنڈا بھی مچا۔ بے شک میدانِ جنگ بڑا بھیانک نظر آتا تھا تو ستّر ہزار لاشوں کا تصور کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

جنگ کے نتائج

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ جنگ بڑی سخت تھی کہ ہم ہر جنگ کے نتائج کا تجزیہ اُس کے اثرات سے کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی شکست تھی جس نے ایرانی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا جا بجا

کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اِس لڑائی کے بعد ایران کی کسی بڑی فوج کو خالدؓ کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی عرب قبائل اس کے بعد خالدؓ کے مقابلہ میں کوئی سخت کارروائی کر سکے یہ ایک بہت بڑی شکست تھی جس سے ایرانی اور دشمن عرب قبائل سہم گئے۔

امغیشیا کی فتح

اُلیس کی جنگ کے نتائج کے طور پر امغیشیا خود بخود فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو الیس اور امغیشیا میں بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا اور جناب خالدؓ نے جندل عُجلی کو مدینہ بھیجا جنہوں نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں پیش کیا اور تمام لڑائی کے واقعات صحیح تفصیل اور پختہ کاری سے سنائے۔ جنہیں سن کر جناب صدیق اکبرؓ بہت خوش ہوئے اور ان سے نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام جندل بیان کیا تو جناب ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم تو "جلندل" ہو یعنی پتھر کی طرح مضبوط اور پختہ۔ یہ واقعہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قاصد یا خبر پہنچانے کا کام ہر آدمی صحیح طور پر نہیں کر سکتا یہ ایک فن ہے۔ اور خداداد چیز ہے۔

ہم اس سے پہلے جو "ایرانی وائرلیس" کا ذکر کر چکے ہیں وہ کچھ افسانہ معلوم ہوتا ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ گو پرانے زمانے میں وائرلیس یا ٹیلیفون نہ تھے لیکن پیغام رساں چنیدہ آدمی ہوتے تھے اور یہ پہلو آج بھی اتنا ہی اہم ہے بہر حال جناب صدیق اکبرؓ جناب جندلؓ سے بہت خوش ہوئے۔ اور آپ نے مالِ غنیمت سے ایک لونڈی ان کو عطا فرمائی۔ میدانِ جنگ کے سپاہی کے لئے یہ ایک بہت بڑا انعام ہوتا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے کہ وہ جانوروں کی طرح جنسی تعلقات کو ختم کرکے ازدواجی رشتے والے راستہ کی راہ نکالتا ہے۔ انہی لونڈیوں اور کنیزوں کے بطن سے بعد میں عظیم مجاہد اور فقیہہ پیدا ہوئے پھر جناب ابوبکرؓ نے مسلمانوں کی اس فتح کی خوشخبری مسجد نبویؐ میں سنائی اور فرمایا "کہ مسلمانو! فتح مبارک ہو۔ ہمیں اسلام کے عظیم فرزند خالدؓ پر فخر کرنا چاہیئے۔ ایسے فرزند بہت کم عورتیں پیدا کرتی ہیں اور بے شک ہمارے سر اللہ کے دربار میں جھک جائیں کہ اُس نے اپنا حبیبؐ ہمارے پاس بھیج کر ہمیں یہ عزت بخشی"۔

جنگ کے نتائج واسباق

خون کی ندیوں والی بات کو مورخین اور مبصرین نے ایک افسانے کا رنگ دے دیا یہ افسوسناک اور

شرمناک پہلو ہے لیکن زیادہ افسوس ہمارے اِس زمانے کے ایک سنجیدہ مبصر پر ہے جس نے اس جنگ کا نام ہی پرانی تاریخوں سے ہٹ کر۔ خونی دریا کی جنگ رکھ دیا۔

ایران کی فوج ذہنی شکست کھا چکی تھی ایرانی لشکر خواہ اس کی تعداد کتنی تھی لیکن وہ مسلمانوں کے اٹھارہ ہزار کے لشکر کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔

۳۔ جنگ میں ایرانی افواج کی زیادہ بہادری والی بات کوئی نہیں۔ اُن کی موت بھیڑ بکریوں والی موت تھی۔ مگر اس کو غلط رنگ دے کر غیر مسلم ایران کی عظمت کو اسلام کے مقابلے یا موازنے کے لئے آگے لانا کسی سازش کے تحت ہی ہو سکتا ہے اور اُن کے کارناموں پر فخر کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہم راجہ داہر یا اننگ پال کے کارناموں پر فخر کریں ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا بھی باعثِ ننگ ہے کیونکہ یہ دل سے مسلمان نہیں ہوتے۔

۴۔ پیش لفظ میں عرض کی گئی تھی کہ اضافوں سے کس طرح تاریخ کو غلط رنگ میں پیش کیا جاتا ہے اس پہلو کو متعدد مثالوں سے جگہ جگہ واضح کیا جا رہا ہے لیکن ایک اصول کو یاد رکھیں۔ مومن کا دل آئینہ ہے۔ اگر آپ مسلمان بنیں تو اسلام کے باغ سے خوشبو ہی خوشبو آئے گی اور غیروں کے فلسفوں میں کوئی برائی نظر آئے گی لیکن اگر آپ کے اسلام کو زنگ لگ گیا ہے تو اِس سے بڑی بدقسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی (اقبالؒ)

۵۔ ہمارے سامنے مثال موجود ہے اٹھارہ ہزار نہتے مسلمان اپنے گھروں سے دور اس وقت کی ایک عظیم سلطنت کی باقاعدہ فوج کو کس طرح تہس نہس کرتے جاتے ہیں اور خود بھی فاتح و غازی ہیں۔ ایک ایک نکتہ پر دھیان دیں۔ تیزی، جلد حملہ، دشمن کو تہس نہس کرنا، قاصد کی پختہ بیانی، دینِ فطرت کے ضابطے، انسانی زندگی کا مطالعہ، حق کو حق کہنا اور ضرورت کو ضرورت سمجھنا، بے شمار اسباق ان جنگوں میں موجود ہیں۔

گیارھواں باب
فتح حیرہ

حیرہ کے حالات

اب وہ منزل نظر آنا شروع ہو گئی تھی جو خلیفہ اوّل نے مقصودی طور پر اللہ کی تلوارؓ کے لئے مقرر کی تھی اور خالدؓ اس کی طرف رواں دواں تھے۔ اسلام متحرک فلسفہ ہے۔ یہ ساکن اور انفعالی کارروائیوں کو پسند نہیں کرتا اور حیرہ والے بھی کسی شک میں نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اب اُن کی باری آچکی ہے اس لئے وہ تیاریوں میں مصروف تھے۔

حیرہ کا عرب بادشاہ برائے نام تھا اور اصلی طاقت ایرانی گورنر کے پاس تھی۔ جس کا نام آزاذبہ تھا۔ یہ پچاس ہزار درہم کی ٹوپی کا مالک تھا اور ایرانی فوج کے حشر سے باخبر تھا لیکن وہ کسی کمک کے سہارے پُرامید ضرور تھا اس لئے عام ایرانی طرز کی "بیٹھی" یا ساکن جنگ کی بجائے اُس نے عرب قبائل سے سیکھے ہوئے طریقوں پر جنگ کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اُس نے تمام لشکر کو شہر سے باہر نکالا اور نہاں پر پوزیشن سنبھالی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے کو حیرہ سے دس بارہ میل دور نیچے بھیجا کہ دشمن پر کڑی نگاہ رکھے اور اگر دشمن کی پیش قدمی کی خبر دریا والے راستے سے ملے تو دریائے فرات کے پانی کو مقر کے مقام کے پاس مکمل طور پر نہروں میں ڈال دیا جائے تاکہ دریائے فرات میں کوئی پانی باقی نہ رہ جائے یہ کام آزاذبہ کے بیٹے نے وہاں پہنچتے ہی کر دیا۔

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

جناب خالدؓ نے جس وقت حیرہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو آپ حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے اور عام فوجی لحاظ سے پیدل فوج والی پیش قدمی کی بجائے انہوں نے کشتیوں کے ذریعے دریا کے بہاؤ کے خلاف اوپر کا سفر شروع کیا وہ ابھی منزلِ مقصود سے دور ہی تھے کہ ملاحوں نے خبر دی کہ دریا میں پانی کی سطح بہت کم ہو گئی ہے اور کشتیاں اوپر نہ جا سکیں گی۔ معاملات کی چھان بین کے بعد پتہ چلا کہ شاید

دشمن نے دریا کا پانی نہروں میں ڈال دیا ہے ورنہ موسم کے لحاظ سے یا کسی اور وجہ سے دریا کا پانی اسطرح کم نہیں ہو سکتا تھا۔

جناب خالدؓ کی کارروائی

بہرحال جناب خالدؓ نے اِس سلسلے میں دشمن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اُن کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے رسالہ کے چند دستوں کو اپنی کمانڈ میں سرپٹ طور پر عقر کے مقام کی طرف دوڑا دیا۔ انہوں نے اچانک چھاپہ مار کر دریا کے پانی کو نہروں سے کاٹ کر پھر دریا میں ڈال دیا اور ایرانی فوجی دستہ کا خاتمہ کر دیا اور پھر جلد ہی ایک جھپٹا اور مارا اور بادقلی کے مقام پر آزاذبہ کے لڑکے اور اُس کے متعدد ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ شاید وہ چوکتے نہ تھے البتہ چند ایرانی جان بچا کر واپس پہنچے اور آزاذبہ کو اُس کے بیٹے کے مرنے اور حالات کی خبر دی۔ اُسی وقت ایرانی کسریٰ ازدشیر کے مرنے کی خبر بھی پہنچی اور آزاذبہ بغیر لڑائی کے وہ جگہ چھوڑ کر فرات کو عبور کر کے بھاگ گیا۔

تبصرہ

پرانی ایرانی تہذیب کے مداح ایک مبصر نے واقعہ کو اِس طرح بیان کیا کہ "آزاذبہ ایران کا سچا اور عظیم سپوت تھا اور حیرہ کے دفاع کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا" لیکن دوسرے صفحے پر جب یہ واقعات سامنے آتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ "بے چارے آزاذبہ کا دل ٹوٹ گیا اس لئے وہ فرات کو عبور کر کے مدائن میں بہن کے پاس چلا گیا" ہمارے لئے عظمت صرف اسلام میں ہے اور لفاظی کے چکروں میں ہم کسی غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے مردہ جسم میں جان ڈال کر اُس کو اسلام کے مقابلے میں لے آنے کو پسند نہیں کرتے۔ کچھ لوگ راجہ داہر یا باطل فلسفیوں کو اجاگر کر کے پتہ نہیں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اگر یہ سب کچھ لاعلمی کے طور پر کیا جا رہا ہے تو ہم اُن کے لئے دُعا کر سکتے ہیں اور اگر جان بوجھ کر کر رہے ہیں تو انہیں سبق سکھانا ضروری ہے۔

جناب خالدؓ کی کارروائی

ظاہر ہے کہ آزاذبہ کے فرار کے بعد حیرہ میں اب عرب قبائل ہی باقی رہ گئے تھے۔ جناب خالدؓ کا ارادہ تھا کہ خورنق اور نجف کے درمیان کہیں پڑاؤ کریں لیکن صورتِ حال کی تبدیلی کی وجہ سے خالدؓ نے سب

سے پہلے اپنے لشکر کے تمام امیروں کو خوانق میں اکٹھا کیا۔ حالات کا جائزہ لیا اور خود آگے بڑھ کر اُس جگہ پڑاؤ کیا جہاں پر حیرہ سے نکل کر آزاذبہ نے پڑاؤ کیا ہوا تھا اور وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ عرب قبائل کے الگ الگ قلعے تھے جن میں وہ قلعہ بند ہو گئے تھے اور جناب خالدؓ نے اپنے لشکر کو حصوں میں بانٹ کر امراء کو اِن قلعوں کا محاصرہ کرنے اور انہیں سر کرنے کی ذمّہ داری سونپی۔

دراصل خالدؓ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے۔ حیرہ کسی زمانے میں بڑا شہر تھا اور ہر لحاظ سے آباد تھا یہ جگہ نجف اشرف سے نزدیک ہے اور اب سنتے ہیں وہاں کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ حضور پاکؐ کے زمانہ میں اکثر مسافروں اور تجارت پیشہ لوگوں نے حیرہ کی خوبصورتی اور لوگوں کے رہن سہن کے بارے میں حضور پاکؐ کی مجلس میں بھی ذکر کیا تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اِس شہر پر چند سال بعد اسلام کے جھنڈے لہرائیں گے۔

کرامة بنت عبدالمسیح

اِسی طرح حضور پاکؐ کی مجلس میں ایک دفعہ حیرہ کے ذکر میں کرامۃ بن عبدالمسیح کا ذکر بھی آ گیا۔ جن کی خوبصورتی اور گھڑ سواری کا ذکر زبان زدِ عام تھا اور وہ "حیرہ کی پری" یا "حیرہ کی بیگم" وغیرہ کے ناموں سے موسوم تھی۔ مجلس میں ایک دفعہ حضرت شویلؓ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔ "یارسول اللہ جب حیرہ فتح ہو جائے گا تو کرامۃ کا کیا بنے گا" حضورؐ مسکرائے اور رحمت اللعالمینؐ کو یہ سادگی اتنی پسند آئی کہ مسکرا کر فرمایا "اُس کو تم لے لینا" آج حضرت شویلؓ کی انتظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اُس کے آقاؐ کے فرمان کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا اور حضورؐ نے جو فرمایا اُس نے ہونا تھا۔ حیرہ پہنچ کر گو سب اہلِ لشکر خوش ہوں گے لیکن حضرت شویلؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

لڑائی والا معاملہ تو ختم تھا "صفائی" والی بات باقی تھی۔ جناب خالدؓ نے حضرت مثنیٰؓ، ضرارؓ بن الازورؓ، ضرارؓ بن المقرنؓ مزنی اور ضرارؓ بن خطاب کو عرب قبائل کے چار قلعوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جناب مقرنؓ کے دس بیٹوں میں سے جناب سویدؓ، معقلؓ، نعمانؓ اور عبداللہؓ کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ آج پانچویں کا ذکر پڑھ رہے ہیں اور آگے چھٹے جناب نعیمؓ کا ذکر پڑھیں گے۔ باقی یا تو چھوٹے تھے یا عام درجے کے مجاہد کر اُن کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ضرارؓ بن خطاب حضرت عمرؓ کے بھائی نہ تھے یہ ایک

اور خطاب کے بیٹے تھے۔

عرب قبائل کے چار سرداروں میں زیادہ مشہور دو ہی تھے۔ اوّل ایاس بن قبیصہ طائی جو برائے نام یا باجگذار بادشاہ تھا اور دوسرا اکرامہ کا باپ عبدالمسیح بن عمر بن بقیلہ جو اکثر ابن بقیلہ کے نام سے مشہور ہے مؤرخین نے ہر قلعہ کے محاصرہ اور الگ الگ قبائل کے سرداروں سے بات چیت کو مفصل طور پر بیان کیا ہے لیکن ہمارا مطالعہ تدبیرات اور حکمت عملی کا ہے وہ کامیاب ہو چکی تھی۔ خوانق پہنچ کر جناب خالدؓ ایک طرح سے حیرہ کو گھیرہ ڈال چکے تھے اور کلاسوٹز نے ایسی کارروائیوں کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے مطابق خالدؓ اپنی مہم اور فتوحات کے "عطیات و ثمرات" وصول کر رہے تھے اور ہمارا جائزہ یہ ہے کہ تمام قبائل کی طرف سے عبدالمسیح ہی نمائندہ بن کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنے کیلئے آیا۔

عبدالمسیح کی "زیرکی"

یہ آدمی دو سو سال بوڑھا تھا۔ نوشیروان عادل کا زمانہ دیکھ چکا تھا۔ کچھ کاہن قسم کا آدمی تھا یا تجربہ کے ذریعہ سے آنے والے واقعات کا ذکر بھی اشارتاً کر دیتا تھا۔ علم الکلام کا ماہر مانا جاتا تھا۔ بڑا حاضر جواب تھا اور فلسفیانہ قسم کی باتیں کرتا تھا۔ تمام مؤرخین نے جناب خالدؓ اور اس کی گفتگو کو لفظ بلفظ لکھا ہے اور اس کی زیرکی اور دانائی کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ جناب خالدؓ نے البتہ تین شرطیں پیش کیں۔ اوّل اسلام لے آؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اگر یہ بھی منظور نہیں تو جزیہ یا ٹیکس دو کہ تمہاری حفاظت کا بندوبست کیا جائے اگر یہ بھی منظور نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی۔ اوّل تو یہ شرطیں سن کر عبدالمسیح کی ساری ذہانت جواب دے گئی کہ بقول علامہ اقبالؒ "فلسفہ جو خونِ جگر سے نہ لکھا جائے اس کی بنیاد کوئی نہیں ہوتی اور عبدالمسیح کا زبانی کلامی فلسفہ تھا۔ لیکن خالدؓ نے اس کو اور زیادہ حیران کر دیا جب آپ نے اس کے خادم کی پیٹی کے ساتھ لٹکی ہوئی تھیلی کو کھولنے کا حکم دیا جس میں ایسا سخت زہر تھا جس کو سونگھنے سے بھی انسان زندہ نہ رہ سکتا تھا اور عبدالمسیح اس تاڑ میں تھا کہ یہ زہر کسی وقت خالدؓ کو بے خبری میں سنگھا دے لیکن خالدؓ کے پوچھنے پر جواب دیا کہ وہ یہ زہر اپنے لئے لایا تھا کہ معاہدہ میں ناکامی کے بعد اس زہر کے ساتھ خودکشی کرے گا۔ یہ بات قابل تسلیم نہ تھی۔ کیونکہ خودکشی کیلئے بڑے وقت موجود تھے لیکن خالدؓ نے اس کو اور ساری مجلس کو حیران کر دیا۔ جب

یہ زہر عبدالمسیح کے خادم سے لے کر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال دی۔ اہنوں کے پاس بھی جناب خالدؓ کو روکنے کا وقت تھا لیکن شاید لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ اللہ کی تلوار پر دشمن یا باطل کا کوئی حربہ اثر نہ کرسکتا تھا اور جناب خالدؓ نے اس کا ثبوت پیش کر دیا۔ مکمل وضاحت دوسری کتاب کے گیارہویں باب میں ہے۔

عبدالمسیح کی زیرکی کو کافی دھچکا لگ چکا تھا۔ وہ تو نوشیرواں عادل جیسے بادشاہ کے دربار میں اپنی زیرکی کی داد لے چکا تھا اور عام ایرانی ارباب اقتدار، تو اس کی دانائی سے مرعوب تھے لیکن یہاں اہلِ حق کے سامنے اس کی تمام تر دانائی خس خاشاک ہو رہی تھی اور جو تھوڑی سی کسر باقی تھی، وہ جنابؓ شویلؓ نے پوری کر دی۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت خالدؓ کو حضور پاکؐ کا فرمان یاد دلایا خالدؓ حیران تو ہوئے لیکن اپنے آقاؐ کا فرمان سن کر خالدؓ پر رقت طاری ہو گئی اور عبدالمسیح کی ذہانت نے بھی ضرور جواب دے دیا ہوگا اور اس کی رہی سہی زیرکی مٹی میں مل گئی ہوگی۔ معاہدہ سے تو کچھ حاصل ہو گیا ہوگا لیکن عبدالمسیح سب کچھ کھو بیٹھا، کہ اپنی لڑکی کرامۃ کو حضرت شویلؓ کے حوالے کرنے والی بات کو معاہدہ میں شامل کرنا پڑا۔ باقی معاہدہ جزیہ تک محدود تھا۔

حضرت شویلؓ والا معاملہ بھی ہمارے آقاؐ کی شان کی یاد دہانی تھی ورنہ کرامۃ کی عمر اس وقت اسّی برس ہو چکی تھی اور حضرت شویلؓ کو ہمارے آقاؐ کی فرمائش کے مطابق وہ مل ضرور گئی لیکن پہلے باب میں ہم نے صحابہؓ کی شان بیان کرتے وقت صحابہ کی سادگی کا بھی ذکر کیا اور جناب شویلؓ کا بھی۔ چنانچہ آج کے دن انہوں نے اس سادگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ کرامۃ جناب شویلؓ سے کہنے لگی کہ وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے۔ جناب شویلؓ اس کا ہدیہ لے لیں۔ جناب شویلؓ کو بات پسند آئی فرمایا "ایک ہزار درہم سے کم نہ لوں گا"۔ کرامۃ بڑی مکار تھی اور حضرت شویلؓ کی سادگی سے واقف ہو چکی تھی۔ بڑے حیلوں کے بعد ایک ہزار درہم دے دیئے تو جناب شویلؓ نے اس کو آزاد کر دیا۔ جب لشکر والوں نے پوچھا تو حضرت شویلؓ نے ساری کہانی بڑی سادگی سے بیان فرمائی۔ اہلِ لشکر ہنس دیئے۔ کہ جناب شویلؓ کے خیال میں ہزار درہم زیادہ رقم ہو بھی نہ سکتی تھی۔

تبصرہ

اس تمام واقعہ کے بہت سے پہلو ہیں۔ حق کے سامنے باطل سرنگوں ہے۔ حق کا فلسفہ خونِ جگر سے لکھا جاتا ہے۔ اس کے سامنے باطل کی ذہانت، شہرت یا عزت کوئی بھی چیز کچھ معنی نہیں رکھتی لیکن یاد رکھیے کہ اسلام کا فلسفہ یا نظریہ اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے کہ تلوار اپنے پاس ہو اور عسکریت اس فلسفہ کا اوڑھنا بچھونا ہے ورنہ اسلام بھی بے جان فلسفہ رہ جائے گا۔ جلال مصطفےؐ کے ہر باب میں اس پہلو کی وضاحت کر دی گئی ہے اس لئے ہمارے دانشوروں اور ادیبوں کو چاہیئے کہ اسلام کے جاندار فلسفہ کو اجاگر کریں اور محض امن پسندی کے نعروں سے قوم کو مردہ نہ کر دیں۔ بے شک مسلمان فتنہ پسند نہیں کرتے اور امن پسند ہیں لیکن امن کو جاری وساری کرنے کے لئے اپنے پاس تلوار ہونی چاہیئے۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرے گا پھر ہماری مدد کیوں نہیں کرتا ہمارا اسلام منافقانہ اور زنگ آلود ہے۔ آؤ مل کر اصلی اسلام کو تلاش کریں ہم فریب خوردہ ہیں اور ہم شاہبازی سے بے خبر ہیں۔ اللہ ہمیں جذبہ جہاد اور ایمان و یقین عطا فرمائے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی (اقبالؒ)

نماز فتح

طبری نے اس فتح کے بعد آٹھ رکعت نماز فتح کا ذکر کیا ہے کہ تمام رکعت ایک ہی سلام سے ادا کی گئیں یہ نماز شکرانہ تھی۔ آٹھ رکعت والی بات عجیب لگی ہوگی ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے نماز کے فلسفہؔ کو سمجھنے کی کوشش کی نہیں۔ حضور پاکؐ نے فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور بعض روایات کے مطابق تکبیریں کہیں۔

مدائن کی فتح کے بعد جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی نماز فتح ادا کی جس کا ذکر آئے گا۔ نماز باجماعت ادا کی گئی کیونکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان نماز باجماعت کے سوا باقی تمام نمازوں کو صرف عبادت کا نام دیتے تھے اور مجبوری کی حالت میں ایسا کرتے تھے ورنہ نماز قائم تو تب ہوتی ہے جب باجماعت پڑھی جائے۔

لے: جلال مصطفےؐ کے صفحہ ۱۵ اور ۱۹ سے استفادہ کریں۔

فتح حیرہ

مسلمان سب کچھ اللہ کے لئے کرتا ہے اور خالدؓ کو جو ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ حیرہ پر قبضہ کے بعد ختم ہو جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ اس باب کو فتح حیرہ کا نام دیا گیا ہے جیسے جلال مصطفےٰؐ میں صرف ایک باب کو اہلِ حق کی فتح کا نام دیا گیا تھا اور وہ فتح مکہ ہے۔ ہر لڑائی کو اسلام نے فتح کا نام نہیں دیا اور حکمت عملی کے مبصروں نے یہ پہلو اب آکر سمجھا ہے کہ کئی لڑائیاں مل کر کوئی فتح ہو سکتی ہے فتح مقصد حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے اور جو کام کسی کو سونپا جائے اُس کو مکمل کرنے کے بعد ہی فتح کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ فتح کے بعد اللہ کا دربار میں عاجزی کی جاتی ہے اور اسلام جشن منانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور پاکؐ بھی فتح مکہ کے وقت جشن مناتے یا مسلمان بھی کسی فتح کے بعد تو جشن مناتے۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کچھ حاصل کر کے عاجزی کے ساتھ اللہ کے دربار میں جھک جاتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ہم بھی شکرانے کے سجدے پر قائم رہتے اور اس کے فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو ہماری آج یہ حالت نہ ہوتی

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبالؒ)

مسلمانوں کے ذمیوں کے ساتھ معاہدے

ہم اللہ کی تلوارؓ اور مسلمان مجاہدینؓ کی خدمت میں پھر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ حیرہ کے لوگوں کے ساتھ معاہدے کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے سب معاہدوں کے الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اُن کی بنیاد اُن تین شرطوں پر ہوتی ہے۔ اسلام، جزیہ یا تلوار۔ اول یہ کہ آیئے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور بین الاقوامی دنیا جس وحدت کی آج تلاش میں ہے۔ ہمارے آقاؐ اس طرز تمدن اور فلسفہ کی نشاندہی آج سے چودہ سو سال پہلے فرما چکے ہیں۔ دوم اگر یہ منظور نہیں تو ٹیکس ادا کرو کہ تمہارے اوپر حکومت کا بندوبست کیا جائے اور آج دنیا کی سب حکومتیں اپنی رعایا سے ٹیکس لے رہی ہیں۔ مسلمان اللہ کے احکام جاری کرنے کے لئے ذمیوں سے جزیہ (ٹیکس) لیتے تھے اور اس بدلے میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری

لیتے تھے اس بنیادی وضاحت کے بعد آئندہ بھی جہاں معاہدہ کا ذکر آئے وہاں پر اِن بنیادی باتوں کو ذہن میں رکھیں اور تلوار آخری شرط ہے۔

اردگرد کی صفائی

ہاں البتہ اِن حالات میں صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صفائی دور دور تک کرنی پڑتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے اردگرد صاف ستھرا ماحول ہو اور اِس صفائی کی تفصیل یہ ہے۔ جناب مثنیٰؓ، قعقاعؓ، بسرؓ بن ابی رحم، عتبہؓ بن النہاس اور تینوں ضرارؓ جن کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے کے ماتحت سات لشکر مقرر کئے گئے جناب خالدؓ نے ربیع الاوّل ۱۲ ہجری میں حیرہ فتح کیا تھا اور دو ماہ سے بھی کم عرصہ یعنی ربیع الثانی کے آخر تک اِن مجاہدین نے دریائے فرات اور دجلہ کے درمیان والا سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اِن امرار کا اپنا قیام آگے والی چوکیوں میں ہوتا تھا لیکن اِن کے لشکر کئی متحرک دستوں میں بٹے ہوئے تھے اور جگہ جگہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام بلند کرتے پھرتے تھے اور عراق کی سرزمین کلمہ شہادت کی صدا سے گونج رہی تھی۔

سول انتظامیہ

حیرہ کے گردونواح اور فوجی چوکیوں کے نچلے اور درمیانے علاقہ میں جناب خالدؓ نے جگہ جگہ عامل مقرر فرمائے۔ حضرت سویدؓ بن مقرنؓ کو عقر بھیجا جو اب بھی اُن کی نسبت سے سوید عقر کے نام سے مشہور ہے۔ عبداللہؓ بن وثیمہ کو فلالیج کا عامل مقرر فرمایا اور عظیم صحابی جریرؓ بن عبداللہ بجیلہ کو بالقیا اور باسما پر مقرر فرمایا۔ اُط بن ابی اُط کو روزمستان کے علاقہ میں بھیجا گیا انہوں نے ایک نہر کو اپنا مستقر بنایا جو آج تک نہر اُط کہلاتی ہے۔

جناب خالدؓ کا اہل فارس کے نام پیغام

مفتوحہ علاقہ اور اِردگرد کی صفائی کے بعد جناب خالدؓ نے اہل فارس کے امرائے حکومت اور متعدد قبائل کے سرداروں کو خط لکھے۔ اِن تمام خطوط کا بنیادی مضمون وہی تھا جو ہم بیان کر چکے ہیں

دینِ فطرت میں اصول وہی رہتے ہیں. خالدؓ نے سب کو اسلام کی دعوت دی اور بھائی بھائی بننے کے فلسفہ کی وضاحت کی اگر یہ بھی منظور نہیں تو ہماری عملداری میں آجاؤ۔ ہم اِن علاقوں میں اپنے خالق کے احکام کو جاری وساری کریں گے اور یہ بھی منظور نہیں تو تیار ہو جاؤ۔ ہم آپ کے سامنے ایسی قوم لے آئے ہیں جو موت کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے جتنی تم لوگ زندگی سے محبت کرتے ہو'' خطوں میں ایک دو الفاظ کا فرق ہو سکتا ہے۔ خط لکھتے وقت انسان کے اُس وقت کے مزاج کے مطابق لفظ نکلتے ہیں جو بیں گاہے بگاہے تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن مسلمان کے اصولوں اور عقائد میں تبدیلی نہیں آتی اس لئے ہر خط کے مضمون کو دہرا کر ہمارا مقصد کتاب میں چند صفحوں کا اضافہ کرنا نہیں۔ ہماری دلچسپی تو با مقصد تحریر سے ہے۔

نتائج و اسباق

پہلے یمامہ کے صحرا سے نکل کر نباج ہوتے ہوئے حفیر پہنچ کر پھر حفیر اور کاظمہ کے درمیان "متبادل" یا "متوازی" کوچ کیا پھر ایک اچانک جھپٹا کاظمہ کے مقام پر اِس طرح مارا کہ پہلے ہی وار میں باطل تہس نہس ہو گیا پھر صحرا سے آگے بڑھتے ہوئے دریا پر ایسے ٹھوکر ماری کہ ثنی اور مذار کے مقامات پر ذوقِ خدائی والوں کا بول بالا ہو گیا۔ پھر صحرا کو دوست بنا کر دریا کے ساتھ متحرک رہے اور ولجہ کے مقام پر حرکت کا گھیرا بنا کر دنیا کے سامنے جنگ کی تدبیرات کا ایک نیا طریقہ کار پیش کیا. جو آج تک رائج ہے اور رائج رہے گا. رہی سہی کسر اُلیس کے مقام پر نکال دی جہاں "خون کی ندیاں" بہہ گئیں لیکن غلطی دشمن کی تھی اپنی برتر تعداد کی وجہ سے کھانے میں مشغول یا لنگر پر "کرمکوں" تھے۔ فتح تو اس دن حاصل ہو گئی تھی لیکن دریاؤں کے دل چیر کر حیرہ پہنچنا تھا اور دنیا کے دوسرے عظیم تر سپہ سالارِ اعظم اور جنگ کے ماہر جناب صدیق اکبرؓ کی حکمت عملی کے کئی مرحلوں میں سے "ایک مرحلہ" کو مثبت کارروائیوں سے پورا کر کے نمازِ شکرانہ یا نمازِ فتح بھی ادا کر چکے تھے۔

۲۔ اہلِ حق کا قافلہ رواں دواں تھا اور "صفائی کی مہمات" بھی شروع کر دی تھیں لیکن جناب خالدؓ نے اپنا ہیڈ کوارٹر حیرہ ہی میں رکھا۔ دریاؤں کے درمیان والے زرخیز علاقہ میں کیوں پیش قدمی نہ کی۔

مدائن پر کیوں حملہ آور نہ ہوئے۔ دریائی علاقہ میں اپنی کارروائیوں کو صرف متحرک رکھا لیکن علاقوں پر قبضہ نہ کیا۔ یہ خلیفہ اوّلؓ کی حکمت عملی کے راز تھے۔ اُس وقت تک مسلمان سب کارروائیاں اپنے "دوست صحرا"، کی مدد کی آڑ میں کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا مقصد اسلام پھیلانا تھا۔ وہ علاقے فتح کر کے دولت نہیں سمیٹنا چاہتے تھے۔ وہ مال غنیمت سے مکہ یا مدینہ میں محل تعمیر نہ کرانا چاہتے تھے وہ وہاں پر ایسے تاج محل بھی نہیں بنانا چاہتے تھے جیسے اہلِ یورپ نے دنیا کو لوٹ کر وہاں بنوائے ہیں۔ خلیفہ چہارم کے زمانے تک مسجد نبوی بھی کچی تھی اور وہی کھجور کی چھت تھی ہاں کچھ وسعت ہو گئی تھی۔

۳۔ یہ نکتے سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں جنگ کا مقصد زرخیز زمین اور علاقوں پر قبضہ نہیں ہوتا۔ ایسا کیا بھی جائے تو وہ وقتی حکمت عملی کے تحت ہوتا ہے۔ ابلہ کی مثال دی جا چکی ہے۔ سارا مقصد اسلام کو پھیلانے کی حکمت عملی میں پنہاں تھا۔ اُسی زمانے میں اسلام کی فوجیں شام و فلسطین کی سرحدوں پر بھی جمع ہو رہی تھیں اور خلیفہ وقت کی حکمت عملی یہی تھی کہ خالدؓ حیرہ سے آگے بڑھ کر انبار، عین التمر، دومۃ الجندل وغیرہ کی طرف اُن علاقوں میں اللہؐ اور رسولؐ کا نام بلند کریں تاکہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں اور اگلے بابوں میں انہی کارروائیوں کے مختصر ذکر ہوں گے اور نقشہ ہشتم کا ساتھ مطالعہ کرتے رہنا۔

۴۔ باطل کے فلسفہ والوں کے پاس فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا اور آج تک اہل مغرب کے جنگی ماہر اور مبصر اِس بھنور سے نہیں نکل سکے لیکن دینِ فطرت کی بامقصد جنگ کے ذریعہ اہلِ حق کا قافلہ رواں دواں ہے اور نتائج کے اثرات اور اثرات کے نتائج پر کارروائی کی جاتی ہے یا کارروائی کو آگے بڑھایا جاتا ہے اس لئے نتائج کو محدود نہیں کیا جا سکتا اور اہلِ بصیرت پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور نتائج میں اضافے کرتے رہیں گے اور یہی حالت اسباق کی ہے۔

۱۔ حیرہ کی فتح اور تمام مہم کی کامیابی سے ہمیں متعدد سبق ملتے ہیں جن کی نشاندہی ساتھ ہی ساتھ کی جاتی رہی ہے لیکن آپ لوگ فوجوں کی تعداد اور مسلمانوں کے ہتھیاروں پر نظر ڈالیں آگے اس کا دشمن کی تعداد اور ہتھیاروں سے موازنہ کریں اور پھر جائزہ لیں مانا کہ ایران کی حکومت زوال پذیر تھی لیکن فوج میں اُس وقت تک کچھ نہ کچھ حربی خوبیاں موجود تھیں۔ انہوں نے لڑائی بھرپور طریقہ سے کی اور اگر مرنے والوں کی تعداد کو ذہن میں رکھا جائے تو یاد رکھیں کہ لڑائی میں مرتا وہ ہے جو لڑتا ہے اور اِس میں ہمارے لئے سبق ہیں

ب:۔ اس سبق کی تفصیل میں جائیں کہ بھاری بھرکم ایرانی فوج جو خوب لڑی اور تعداد میں بھی برتر تھی وہ کم طاقت اور نہتے مسلمانوں سے شکست کیوں کھا گئی؟ جواب اپنے دل میں تلاش کریں۔ موٹی موٹی وجوہات یہ ہیں مسلمانوں کا اپنے فلسفہ حیات پر عمل، بہتر حکمت عملی، بہتر تدبیرات، بہتر سلیقہ، بہتر ہنر اور بامقصد جنگ ہے۔

ج:۔ ہم اس سے کیا سبق سیکھ سکتے ہیں یہ وسیع مضمون ہے۔ بنیاد البتہ موجود ہے کہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔

"عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے" (اقبال)

بارہواں باب

انبار، کلوازی اور عین التمر کے واقعات

پچھلے باب میں حیرہ کی فتح کے نتیجے کے طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ ایرانی فوج شکست کھا چکی تھی. مسلمانوں نے مدائن کا رُخ نہ کیا کہ اُن کی حکمت عملی کے لحاظ سے اُس کا وقت نہ آیا تھا اور خلیفۂ اوّل کے احکام سے اِس حکمت عملی کی نشاندہی ہوتی ہے تو قدرتی بات ہے کہ جناب خالدؓ نے اب شمال کا رُخ کیا۔ دریائے فرات کے عرب والی طرف دشمن کو چوکیوں کو ختم کرنا تھا اور فرات کے دوسری طرف اگر کوئی اہم مقام ہو تو اُس پر بھی قبضہ کرنا تھا۔

جناب خالدؓ کی تجویز

نقشہ ہشتم کو غور سے دیکھیں تو متعدد شہر دریائے فرات کے مغرب کی طرف نظر آ رہے ہیں۔ اِن میں نزدیک ترین عین التمر ہے۔ باقی چھوٹی چھوٹی چوکیاں ہیں۔ حصید، خنافس اور ذمیل وغیرہ۔ ذرا دور انبار ہے اور دریا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ جناب خالدؓ کی جنگ کی تدبیرات میں اُن کا اپنا طریقہ ہوتا تھا۔ نزدیک سے عین التمر کے مقام سے دشمن کو "ادھیڑنے" کی بجائے جناب خالدؓ نے دور انبار جا کر دشمن کو اکھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایسی کارروائی کے لئے انگریزی میں بھی اصطلاحیں ہیں کہ ROLL... FORWARD یا ایک طرف سے دشمن کو "رول" کرنا یا "ٹرننگ" وغیرہ لیکن ہم نے جو اردو کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ نقشہ کو دیکھ کر آپ اِن فوجی اصطلاحوں کے وسیع تر معانی میں بھی جا سکتے ہیں

طریق کار کی افادیت

انبار کو پہلا ہدف بنانے میں بڑے فائدے تھے اور حالات ایسے تھے کہ "اکھیڑنے" کی کارروائی ...
تھی ورنہ عام حالت میں "ادھیڑنا" ہی بہتر رہتا ہے۔ جس طرح جناب خالدؓ نے ثنی سے آگے ...

حیرہ تک کارروائی کی اُسے ادھیڑنا کہیں گے۔ انبار اُس زمانے میں تجارتی مرکز تھا۔ تمام ایران کے دور دور علاقوں سے تجارتی قافلے وہاں آتے تھے۔ اور اُس جگہ پر قبضہ کرنے کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں ایرانیوں کے لیئے فوجی چوکیاں قائم کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور ایسے ہی ہوا علاوہ انبار دریا سے دور بھی نہ تھا اور جناب خالدؓ اپنے آپ کو دریائی جنگ میں اُلجھا رہے تھے۔ دسیع علاقہ تھا کسی جگہ سے دریا کو پار کر کے انبار کی کسی طرف سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔

انبار کی طرف پیش قدمی

جناب خالدؓ نے کچھ فوج کو حیرہ میں رکھا اور جناب قعقاعؓ کو وہاں پر اپنا جانشین چھوڑا مشرق میں گشتی دستے پھیلے ہوئے تھے اور مدائن تک ایرانیوں کی تمام کارروائیوں پر حضرت مثنیؓ نظر رکھے ہوئے تھے۔ جناب خالدؓ نے دریا کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔ جون کا مہینہ تھا۔ اور اسلامی کیلنڈر کے حساب سے ربیع الثانی ۱۲ ہجری تک کے درمیان کی کوئی تاریخ تھی۔ ایسے موسم میں ریگستان میں سفر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دریا سہارا دیئے رہا تھا اور اپنا "دوست" ریگستان بھی ساتھ بائیں بازو پر موجود تھا۔ انہوں نے انبار سے تھوڑے فاصلہ پر نیچے دریا کو عبور کیا۔ فوج کی تعداد کوئی نو ہزار کے قریب ہو گی اور اتنی ہی فوج حیرہ اور باقی چوکیوں پر چھوڑ دی گئی تھی۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ انبار سے ایک دن کی منزل پر تھے تو کئی اونٹنیوں نے بچے دے دیئے۔ اقرعؓ بن جابس جو ہراول دستوں کے کمانڈر تھے وہ وقت ضائع نہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اونٹنیوں کے بچوں کو اونٹوں پر لاد دیا جائے اور اپنا سفر جاری رکھا جائے۔ اہلِ انبار نے جب دور سے یہ نظارہ دیکھا تو وہ سکتے میں آ گئے۔

انبار کے حالات

انبار میں ایران کی طرف سے فوجی گورنر سباط کا رئیس شیرزاد تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ بڑا عقلمند معزز اور ہر دلعزیز آدمی تھا اور دانائی میں مشہور تھا۔ اُس نے جب یہ نظارہ دیکھا تو پہلے ہی کہہ دیا کہ اِس طرح کی کارروائی وہ لوگ کرتے ہیں جو جان کی بازی لگا کر آتے ہیں لہٰذا وہ پہلے ہی صلح پر تیار

ہو گیا۔ خالدؓ جب انبار کے نزدیک پہنچے اور دیکھ بھال کی تو وہاں پر اُن کو صرف ایک رکاوٹ نظر آئی اور وہ ایک ایسی خندق تھی جو قلعہ کے چاروں طرف کھودی گئی تھی اور اُس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ہم اُس کو کھائی کہیں گے۔ پرانے زمانے میں دریا کے نزدیک کے مقامات کا دفاع اسی طرح ہوتا تھا۔

جنگ سے نابلد لوگ

جناب خالدؓ نے انبار کے چاروں طرف چکر لگایا اور اپنے لشکریوں کو آگاہ کیا کہ انبار کے لوگ جنگ سے بالکل نابلد نظر آ رہے تھے۔ ظاہر ہے جناب خالدؓ جیسے جنگی ماہر ایک نظر میں سب کچھ بھانپ گئے۔ اِس شہر کا حدود اربعہ اور محلِ وقوع ایسا تھا کہ عرصہ سے متحارب گروپوں یا فوجوں کے لیئے اِس میں کوئی کشش موجود نہ تھی کہ مقناطیس کی طرح فوجوں کو اپنی طرف کھینچتا رہتا اور وہاں لوگ گتھم گتھا ہوتے رہتے یعنی عراق اور شام کی سرحدوں کا یہ علاقہ سوئزرلینڈ کی طرح تھا۔ یا پاک و ہند برصغیر کا کشمیر اس شہر کے لوگ قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اسلامی لشکر کو اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح کوئی بارات کو دیکھتا ہے۔ جناب خالدؓ نے ایک ہزار تیر اندازوں کو ترتیب دیا اور ہر آدمی کے لیئے ایک ہدف مقرر کیا اور حکم ملا کہ "فائر بائی آرڈر" ہو گا اور شست دشمن کی آنکھ پر ہو گی۔ جناب خالدؓ نے اشارے مقرر کیئے اور ایک ہی اشارے کے ساتھ ایک ہزار تیر اکٹھے نکلے جن میں سے زیادہ تر نشانے پر بیٹھے اور انبار کے سیکڑوں آدمی ایک آنکھ سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یہ جنگ اِسی وجہ سے "ذات العیون" کے نام سے بھی مشہور ہے لوگ جلدی سے قلعہ کی اوپر والی دیوار سے نیچے اترے۔ شیرزاد نے یہ حالات دیکھ کر صلح کی درخواست کی لیکن شرائط چونکہ مسلمانوں کے اصولوں پر پوری نہ اُترتی تھیں اس لئے جناب خالدؓ نے نامنظور کر دیں

مذبوحہ جانوروں کا پل

بہرحال قلعہ کو سر کرنے سے پہلے کھائی یا خندق کو پار کرنا ضروری تھی۔ مسلمانوں میں تیراک بھی کم تھے اور کشتیاں بھی موجود نہ تھیں۔ جناب خالدؓ نے کمزور اور بوڑھے اونٹوں کو ذبح کر کے خندق کی ایک تنگ جگہ میں پھینک دیا اور مسلمانوں نے کھائی کو پار کر لیا جو دشمن سامنے آتا تھا وہ مولی گاجر کی طرح کٹ جاتا تھا کیونکہ لوگ لڑائی کے فن سے پورے طور پر واقف نہ تھے۔ شیرزاد نے پھر درخواست

کی کہ چند سواروں کیساتھ بغیر کسی سامان کے اُس کو قلعہ سے نکل کر مدائن جانے کی اجازت دیجائے شیرزاد برائے نام "شیر کا بچہ" تھا۔ اُس کے پاس دانائی تو تھی "توانائی" نہ تھی۔ جناب خالدؓ نے اُس کو قلعہ سے نکل کر مدائن جانے کی اجازت دے دی۔ اِس میں حکمت عملی کی بات یہ تھی کہ مدائن میں خوف و ہراس پیدا ہوگا اور بغیر لڑائی کے انبار خالی ہو جائے گا۔ شیرزاد جب بہمن کے پاس پہنچا تو اُس نے اُس کی سخت بے عزتی کی لیکن بہمن خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے کترا رہا تھا۔ اس لئے شیرزاد کو بھی جواب دینے کی ہمت ہوگئی پھر اُس کے پاس بہانہ بھی تھا کہ انبار کے لوگ لڑاکے نہ تھے۔

صلح کا عہد نامہ

انبار کے تمام قبائل نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اہلِ کلوازی، اہلِ بوازیخ اور بانقیا کے نزدیک والے علاقوں کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی بلکہ اہلِ بالقیا اور اہلِ بوازیخ تو مسلمانوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ بعد میں جب مسلمانوں کو یہ علاقے خالی کرنا پڑے تو پھر بھی یہ لوگ وفادار رہے۔ اہلِ سواد کے جو علاقے ادھر نزدیک تھے وہاں کے لوگوں نے بھی مسلمانوں کو خراج دینا منظور کیا۔

عین التمر

جناب خالدؓ نے انبار کے علاقے پر جناب زبرقانؓ بن بدر کو ناظم مقرر کیا اور پھر واپس کوچ کیا اور دریائے فرات کو عبور کر کے کچھ عرصہ کے لئے دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے جب عین التمر کے سامنے آئے تو پھر اپنا رُخ ادھر پھیر دیا وہاں کا ایرانی فوجی گورنر مہران بن بہرام تھا اور فرات کے مغرب کی طرف یہ آخری بڑی چوکی تھی جہاں ایرانی فوج تھی اور خالدؓ اِس کو "اکھیڑ نے" کے لئے رواں دواں تھے وہاں کئی عرب قبائل تغلب، نمر اور ایاد وغیرہ آباد تھے جن کا سردار عقہ بن ابی عقہ تھا جو کافی بہادر آدمی تھا۔ وہ مہران سے کہنے لگا کہ مسلمانوں کا تعلق عرب قبائل سے ہے اور عقہ کے عرب قبیلے مسلمانوں کے طریقہ جنگ کو جانتے ہیں اور ایرانی نہیں جانتے اس لئے عربوں کو اجازت دی جائے کہ وہ مسلمانوں سے نپٹ لیں۔

مہران بڑا خوش ہوا اور عقہ کی دلجوئی کی گو اُس کے باقی ساتھی حیران تھے۔ مہران نے البتہ اپنے لوگوں

کو بتایا کہ اگر عقہ کامیاب ہو گیا تو وہ ایران کی کامیابی ہے اور اگر ہار بھی گیا تو مسلمانوں کا کچھ نہ کچھ تو نقصان کرے گا اور بعد میں ایرانی فوج آسانی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرے گی۔ یہ تجزیہ اصولی طور پر غلط ہے۔ بقول کلاسوٹز ایسا کرنا چیتھڑوں سے تلوار کا کام لینا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہران ذہنی طور پر شکست کھا چکا تھا۔ جناب خالدؓ کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ عین التمر سے ایک دن کی منزل پر اُن کے مقابلہ کے لئے صرف عرب قبائل صف آرا ہیں اور کوئی ایرانی نظر نہیں آ رہا تھا

عقہ کی گرفتاری

جناب خالدؓ نے اندازہ لگایا کہ ایرانی جنگ سے کترا رہے ہیں یا بھاگ چکے تھے اور عرب قبائل کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ اس لئے جناب خالدؓ نے صف بندی کا حکم دے دیا اور احکام یہ دیئے کہ دشمن پر حملہ کرنے کی بجائے اُس کے حملہ کو صرف روکے رکھیں لیکن درمیان، جہاں خالدؓ خود تھے وہاں کچھ پیچھے بھی ہٹے یا خاموشی سے وار سہتے رہے۔ عقہ حیران تھا کہ کیسی جنگ ہے لیکن اس کی حیرانی جلدی ختم ہو گئی کہ خالدؓ نے چند محافظوں کے ساتھ ایک جھپٹا مارا اور عقہ کو گرفتار کر لیا اور پھر بازوؤں والی فوج نے زبردست حملہ کر دیا۔ عرب قبائل اپنے بازوؤں والے سرداروں سمیت جو بجیر اور ھذیل تھے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ مہران نے جب یہ خبر سنی تو وہ عین التمر سے فرار ہو گیا اور کسی طرح بچ بچا کر مدائن پہنچ گیا۔

عین التمر پر قبضہ

عین التمر کے لفظی معنی کھجوروں کی آنکھ یا چشمہ ہے۔ عین التمر ریگستانی علاقہ میں واقع ہے اور نخلستان کی وجہ سے یہاں پر آبادی ہے خانہ بدوش اِسی جگہ آکر اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے اس علاقے کے عرب قبائل جنگجو ضرور تھے لیکن دنیا جہاں سے زیادہ واقف نہ تھے اور نہ ہی وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عروج دے دیا تھا۔

وہ لوگ بڑی جنگوں سے ناواقف تھے اُن کے خیال میں جنگ بھی ایک قبائل کی دوسرے کے خلاف چڑھائی اور لوٹ مار تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ جناب خالدؓ بھی لوٹ مار کر کے چلے جائیں گے اسی لئے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن جنگ نے طول پکڑا اور جب انہوں نے اپنے مغرور سردار عقہ اور باقی لوگوں کو مسلمانوں کے قبضہ میں

پا بہ زنجیر دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور صلح پر تیار ہو گئے اور مسلمانوں کی شرائط پر صلح کر لی ہاں البتہ عقہ اور
اُس کے ساتھی صلح سے پہلے تہ تیغ ہو چکے تھے ۔

عین التمر کے پادری

عین التمر کے اندر پادریوں کی ایک بند قسم کی خانقاہ یا درسگاہ تھی جس میں چھوٹے چھوٹے تقریباً
چالیس بچے ایک طرح کی قید کی زندگی گزار رہے تھے ان کو خرید کر لایا جاتا تھا اور زبردستی پادری بنایا جاتا
تھا ان لڑکوں کا تعلق مختلف عرب قبائل سے تھا اور یہ سب ذہین لڑکے تھے جن کو چن چن کر خریدا گیا تھا
جناب خالدؓ نے ان بچوں کو آزاد کر دیا اور مختلف مسلمان امراء نے ان بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لے لی ۔ یہ
تمام بچے از خود یا بعد میں ان کی اولاد سے کئی عظیم الشان مسلمان ہو گزرے ہیں انہی میں ایک بچہ نصیر
تھا جن کے بیٹے موسیٰ نے جناب طارق بن زیاد کے ساتھ مل کر اور اُن کے اعلےٰ مشیر کی حیثیت سے سپین کو
فتح کیا جن عظیم صحابہ یا اہلِ لشکر نے اِن بچوں کی پرورش کی اُن میں خلیفہ سوم جناب عثمانؓ بن عفان ،
حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اور حضرت معنیؓ بن حارثہ شامل تھے ۔ حضرت شرجیلؓ کا ذکر جنگ یمامہ میں ہو
چکا ہے اور حضرت معنیؓ جناب مثنیٰؓ کے چھوٹے بھائی تھے ۔

نتائج و اسباق

جناب خالدؓ کی یہ دونوں جنگیں لڑائیاں کم ہیں اور حربی مظاہرے زیادہ ہیں یہ کارروائیاں نزدِ
حیرہ اور اُلیس کی جنگ کے نتائج کے اثرات کے تحت تھیں ہاں البتہ ایک نتیجہ جو نکلا وہ یہ تھا کہ ایرانی فوج
کا کوئی بڑا دستہ اب دریائے فرات کے مغربی یا جنوب مغربی کنارے کے کسی شہر میں باقی نہ رہا اور دوسرا
بڑا نتیجہ یہ تھا کہ وہ حکمت عملی جو جناب صدیق اکبرؓ نے تعین فرمائی تھی پوری ہونیوالی تھی اسلام کا فاتح
لشکر عراق کو فتح کرنے کے بعد شام و فلسطین کو فتح کرنے والے لشکر کی مدد کے لئے اُن علاقوں کے اور نزدیک
پہنچ گیا تھا ۔

۲ ۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے وہاں قدم قدم پر سبق ہیں اسلام غیرت کی زندگی گزارنے کا درس دیتا
ہے ذرا اپنے بارے سوچیں کہ منہ سے تو ہم اپنے آپ کو اللہ کے حبیبؐ کا غلام کہتے ہیں اور دراصل

صفحہ ۱۵۶ ا

شمال

نقشہ ہشتم۔ حیرہ کی فتح کے بعد خالدؓ
کی اہم کارروائیاں اور مشہور مقامات
جہاں لڑائیاں ہوئیں۔

فراض
خالدؓ
رومی اور
ایرانی لشکر

خالدؓ
مصیخ
ہذیل
مہوازن

خالدؓ
ثنیٔ
ربیعہ

عتاب
اور
ہذیل
بشر
خالدؓ
(زومیل)

خنافس
مہوازن
عروہؓ
ابولیلیٰؓ
زرمہر

انبار
خالدؓ
شیرزاد

حصید
روزبہ
زرمہر
آذاذبہ
قعقاعؓ
اعبدؓ

خالدؓ
الوصناب
ہلال

عین التمر
عقہ
خالدؓ
مہران

دریائے
فرات

وضاحت

۱. دشمن کے سپہ سالاروں کے نام کے نیچے لکیر ہے۔

۲. • - وہ شہر جہاں لڑائی ہوئی۔

خالدؓ
قعقاعؓ
حیرہ

سکیل ۱/۱٬۰۰۰٬۰۰۰ RF

غلامی باطل فلسفوں اور باطل حکمرانوں کی کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر غیروں کی آغوش میں جاتے ہیں اور کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی کا بہانہ بنا کر غیروں کی غلامی میں چلے جاتے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ جناب خالدؓ کے پاس کونسے ہتھیار تھے اور قلعوں کو سر کرنے کے لئے کونسے Seige Equipment تھے لیکن وہ ہمیشہ کامیاب رہے اللہ اپنے بندوں کی اسی طرح مدد کرتا ہے۔

۳۔ گرمیوں کا موسم تھا تو دریا کے ساتھ والا راستہ اختیار کر کے پہلے دور والے مقصود کو حاصل کیا پھر جب راستے سے واقفیت ہو گئی تو لق و دق صحرا کے نخلستان عین التمر پہنچے اور اُس کو بھی سر کیا۔ پانی والی خندق یا کھائی پار کرنا پڑی تو کشتیوں کی بجائے مذبوحہ اونٹوں کو استعمال کیا جنگ سے نابلد آدمیوں کے ساتھ واسطہ پڑا تو ایک ہی وار سے کئی آدمی ناکارہ کر دیئے۔ "فائر بائی آرڈر" یعنی فائر میرے حکم پر ہوگا یا اشارہ پر ہوگا۔ فوجی تدبیرات اور ہنر کا ایک اعلیٰ اصول ہے جس کے صحیح استعمال سے حیران کن کارروائی کی گئی۔

۴۔ ہمارا مدعا تاریخ کا بامقصد مطالعہ ہے بدقسمتی سے ہم نے غیروں کی نقالی میں تاریخ برائے تاریخ پڑھنا شروع کر دی۔ غیروں کے باطل تمدن اور آثار قدیمہ کی پوجا شروع کر دی ہے۔ اپنی تاریخ کو غیروں کی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اہلِ اسلام نہ تو کسی مقامیت کے قائل ہیں اور نہ ملکوں یا جغرافیہ کے چکر میں پڑتے ہیں وہ تو اہلِ حق کا کارواں ہے جو صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

" تو ابھی رہگذر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر پارس و شام سے گذر" (اقبالؒ)

تیرھواں باب

دومۃ الجندل

اسلام کا اجتماعی سورج، یثرب کے مستقر پر اپنی کرنوں کی روشنی ڈال کر اس روشنی سے دنیا کے اندھیرے کو ختم کرنے کی بسم اللہ کرنے کے بعد پہلے ہی چند سالوں میں دومۃ الجندل پر جا کر کئی دفعہ چمکا۔ باطل نے کئی دفعہ اکٹھا ہو کر اہلِ حق کا مقابلہ کرنا چاہا۔ جلال مصطفےٰؐ میں دومۃ الجندل کا ذکر کئی بار آیا ہے حضور پاکؐ نے خود پانچ ہجری میں اس طرف ایک مہم کی کمانڈ فرمائی۔ چھ ہجری میں جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایک مہم لے کر دومۃ الجندل تک گئے۔ یہ سب حربی مظاہرے تھے۔ بڑی مہم البتہ تبوک کی مہم تھی۔ حضور پاکؐ نے خالدؓ کو دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور جناب خالدؓ اُس کو گرفتار کر کے لے آئے جو مسلمانوں کا باجگذار بن گیا۔

خلیفہ اوّل کی کارروائی

حضور پاکؐ کی وفات کے بعد دومۃ الجندل کے ارد گرد کئی لوگ باغی یا مرتد ہو گئے تھے اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کے حربی مظاہرے سے بھی کئی لوگ بھاگ کر دومۃ الجندل چلے گئے تھے علاقہ بڑا وسیع ہے اور ریگستان ہے دومۃ الجندل کے ارد گرد نخلستان ہیں اور لوگ وہاں پڑاؤ کرتے ہیں بارش ہو جائے تو علاقے میں بڑی گھاس اُگ آتی ہے اور خانہ بدوش قبائل کے لئے دومۃ الجندل میں ہمیشہ بڑی کشش رہی جناب صدیق اکبرؓ نے گیارہ لشکروں میں چوتھا لشکر جو حضرت عمروؓ بن عاص کا تھا اُس کو دومۃ الجندل کی دیکھ بھال کیلئے بھیجا اور جنگ یمامہ کے بعد شرجیلؓ بن حسنہ کو بھی ادھر بھیج دیا لیکن اُن کا رُخ زیادہ تر تبوک کی طرف رہا، وجہ یہ تھی کہ اہلِ روم مسلمانوں کی عراق کی فتوحات سے باخبر ہو رہے تھے اسلئے انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر شام و فلسطین کے علاقوں میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اِدھر حضرت عمروؓ بن عاص، حضرت شرجیلؓ اور حضرت خالدؓ بن سعید، رومیوں کی تاک اور دیکھ بھال میں زیادہ مصروف ہو گئے اِس دوران تمام وسطِ عرب کے باغی قبائل نے دومۃ الجندل کو اپنا گڑھ بنا

لیا اور اکیدر نے تمام قبائل کی سرداری کو قبول کر لیا۔ اور باغی ہو گیا۔

حضرت عیاضؓ بن غنم

دومتہ الجندل ریگستانی علاقوں کا ایک اہم مقام ہے اور مسلمان جو کچھ کرنا چاہتے تھے اُس ساری کارروائی اور حکمت عملی کے تحت دومتہ الجندل پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ کی بہت ضرورت تھی چنانچہ جناب صدیق اکبرؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو دومتہ الجندل پر فوج کشی کا حکم دیا اور لشکر کا ایک دستہ جس کی تعداد چار یا پانچ ہزار تھی یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جناب خالدؓ ابھی حیرہ سے کافی دور تھے خلیفہ اوّل نے جناب عیاضؓ بن غنم کو یہ حکم بھی دیا کہ دومتہ الجندل پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھیں اور حیرہ میں جناب خالدؓ سے رابطہ قائم کریں اور اگر خالدؓ سے پہلے حیرہ پہنچ جائیں تو اور بہتر ہے یہ جناب عیاضؓ کی ذمہ داری تھی جس کو ہم TASK کہتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے اور جو کچھ ہوا اُس پر بحث سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ ایک مشکل مہم تھی اور گو حیرہ کے لئے سیدھا راستہ ضرور تھا لیکن کسی بڑے لشکر کا اِس راستے کو استعمال کرنا مشکل تھا کہ کفالت اور بحالی کے زیادہ ذرائع راستے میں موجود نہ تھے۔ ویسے دومتہ الجندل کی اہمیت کئی لحاظ سے اہم تھی کیونکہ متعدد خانہ بدوش قبائل کا یہ مرکز تھا اور حیرہ سے آگے عین التمر یا عراق و شام کی سرحد پر فراض کے علاقوں اور مدینہ شریف کے سیدھے راستہ پر دومتہ الجندل وغیرہ کے گرد و نواح کے علاقوں پر مسلمانوں کا مکمل کنٹرول ہو۔ نقشہ پنجم کو دوبارہ دیکھیں جہاں خلیفہ اوّل کی حکمت عملی کی وضاحت کی گئی ہے تو یہ پہلو اور اچھی طرح سے سمجھ میں آسکے گا۔ حکمت عملی کے تحت تو مکمل واقعات کے تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جو راوی صرف واقعاتی حالات بیان کر دیتے ہیں وہ معاملات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے اُن میں کسی نے یہ سُن لیا کہ جناب خالدؓ کو نچلے عراق سے حیرہ پہنچنے کا حکم ملا انہوں نے اپنے پاس سے یہ اضافہ بھی کر دیا کہ جو حیرہ پہلے پہنچ جائے گا وہی سپہ سالارِ اعظم ہوگا۔ دومتہ الجندل والا راستہ فتوحات کیلئے استعمال کے قابل نہ تھا اور آگے جب ایران کی فتوحات کی تیاری ہوئی تو جناب سعدؓ نے کمک کے ساتھ نباج، زرود اور شراف والا راستہ اختیار کیا۔ جو نقشہ ششم پر اور زیادہ واضح ہے اس لئے جن راویوں نے جناب عیاضؓ کو دومتہ الجندل والے راستے حیرہ یا عراق فتح کی غرض سے بھیج دیا یہ اُن کے ذہن کی کچی کو ظاہر نہیں کرتا ساتویں باب میں اس سلسلہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

جناب عیاضؓ کا دومۃ الجندل کا محاصرہ

چنانچہ ہم اپنی پرانی رائے پر قائم ہیں کہ جناب عیاضؓ کے پاس نہ اتنا بڑا لشکر تھا اور نہ اللہ کی تلوار والی جنگی تدبیر۔ اس لئے راویوں کے اس اختلاف کے سلسلے میں مزید بحث بے معنی اور فضول ہوگی اور واقعات ایسے ہوئے کہ عیاضؓ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا لیکن محاصرہ کچھ غیر مکمل تھا یعنی کچھ علاقہ میں مضبوط بڑکیاں قائم کی ہوئی تھیں اور کچھ علاقہ کی صرف دیکھ بھال کر سکتے تھے دشمن باہر بھی موجود تھا اور باہر کے علاقہ پر بھی مسلمانوں کا مکمل کنٹرول نہ تھا۔ دومۃ الجندل کا کوئی ایک قلعہ نہ تھا یہاں قلعہ جات تھے اور باہر بھی دور دور تک قلعے تھے بلکہ کئی ایسی چوکیاں تھیں جن پر جب حضرت عیاضؓ کا قبضہ ہو جاتا تو بیچ میں ہائی قبائل گھس بھی جاتے تھے اور حضرت عیاضؓ کا اپنی چوکیوں کے ساتھ رابطہ ٹوٹ جاتا تھا یا رابطہ قائم رکھنے کے لئے کچھ فوجی کارروائی کرنا پڑتی تھی۔

مؤرخین نے اس جنگ کے بارے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ عام مبصر اس اصطلاح کو سمجھ بھی نہ سکے۔ جنگ میں ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن دوسری جنگِ عظیم میں ہر محاذ پر ایسے واقعات ہوئے اور وہاں ادسان قائم رکھنے پڑتے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہماری دو کمپنیوں کا دشمن کے ایک بریگیڈ نے محاصرہ کر لیا لیکن کچھ وقت کے لئے دشمن کی ایک پلٹن کی ایک طرف ہم تھے اور دوسری طرف ہماری کچھ امدادی فوجیں تو اس طرح دشمن کا بھی محاصرہ ہو گیا اگر ہمارے اوپر والے بروقت کارروائی کر لیتے تو دشمن کی ایک پوری پلٹن قید ہو جاتی۔ ایسا تو نہ ہوا لیکن دشمنوں کی لاشوں سے میدانِ جنگ بھر گیا۔

حضرت عیاضؓ کی کارروائی

چنانچہ مورخ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عیاضؓ کی کارروائی بھی بروقت نہ تھی اور انہوں نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو الجھا دیا لیکن وہ بہادر انسان تھے اور ہر جگہ سے مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں سن رہے تھے اس لئے وہ بھی محاصرہ اٹھا کر کسی ایک طرف چل پڑنے کو تیار نہ تھے کہ مسلمانوں کے نام پر دھبہ لگ جائے گا اس لئے مقابلے کے لئے ڈٹ گئے۔ اور جنگ طول کھینچتی گئی۔ اس سے آگے راویوں نے مختلف بیانات دیئے ہیں جن

روایات کو ہم زیادہ صحیح سمجھتے ہیں اُن کے مطابق واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ حیرہ اور انبار کی فتح کے بعد جناب خالدؓ نے حضرت ولیدؓ بن عقبہ کو مالِ غنیمت کے ساتھ اور قاصد کے طور پر مدینہ بھیجا۔ آپ نے درمیانی راستہ اختیار کیا اور گو دومۃ الجندل کے مقام سے گزرنے کا کوئی ثبوت نہیں لیکن وہاں کہیں نزدیک سے گزرے۔ خلیفہ اول کے پاس دومۃ الجندل کے حالات کی خبریں پہنچ رہی تھیں اور جناب ولیدؓ بن عقبہ راستوں سے خوب واقف تھے چنانچہ جناب صدیق اکبرؓ نے ولیدؓ کو ایک دستہ دیا کہ وہ دومۃ الجندل میں حضرت عیاضؓ کی مدد کریں اور دونوں لشکروں کے درمیان رابطہ پیدا کریں کہ حضرت ولیدؓ کو جناب خالدؓ کے حالات کی بھی واقفیت تھی۔ جناب ولیدؓ جب حضرتِ عیاضؓ کے پاس پہنچے تو حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ عین التمر والے راستے جناب خالدؓ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور خلیفہ اوّل کے اُن احکام سے آگاہ کیا کہ اگر ہو سکے تو جناب خالدؓ حضرت عیاضؓ کی مدد کریں۔ قارئین نقشہ پنجم اور ہشتم کی مدد سے جغرافیائی حالات کا مطالعہ کریں تو یہ حالات اور بہتر طور پر سمجھ آجائیں گے۔

خوش قسمتی سے جناب خالدؓ اُس وقت عین التمر کو فتح کر کے وہاں قیام کر رہے تھے تو انہوں نے پھر ایک دفعہ صحرا میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے حیرہ میں جناب قعقاعؓ کو لکھا کہ وہ کچھ دن اور غیر حاضر رہیں گے اور جناب قعقاعؓ اہل ایران اور دشمنوں پر نظر رکھیں اور اللہ کی تلوارؓ نے لشکر کا تیسرا حصہ عین التمر میں چھوڑا اور باقی چھ ہزار کے ساتھ وہ روانہ ہو گئے۔

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز	کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن معرکہ باز	پر سوز اگر ہو نفسِ سینہ دراج - اقبالؒ

جناب خالدؓ کا خط

جناب خالدؓ نے حضرت عیاضؓ کی طرف پہلے ہی قاصد روانہ کر دیا جس کو خط دیا۔ جس میں عربی زبان میں کچھ شعر بھی لکھے ہوئے تھے جو خالدؓ کے اپنے تھے۔ جناب خالدؓ ادیب اور شاعر بھی تھے اُن کے شعروں کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح کا ہو سکتا ہے۔

"اے میرے رفیق، تھوڑا انتظار کر لو۔ ہمارے گھوڑے آپ کی طرف سرپٹ دوڑ رہے ہیں اور آپکو معلوم ہے گھوڑوں کی پیٹھ پر کون سوار ہے یہ وہ مجاہد ہیں جن کے ہاتھوں میں چمکتی تلواریں ہیں وہ گروہ در گروہ دوڑاں

دوار ہیں"۔

دشمن کا ردِ عمل

البتہ دشمن کو بھی جناب خالدؓ کے اس طرف کی کوچ کی خبر مل گئی تو انہوں نے بھی مدد کے لئے قاصد دوڑا دیئے۔ اس کے بعد بنو غسان و بنو کلب کے کئی لوگ اُن کی مدد کو پہنچ گئے جس سے حضرت عیاضؓ پر دباؤ بڑھ گیا اور مسلمان دن رات جناب خالدؓ کے لشکر کے بروقت پہنچنے کے لئے دعائیں کر رہے تھے البتہ دشمن بھی دو گروہوں میں بٹا ہوا تھا۔ اوّل اکیدر کی سرداری کے تحت جس کا ذکر ہو چکا ہے اور دوم جودی بن ربیع کے تحت۔ اکیدر جناب خالدؓ کو جانتا تھا اور اُس کو ہمت نہ تھی کہ وہ جناب خالدؓ سے مقابلہ کے بارے کچھ سوچ بھی سکے۔ اُس نے دوسروں کو بھی سمجھایا کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں لیکن جب دوسروں نے طاقت کی گھمنڈ پر اُس کے مشورہ کو ٹھکرا دیا تو اُس نے راہِ فرار اختیار کی اگر امان طلب کرتا تو شاید بچ جاتا لیکن اُس کے دن پورے ہو چکے تھے اور حضرت عاصمؓ بن عمرو کے ایک دستہ نے اُس کو گرفتار کر کے جناب خالدؓ کے سامنے پیش کیا۔ اُس کی بغاوت اور غداری ایک سے زیادہ دفعہ تھی جناب خالدؓ نے اُس کا سر اُڑا دینے کے احکام صادر کئے۔

جناب خالدؓ نے دومتہ الجندل پہنچ کر دیکھ بھال کر کے حالات کا جائزہ لیا اور لڑائی کی تجویز بنائی۔ انہوں نے جناب عیاضؓ کی فوجوں کو بھی اپنی ماتحتی میں لے لیا کہ کمانڈ کی وحدت جنگ کا ایک ضروری اصول ہے تو جناب خالدؓ نے پورے شہر کے محاصرہ اس طرح کیا کہ جناب عیاضؓ کو جنوب کی طرف کی ذمہ داری سونپی اور باقی تین اطراف میں اپنے ساتھ لائے ہوئے لشکر کو قلعوں سے کافی پیچھے رکھا۔ دشمن کا خیال تھا کہ جناب خالدؓ قلعہ جات کی دیواروں پر حملہ کرنے سے پہلے دیواروں میں شگاف کریں گے اور وہ اس قسم کے دفاع کے لئے تیار ہو رہے تھے لیکن جناب خالدؓ ایک تماشائی کی طرح آرام کر رہے تھے اتنے لمبے سفر کے بعد فوج کا آرام بھی مقصود تھا۔ جودی نے تنگ آ کر یک لخت قلعہ سے باہر نکل کر دو اطراف میں حملہ کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرف کامیابی زیادہ ہو گی، اُس راستے سے فرار اختیار کر لیا جائے گا۔ جنوب میں جناب عیاضؓ نے تو حملہ کو سلد پسپا کر دیا لیکن جناب خالدؓ نے حملہ آوروں کو بڑھنے دیا اور یہ جودی بھی اُس طرف آ گیا۔ جناب خالدؓ نے جھپٹا مارا اور جودی کو گرفتار کر لیا اور مجاہدین اسلام قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ قلعہ کے اندر والوں نے دروازے بند کر دیئے اور کافی لوگ باہر رہ گئے اور یہ زیادہ تر جودی کے قبیلہ کے لوگ تھے اور جودی سمیت یہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں مولی گاجر کی طرح کٹ گئے۔

اس کے کچھ دن بعد تک محاصرہ جاری رہا لیکن قلعہ کے اندر حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور کچھ دنوں کے بعد قلعہ سر ہو گیا۔ مؤرخین نے تفصیل نہیں لکھی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ بنو کلب کو کچھ رعایت مل گئی کہ جناب قعقاعؓ اور عاصمؓ کے قبیلہ تمیم کے یہ لوگ پرانے حلیف تھے اور قبیلہ تمیم کے جناب اقرعؓ بھی جناب خالدؓ کے لشکر میں تھے۔ قلعہ کے اندر حالات اتنے خراب ہو گئے کہ محاصرہ ختم ہوا تو لوگوں نے اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بیچنا شروع کر دیا۔ جن لڑکیوں کو نیلام کیا جا رہا تھا ان میں جودی کی لڑکی بھی تھی اور خوش شکل تھی۔ قیمت کچھ زیادہ تھی تو جناب خالدؓ نے پوری رقم ادا کر کے یہ لڑکی خرید لی۔ اگر خالدؓ نہ خریدتے تو کوئی اور خرید لیتا۔ لڑکی کی قسمت اچھی تھی کہ اللہ کی تلوار کی زوجیت میں آئی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور ایسی باتوں کو بیان کرنے میں شرم کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ مسلمان جانوروں کی طرح لوگوں کی عورتوں پر ناجائز قبضہ یا غلط جنسی تعلقات کو گناہِ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔

ذاتی مشاہدہ

جنگ میں کیا ہوتا ہے۔ راقم نے بہت کچھ دوسری جنگِ عظیم میں دیکھا کہ کس طرح غیرت مند لوگوں کی عزت پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے اگر تمام مشاہدات کا ذکر کروں تو ایک الگ کتاب بن جائے گی۔ دور کیوں جائیے کیا قوم کو معلوم نہیں کہ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے وقت کیا ہوا اگر ہم عورتوں اور بچوں کی عزت بچانا چاہتے ہیں تو غیرت مند قوم بننا پڑے گا۔ اور غیرت کے لئے طاقت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں اپنے اندر جذبہ جہاد پیدا کرنا ہوگا۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا | بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اس میں حفاظت ہے انسانیت کی | کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری — اقبالؒ

جناب خالدؓ نے چند دن اور دومۃ الجندل میں قیام کیا اور مختلف جگہ پر عامل مقرر کئے اور پھر حضرت عیاضؓ کو بھی ساتھ لے کر حیرہ روانہ ہو گئے۔

سارے واقعات کی چھان بین کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خلیفہ اوّل نے دومۃ الجندل کے علاقہ بھی جناب خالدؓ کی ذمہ داری میں دے دیا اور یہ کارروائی جناب خالدؓ نے کی وہ خلیفہ کی طرف سے احکام کے تحت کی اور پوری ذمہ داری سے نبھانے کے بعد حضرت عیاضؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے یا مستقل طور پر اپنی کمانڈ میں لے لیا۔ تو ظاہر ہے کہ ساتویں باب میں ہم نے جن مؤرخین کے حوالے سے ذکر کیا تھا کہ جناب عیاضؓ بھی خالدؓ

کے برابر کے سپہ سالار تھے اور حیرہ کے فتح کرنے میں دونوں میں مقابلہ تھا۔ تو وہ روایت صحیح نہیں اور نہ یہ کہ جناب خالدؓ، جناب عیاضؓ کی دعوت پر دومۃ الجندل آئے۔ سب حکمت عملی خلیفہ اوّل کی تھی۔

نتائج واسباق

اس جنگ کے نتائج ایک طرف نقشہ ہشتم کا مطالعہ کر کے نکالیں اور بنیادی طور پر نقشہ ہجم پر غور کریں کہ کس طرح مسلمانوں کی شمالی سرحدیں مشرق میں خلیج فارس سے لے کر دریائے فرات کے ساتھ ساتھ اور دومۃ الجندل سے تبوک اور موتہ تک اور آگے بحیرہ قلزم تک محفوظ ہوگئیں اب مسلمان اگلی کارروائی کے لئے پر تول رہے تھے۔

۲۔ یاد رہے کہ کسی کو محاصرہ میں لینا یا خود محاصرہ میں آجانا یہ دونوں بڑی مشکل جنگی کارروائیاں ہیں اور گو آج کل قلعہ جات نہیں ہیں لیکن پھر بھی کئی پوزیشنیں (دفاعی) ایسی ہوتی ہیں جن کو گھیرا پڑ جاتا ہے جب ہمیں گھیرا پڑ جائے تو پھر تدبیرات کے علاوہ حکمت عملی کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے کہ دشمن کی فوج کو ہم کتنے دن الجھائے رکھیں گے اور اس کیلئے کتنی قربانی دینا پڑے گی اور کیا اتنی قربانی کی ضرورت ہے اور دی جاسکتی ہے وغیرہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ گھیرا ڈالنے کے لئے بہت زیادہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ہم دشمن کی کسی فوج کو گھیرا ڈالنے کی سعی کرتے ہیں تو اس دشمن کو جلد ختم کرنا چاہیئے ورنہ جناب عیاضؓ کی طرح ہم خود الجھ کر رہ جائیں گے یا اپنا فضول نقصان کرنا پڑے گا ویسے آجکل کے زمانے میں گھیرے میں زیادہ دیر ٹھہرنا ناممکن بھی ہوتا ہے۔ علاقہ محدود ہوتا ہے اور دشمن توپخانہ یا سیدھے فائر کرنے والے ہتھیاروں کی مدد سے اُس علاقہ کو جہنم بنا دیتا ہے۔

۳۔ دومۃ الجندل پر قبضہ کے بعد خلیفہ اوّلؓ نے شام و فلسطین کی مہم کی اجازت دے دی اور جناب ابو عبیدہؓ بن جراح، یزیدؓ بن ابوسفیان، عمروؓ بن عاص اور شرجیلؓ بن حسنہ کے لشکر مقرر فرمائے جن کو ذمہ داری کے علاقے سونپے کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ جناب خالدؓ بن سعید کو تبدیل کیا اور اُس علاقے میں حضرت عمروؓ بن عاص کو بھیجا گیا۔ بہرحال اس سب کارروائی کو دوسری کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ کہ کس طرح مجاہدین نے اپنا رُخ ایک اور طرف کر دیا۔

چودہواں باب

حصید، خنافس اور مضیح وغیرہ کی تسخیر

پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب خالدؓ کو دومۃ الجندل میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنا پڑ گیا چنانچہ طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئیں کہ آپ مدینہ واپس چلے گئے۔ یہ ہوا اور وہ ہوا وغیرہ۔ باطل نے شرپسندوں کو ابھارا اور ایران کے ارباب حکومت جو خالدؓ کے نام سے کانپ جاتے تھے اُن میں کچھ جان آ گئی۔ دیکھیے کہ نقشہ ہشتم سے ظاہر ہے کہ شمال میں دریائے فرات کے مغرب کی طرف چند ایک علاقے یا چھاؤنیاں ایسی تھیں جہاں تک مسلمان نہ پہنچ سکے تھے علاوہ عین التمر سے عقہ بن ابو عقہ کے قبیلہ کے لوگ بھی وہاں سے بھاگ کر اُن شمالی علاقوں میں پہنچ گئے تھے ایرانیوں نے عرب قبائل کو بھڑکایا اور بہمن نے کچھ فوج بھی تیار کی کہ جہاں تک مسلمان نہ پہنچ سکے تھے وہاں وہ فوج بھیج دی تاکہ ایسے فوجی عرب قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

ایرانی فوج کا فرات کو عبور کرنا

جناب خالدؓ ابھی دومۃ الجندل ہی میں تھے کہ دو ایرانی لشکر مدائن سے نکل کر اپنی منزلوں کی طرف چل پڑے ایک روزبہ کے تحت حصید کی طرف گیا اور دوسرا زرمہر کے ماتحت خنافس گیا۔ نقشہ ہشتم دیکھیں کہ یہ مقامات انبار کے مغرب اور عین التمر کے شمال میں ہیں۔

انبار کے عامل حضرت زبرقانؓ نے اس کی اطلاع حضرت قعقاعؓ کو حیرہ میں دے دی اور انہوں نے خلیفہ مقدم کے طور پر فوج اور دستوں میں سے کچھ کو حیرہ میں اکٹھا کر لیا جو دونوں دریاؤں کے درمیان دجلہ تک گشت کرتے رہتے تھے اور دو دستے ایک حضرت ابولیلیٰ کے تحت اور دوسرا حضرت عروہؓ کے تحت حصید اور خنافس کے علاقوں میں بھیج دیئے کہ دشمن پر نظر رکھیں۔

چنانچہ ماہ رجب ۱۲ ہجری میں جب جناب خالدؓ حیرہ پہنچے تو یہ حالات دیکھے۔ بہمن نے البتہ ایرانی فوجوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کاروائیاں دفاعی حدود کے اندر رکھیں اور عرب قبائل کو تیار ہونے دیں کہ وہ لوگ بھی کافی بڑے لشکر تیار کر رہے تھے ان میں ایک تو ہذیل تھا جو مضیح میں لشکر تیار کر رہا تھا اور دوسرا ربیعہ تھا جو ثنی اور بشر میں لشکر تیار کر رہا تھا۔ ربیعہ بجیر کا بیٹا تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ عین التمر کی جنگ میں عقہ کے بازوؤں پر ہذیل اور بجیر تھے اور وہاں

سے بھاگ چکے تھے۔ بہمن کا خیال تھا کہ یہ تمام لشکر الگ الگ مقامات پر رہیں اور جب طاقت پکڑ جائیں تو پھر مسلمانوں کے ساتھ بھرپور جنگ لڑی جائے۔

مورخین کے تبصرے

مورخین کا خیال ہے کہ جناب خالدؓ جو دومۃ الجندل سے حضرت عیاضؓ کو بھی ساتھ لے آئے تھے وہ ایرانی پایہ تخت مدائن یا دریا کے پار بغداد وغیرہ کے علاقے میں کوئی بھرپور کارروائی کرنے کا ارادہ کر کے آئے تھے لیکن خلیفہ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ایسا نہ کیا گیا ممکن ہے کہ جناب خالدؓ ایسی بات ذہن میں رکھتے ہوں لیکن ہمارا جائزہ یہ ہے کہ خلیفہ اوّل کے لحاظ سے ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ یاد رکھیں کہ دونوں مختلف رشتے حکمت عملی کے تعین میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے کہ حضور پاکؐ کے رفقاء خاص تھے وہ ایرانی طاقت کو فرات کے مغرب میں ملیا میٹ کرنا چاہتے تھے اور اُن کے لحاظ سے حیرہ اُس کے گردونواح و نجف، اور قادسیہ وغیرہ ہی اہم مقامات تھے جہاں ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت تھی اور دو سال بعد ایسا ہی ہوا بلکہ اُس علاقہ کی اہمیت اتنی تھی کہ بعد میں کوفہ کی چھاؤنی بھی ادھر ہی بنائی گئی بہرحال جو کچھ بھی تھا ابھی ایران کی سلطنت کافی جاندار تھی کہ اُن کو فرات کے اِس پار بھی فوج بھیجنے کی ہمت پڑ گئی۔

جناب خالدؓ کا طریق کار

جناب خالدؓ کیلئے فرات کے مغرب کی طرف کے علاقے ایک شکارگاہ کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے حالات کے مطالعہ کے بعد فیصلہ کیا کہ اِن فوجوں کو ایک جگہ اکٹھے نہ ہونا دیا جائے اور الگ الگ مقامات پر ان کو قمع کیا جائے یہ افواج اگر اکٹھی ہو جاتیں تو مل کر کوئی بھرپور جنگ تو نہ لڑ سکتیں کیونکہ قبائل کی جنگ کا وقت گزر چکا تھا اسلامی لشکر اب ایک ابھرتی ہوئی قوت تھی چنانچہ جناب خالدؓ نے حضرت عیاضؓ کو حیرہ میں نائب مقرر کیا اور کچھ دستے اُن کے پاس چھوڑ دیئے۔ باقی فوج کو لے کر جناب خالدؓ عین التمر پہنچ گئے وہاں پر آپ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ کی کمانڈ جناب قعقاعؓ کو دی کہ وہ حضرت اعبدؓ کے دستوں کے ساتھ مل کر حصید فتح کریں۔ دوسرے حصّہ کی کمانڈ حضرت ابولیلیٰؓ کی دی کہ وہ جناب عروہؓ کے ساتھ مل کر خنافس فتح کریں تیسرا حصّہ اپنے پاس رکھا اور عین التمر ہی میں ٹھہرے کہ اب قبائل اگر ثنی یا بشر سے آگے بڑھ کر کوئی کارروائی کریں تو اُس کا علاج کیا جائے۔

چھوٹے لشکروں کی کارروائیاں

جناب خالدؓ اِس طرح ایک طرف تو ضرورت کے مطابق فوج کو استعمال کر رہے تھے اور ساتھ ہی چھوٹے کمانڈروں کو خودمختار طور پر کام کرنے یا جنگ لڑنے کی تربیت بھی دے رہے تھے چنانچہ جناب قعقاعؓ کا لشکر عین التمر سے پیچھے چند اور اور ابولیلیٰؓ کا بعد میں۔ جناب قعقاعؓ کا رُخ حصید کی طرف تھا اور وہاں کا کمانڈر روزبہ ان حالات کی طرح بار گھبرا گیا اور زرمہر سے مدد کی درخواست کی۔ زرمہر کو خنافس چھوڑنے کا حکم نہ تھا بہمن اُس جگہ مزید کمک بھیج کر کسی بڑی جنگ کی تیاری کی سوچ میں تھا اس لئے زرمہر نے مہوازن کو خنافس میں اپنا نائب بنایا اور خود روزبہ کے پاس حصید چلا گیا کہ حالات کا گہرا مطالعہ کرے۔

حصید کی فتح

جناب خالدؓ کے ماتحت لشکر کے سب سرداروں کے بہت اونچے مقامات ہیں اور جناب قعقاعؓ کو تو مقام حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے اللہ کی تلوارؓ سے ایک ہنر یہ سیکھا تھا کہ بجلی کی طرح کوند کر اپنی مرضی کے وقت دشمن کے سروں پر پہنچ جاؤ اور جناب قعقاعؓ تیزی سے دشمن کے سر پر حصید پہنچ گئے زرمہر نے خالدؓ کو لشکر میں نہ دیکھتے ہوئے مبارزت طلب کی اور جناب قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر اُس کا کام تمام کر دیا۔ روزبہ نے بھی زرمہر کی نقل کی اور وہ حضرت عصمہؓ بن عبداللہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت عصمہؓ مہاجر تھے اور آپؓ کے تمام قبیلہ نے ہجرت کی تھی اس لئے بررہ کہلاتے تھے بہرحال دونوں ایرانی سرداروں کی لاشیں اب مسلمانوں کے قدموں کے نیچے تڑپ رہی تھیں اور انہوں نے بھرپور حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے قدم اُکھڑ گئے اُن کی لاشوں کے ڈھیر سے میدانِ جنگ مذبح خانے کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور کچھ ایرانی جان بچا کر خنافس کی طرف بھاگ گئے۔

خنافس کی فتح

لیکن خنافس میں "آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا" والی بات ہوئی۔ ادھر حصید کے بھگوڑے پہنچے کر ادھر حضرت ابولیلیٰؓ کا تازہ دم لشکر خنافس پر حملہ کرنے کے لئے سرپٹ آگے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ ایک مبصر کے مطابق مہوازن سمجھدار آدمی تھا۔ اُس نے وہاں سے بھاگ کر کسی بہتر جگہ پوزیشن لینے کے بارے سوچا دیسے تو

اُس کے نزدیک ثنیٔ اور بشر میں بھی عرب قبائل ربیعہ کے ماتحت مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو رہے تھے یکیں اُس نے مضیخ میں جاکر پناہ لی جہاں پر ہذیل لشکر اکٹھے کر رہا تھا خنافس تو جلدی فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو حصید اور خنافس دونوں جگہوں سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا لیکن دشمن کی کمل سرکوبی ابھی باقی تھی۔ نقشہ ہشتم کی مدد سے ہر مقام کا جائزہ لیں تو ابھی ثنیٔ، بشر اور مضیخ میں دشمن باقی تھا اور "سمجھدار" مہبوازن آتنی دور موت کے ڈر سے بھاگا یا حکمت عملی کے تحت ہم اس پر تبصرہ نہیں کریں گے۔

جناب خالدؓ کی چھلانگ

مہبوازن، جناب خالدؓ کے بارے کافی سن چکا تھا اور دور جانے میں اُس کا مقصد یہ تھا کہ خالدؓ جب ثنیٔ اور بشر کی سرکوبی کر لیں گے تو اُن کو مضیخ سے بھاگنے کا موقع مل جائے گا لیکن خالدؓ ہمیشہ جنگ کے طریق کار میں ہر دفعہ ایک نئی طرح ڈالتے تھے اِس دفعہ انہوں نے شیر کی طرح ایک لمبی چھلانگ لگادی خالدؓ کے لئے اب دو ممکن طریقہ کار تھے۔ اوّل یا تو بشر اور ثنیٔ پر جھپٹا مارتے اور ربیعہ کا قلع قمع کرتے یا شیر کی طرح ایک لمبی چھلانگ لگاکر مضیخ پہنچ جاتے جہاں شکار بھی زیادہ تھا وہاں مہبوازن بھی پہنچ چکا تھا خالدؓ نے دوسرے طریقہ کو اپنایا۔

مبصر کی رائے

ہمارے ایک مبصر کی رائے کے مطابق اِن دو ممکنات کے علاوہ ایک تیسرا طریقہ بھی تھا کہ خالدؓ مدائن پر حملہ کر دے کہ ایرانی فوج کا کافی حصّہ مضیخ یا فرات کی اس طرف تھا قارئین پچھلے سارے نقشے دیکھیں۔ حالات کا جائزہ لیں اور آگے ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کی جو جنگیں ہوئیں اُن کو بھی سرسری طور پر دیکھ لیں کہ ابھی تک ایرانیوں کو مکمل شکست دینے کے لئے کتنی بڑی طاقت کی ضرورت تھی تو امید واثق ہے کہ مدائن کی طرف حملہ کی بات اُس وقت تک بعید از قیاس ہو گی ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دومتہ الجندل کی فتح کے بعد جناب خالدؓ نے اِس سلسلہ میں شاید کچھ سوچا ہو لیکن ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔ خلیفہ اوّل کی حکمت عملی کسی اور سمت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خالدؓ ہمارے لئے بڑے عظیم ہیں لیکن یارِ غار کی عظمت کے سامنے جناب خالدؓ کو لے آنا اور سب کامیابیوں کے سہرے جناب خالدؓ کے سر باندھ دینے والی بات صحیح نہیں ہم اس موضوع کو آگے چل کر اس سلسلہ کی دوسری کتاب میں زیادہ بہتر طور پر بیان کریں گے کہ خلیفہ اوّل دریلئے

ذات سے آگے جانے سے پہلے کچھ اور کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور جناب خالدؓ اُن کی ہدایات پر کام کر رہے تھے۔ آنے والے تمام واقعات، اُن کے نتائج اور اُن نتائج کے اثرات اِسی سوچ اور حکمتِ عملی کے ثبوت میں ہیں کہ ہمارے مبصر لفاظی اور بے وقت کی "اونچی سوچوں" سے اپنی کتابوں کو بھر کر اپنی حربی اہلیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں

صرف "دو ممکنات"

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جناب خالدؓ کے سامنے صرف دو "راستے" یا "ممکنات" تھے کہ مضیخ جائیں یا بشر اور ثنی۔ انہوں نے لمبی چھلانگ لگا کر مضیخ جانے کا فیصلہ کیا کہ وہ ایرانیوں کے اِس طرف ختم کرنے کو ترجیح دیتے تھے انہوں نے جناب قعقاعؓ اور ابو لیلیٰؓ کے لشکروں کو اپنی کمانڈ میں لیا اور وہ مضیخ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مضیخ کی طرف پیش قدمی

مضیخ کافی دور ہے اور وہاں پہنچنے کے لئے بشر اور ثنی دونوں کو اپنے بائیں ہاتھ پر چھوڑنا تھا لیکن جناب خالدؓ جلدی میں تھے یہ شعبان ۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ اکتوبر، نومبر کا مہینہ تھا تو جناب خالدؓ نے حکم دیا کہ سواری صرف اونٹوں پر کی جائے۔ گھوڑے خالی پیٹھ ساتھ چلیں کہ تھک نہ جائیں۔ جناب خالدؓ نے یہ بھی حکم دیا کہ تمام لشکر فلاں تاریخ تک مضیخ سے تقریباً ایک منزل دور فلاں جگہ پہنچ جائیں اور جنگ کے باقی احکام وہیں جاری ہوں گے۔ مؤرخین اِس سلسلہ میں اتنی تفصیل میں نہیں گئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ دن پر خالدؓ کے تینوں لشکر سورج کے غروب ہونے کے وقت مضیخ سے چند گھنٹے کے فاصلہ پر تھے۔ اہلِ مضیخ کو یہ سب معلوم تھا اور دوسری صبح وہ لڑائی کے لئے ہر قسم کی صف بندی کرنے کو تیار ہو رہے تھے اُن کا اندازہ تھا کہ مسلمان دوسرے دن صبح اُس پڑاؤ سے آگے بڑھیں گے اِس لئے وہ رات انہوں نے شراب و کباب میں گزاری۔ ہونے والی شادیاں رچائیں۔ شعر و شاعری کی۔ وہ سب کچھ کیا جو زندگی سے محبت کرنے والے موت اور زندگی کی کشمکش میں کسی فیصلہ کن گھڑی کا انتظار کر رہے ہوں، مسلمان کا رویّہ البتہ مختلف ہوتا ہے اُس کے لئے موت ایک دروازہ ہے۔

شبخون

جناب خالدؓ کو اِس سب کا اندازہ تھا اس لئے انہوں نے رات کو شبخون مارنے کا فیصلہ کیا لشکر تین حصوں

میں تقسیم کیا ہر لشکر کو اُس کا مقصود اور رُخ بتایا اور یہ مشکل کارروائی تھی۔ چاند رات کو آدھی رات کے قریب نکلتا تھا اور نومبر کا چاند عرب اور عراق کے اُن علاقوں میں اُس موسم میں بڑی ٹھنڈی اور پیاری چاندنی دیتا ہے چنانچہ چاند نکلنے سے پہلے جناب خالدؓ کے تینوں لشکر اپنے مقام اتصال (RV) پر اندھیرے ہی میں پہنچ چکے تھے جیسے ہی چاند طلوع ہوا اور چاندنی کی کچھ مدد ملی تو لشکروں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ آگے کیا ہوا مؤرخین خاموش ہیں سوائے اس کے کہ دشمن گاجر مولی کی طرح کٹ گیا ہمارے مبصر کا کہنا ہے کہ اُن کا "سمجھدار" ایرانی جنرل ھبواذن لاپتہ ہو گیا۔ کہاں گیا، کیسے لڑائی لڑا؟ اور ایرانی فوج نے کہاں جا کر دم لیا۔ اِس سلسلہ میں کوئی صاحب زیادہ روشنی نہیں ڈالتے۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ کچھ مر گئے اور کچھ بھاگ گئے۔ ہاں ہذیل البتہ جان بچا کر عتاب کے پاس بشر پہنچ گیا

کفار کے مسلمان مہمان

اِس جنگ میں دو ایسے مسلمان بھی عظیم صحابی حضرت جریرؓ کے ہاتھوں شہید ہوئے کہ وہ وہاں پر کفار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن کے رشتہ داروں نے اُن کا خون بہا مانگا۔ خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ یہ حادثاتی موت ہے اور مسلمان کفّار کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنگ سے پہلے کہیں فرار کیوں نہ اختیار کیا یا کیسے فوت ہوئے۔ اُس کا کسی مسلمان مجاہد کو ذمّہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ حکومت البتہ خون بہا ادا کر دے گی کہ اُن کے بال بچوں کی کفالت حکومت کا فرض ہے۔ بات ادھر ہی ختم ہو گی اور طبری سمیت کوئی مؤرخ اِس پر حاشیہ آرائی نہیں کرتے لیکن ہمارے مبصر جن کو ہر پہلو میں حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کا اختلاف کہیں سے مل جاتا ہے لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ غصّے سے خلیفہ اوّل کے پاس گئے اور کہا کہ خالدؓ بڑا ظالم ہے مسلمانوں کی جان کی حفاظت نہیں کرتا۔"

تبصرہ

بات بے معنی ہے اور ایسا ناممکن ہے یہ اس مبصر کا اپنا ذہنی اختراع ہے۔ یہ الفاظ ان مبصر کو کہاں سے ملے جن لوگوں نے جنگ میں حصّہ لیا ہو وہ تو ایسے تبصروں اور الفاظ کو کوئی وقعت نہ دیں گے ہاں جنہوں نے

صرف جنگ کو پڑھا ہو یا "دیکھا" ہو وہ شاید ایسی بات لکھ سکتے ہیں جنگ کا "دیکھنا" بھی دو قسم کا ہوتا ہے نقشے پر "دیکھنا" اور میدانِ جنگ میں "دیکھنا" کچھ جنگ کو صرف نقشے پر دیکھتے ہیں اور کچھ زمین پر بہرحال "دیکھنے" اور "لڑنے" میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کمانڈرز جنگ لڑتے ہیں۔ سٹاف افسر صرف دیکھتے ہیں۔

کلاسوٹز اپنی پہلی کتاب کے آٹھویں باب میں لکھتا ہے کہ "لڑائی کے معاملات کو سمجھنے کے لئے ان لوگوں سے تربیت حاصل کرو جو لڑائی لڑ چکے ہیں اگر اپنے ملک میں ایسے لوگ نہ ملیں تو غیر ملکوں میں جا کر ایسے لوگوں سے لڑائی کی باتیں سیکھو"۔ خود کلاسوٹز کا تعلق جرمن جنرل سٹاف سے تھا لیکن وہ اُن سٹاف افسروں کیساتھ سخت نفرت کرتا تھا جو عملی نہ ہوتے یا رجمنٹل کام سے جی چراتے تھے۔ ایک پلٹن میں بھی ایک پلٹون یا کمپنی کمانڈر جنگ کے معاملات کو ایجوٹنٹ یا کوارٹر ماسٹر صاحب سے بہتر طور پر سمجھے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ایجوٹنٹ یا کوارٹر ماسٹر جنگ میں گشتی دستوں کی کمانڈ بھی کرتا رہے اور ایسا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو ایسی بٹالین خوش قسمت ہوگی جس کے ایجوٹنٹ اور کوارٹر ماسٹر اسلام کے مایۂ ناز سپوت ہوں۔

نتائج و اسباق

۱۔ ان تینوں جنگوں کا بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی بری طرح شکست کھا گئے اور فرات کے عرب والے رخ پر بالکل نہ ٹھہر سکے۔

۲۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق کی فاتح مسلمان فوج، شام و فلسطین کی سرحدوں کے نزدیک پہنچ گئی چنانچہ خلیفۂ اوّل کی حکمتِ عملی اُن راستوں پر بالکل اِسی طرح چل رہی تھی جس طرح انہوں نے اس کا تعین کیا تھا۔

۳۔ مسلمانوں کو اللہ کی ذات اور اپنے آپ پر مکمل بھروسہ تھا اور اب اہلِ ایران اُن کو اپنے برابر کی ایک طاقت سمجھ رہے تھے اور اِس سوچ میں تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ کیسے نپٹا جائے۔

سبق

دشمن پر بروقت وار، تیزی، ضرورت کیمطابق لشکروں کی بانٹ، استعمال، حالات کا صحیح جائزہ، حکمتِ عملی، تدبیراتِ رت کی کارروائی اور حیران کن اثرات، مقصد کا پہلے سے مقرر کرنا وغیرہ۔ تمام معاملات صاف طور پر طے کرنے ضروری

س۔ تفصیل کے لئے کلاسوٹز۔ نسخہ جنگ حصہ اول اردو کے صفحہ ۲۰۰ سے استفادہ کریں۔

ہوتے ہیں وہ مسلمانوں کی بڑی سوچی سمجھی ہوئی حکمت عملی اور تدبیرات تھیں جن سے ہم آج بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں

"زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلہ علم کلام " اقبالؔ،

پندرھواں باب

عرب قبائل کی سرکوبی، جنگ فراض اور متفرقات

مضیخ کی تسخیر کے بعد ثنیٰ اور بشر (ذومیل) کے قبائل کی سرکوبی ضروری تھی اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ جناب خالدؓ نے ترجیحی طور پر ان مقامات کے بجائے پہلے مضیخ کا رُخ کیا۔ مؤرخین جس طرح تاریخی بیانات کا تسلسل قائم نہیں رکھتے اِسی طرح مقامات کے بارے جو کچھ سُنا وہ لکھ دیا وہ مقامات جو آج کل موجود ہیں یا اس زمانے میں موجود تھے جب تاریخ لکھی گئی تو ان کے سارے حالات کے تانے بانے کچھ آسانی سے جوڑے جا سکتے ہیں لیکن وہ مقامات جو اب کھنڈرات کی شکل میں ہیں یا بالکل موجود نہیں ہیں اُنکے بارے میں غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں ہمارے اس خطہ کے مؤرخین نے جناب محمود غزنویؒ کے بھادیہ پر حملہ کو بھیرہ پر حملہ بنا دیا۔ حالانکہ عتبی جو لشکر میں موجود تھا اُس کے بیان کے مطابق بھادیہ کا یہ قلعہ موجودہ کوہستان نمک میں تھا اس طرح عرب مؤرخین نے مقامات کے بارے اگر کوئی غلطی کی ہو تو یہ اتنی بڑی بات نہیں۔ علاقہ وہی تھا اور ہماری حکمت عملی کے جائزہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔

مقامات کا محلِ وقوع

نقشہ ہشتم کا پھر مطالعہ کریں تو حیرہ، عین التمر اور ذومیل (بشر) کے محلِ وقوع میں کسی پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ اِن تینوں جگہوں کے کھنڈرات موجود ہیں اور انگریزوں کے سروے کے چھوٹے نقشے پر بھی یہ مقامات موجود ہیں۔ حصید اور خنافس کے بارے چند میلوں کا فرق ہو سکتا ہے لیکن ہمارے نقشہ پر نشانات عین التمر سے پیش قدمی اور جناب قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ کے الگ الگ رُخ سے ہیں کہ یہ مقامات وہیں کہیں ہیں۔ آگے مضیخ کی تسخیر کیلئے لشکر اِن کی روانگی ان مقامات کے قریب سے ہوئی تو جن مؤرخوں نے اِن مقامات کی کارروائی کے مطابق نشاندہی کی اُس کو صحیح تسلیم کیا گیا۔ اِسی طرح حصید اور خنافس کیلئے جو ایرانی فوجیں آئیں اور اُن کی خبر انبار کے مسلمان عامل نے دی اس سلسلہ میں اِن مقامات کا انبار علاقہ کے نزدیک ہونے کا ثبوت تاریخی طور پر ہمارے پاس موجود ہے۔ ثنیٰ کا محل وقوع پر کچھ شک ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ مضیخ اور بشر کے کہیں درمیان میں ہوگا کہ مضیخ سے واپسی پر

پہلے ثنیٰ پر حملہ ہوا اور بعد میں بشر یا دو میل پر۔ بہر حال ثنی کا محلِ وقوع چند میل ادھر اُدھر ہو سکتا ہے۔

وضاحت کی ضرورت

اس وضاحت کی ضرورت اِس لئے پڑی ہے کہ کچھ مورخین نے اِن مقامات کو دریائے فرات کے انبار والی اطراف میں ہی بتا دیا اگر ایسا ہوتا تو اسلامی لشکر کو دریائے فرات پار کرنا پڑتی اور کارروائی کا یہ تسلسل نہ رہ سکتا جو ہم نے بیان کیا ہے اور نہ اتنے عرصہ میں یہ مہمات سر ہو سکتیں۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ یہ نقشے ہم کسی سکیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں اور یہ سکیل جانے پہچانے اور موجود مقامات کی حد تک تو ٹھیک لاگو ہے لیکن کسی جگہ کچھ میلوں کا فرق ہو سکتا ہے اور تجسس والے کئی صاحبان اپنی تحقیق RESEARCH کے وقت ہم پر غلط نشاندہی کا بہتان لگا سکتے ہیں یہ اعتراضات ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہم نے اپنے نقشوں کو خاکہ یا بغیر سکیل والے نقشوں کا نام دینا پسند نہ کیا۔ پرانے زمانے کے مؤرخ نقشہ نہیں بناتے تھے بلکہ آج کل بھی غیر فوجی نقشہ نہیں بناتے۔ حدود اربعہ بیان کر دیتے تھے بلکہ پرانے زمانے میں جغرافیہ بھی آج کل کا سروے شدہ جغرافیہ نہ تھا۔ چوتھی صدی میں مشہور مسلمان مؤرخ اور جغرافیہ دان البیرونی نے جغرافیہ کو کچھ موجودہ ناپ توں کی شکل دی ورنہ پرانے زمانے کے جغرافیہ کے نقشے کسی سکیل کے ساتھ نہ ہوتے تھے کچھ بھی شکل بنا دی جاتی تھیں۔ فاصلے اور زمینی حالات قلم سے لکھے جاتے تھے تاریخ کے بامقصد مطالعہ کے لئے فاصلوں کا صحیح ہونا ضروری ہے لیکن امید واثق ہے کہ ہماری چھوٹی موٹی غلطی کو درگزر کیا جائے گا

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

رمضان ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتہ میں جناب خالدؓ ثنیٰ کی طرف روانہ ہوئے یہاں بھی وہی کچھ ہوا جو کیا گیا جو مضیخ میں کیا۔ صرف چاند کا فرق تھا کہ وہ پہلی رات کا تھا لیکن ایک دفعہ عملی تجربہ کے طور پر یہ کام کیا ہوا تھا اس کے علاوہ ثنیٰ میں دشمن بھی کم تھا بہر حال طریقِ کار کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے وہاں دشمن کا سردار ربیعہ بن بجیرہ مارا گیا۔ ربیعہ کی لڑکی کو جناب خالدؓ نے باقی لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ مدینہ شریف بھیج دیا۔ سردار کی لڑکی تھی جناب ابوبکرؓ نے جناب علیؓ کو گذارش کی کہ اس کو زوجیت میں قبول کریں اور انہوں نے منظور کر لیا طبری نے اس شادی کے علاوہ حضرت علیؓ کی اس سلسلہ میں اولاد کا بھی ذکر کیا ہے کہ بیٹی کا نام رقیہؓ بنت رسولؐ اور زوجہ عثمانؓ کے نام پر رکھا اور لڑکے کا نام حضرت عمرؓ کے نام پر رکھا۔ آپ کا صرف یہ بیٹا

اور محمدؒ بن حنیفہ جنگِ کربلا میں نہ شریک ہو سکے اور ان سے آگے اولاد چلی۔ ورنہ آپ کے متعدد بیٹے جن میں ایک کا نام ابوبکرؓ تھا اور ایک کا عثمانؓ وہ بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

اب لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں آج کل ہماری کتابوں سے خارج ہوتی جاتی ہیں کہ صحابہ کی ایک دوسرے سے محبت کے تمام ذکروں کو ختم کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ جنرل اکرم اپنی کتاب اللہ کی تلوار میں اس شادی کا ذکر تو کرتا ہے لیکن حضرت علیؓ کے بیٹی اور بیٹے کے نام کا ذکر نہیں کرتا۔

بشر پر حملہ

ربیعہ کا قلع قمع کرنے کے بعد جناب خالدؓ الزمیل یا بشر کی طرف اس تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے کہ وہاں کے قبائل کو ثنی کے حالات کا پتہ نہ چل جائے۔ ہذیل نے بھی بھاگ کر وہاں پناہ لی ہوئی تھی اور بشر میں عقاب ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ فروکش تھا۔ اس مقام پر بھی جناب خالدؓ نے تین اطراف سے آگے بڑھ کر شبخون مارا۔ اور اس معرکہ میں اتنے دشمن کھیت رہے کہ اس سے پہلے کسی ایک میں نہ ہوئے تھے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا یہاں پر بنو تغلب آباد تھے جو کئی اور مقامات پر بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑ چکے تھے لیکن یہ ان کا مرکز تھا۔ یہ لوگ بری طرح شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے۔

الرضاب پر چڑھائی

جناب خالدؓ بشر سے الرضاب کی طرف بڑھے خبر ملی تھی کہ عین التمر کے حقہ کے خاتمہ کے بعد۔ اس کا بیٹا ہلال کچھ عرب قبائل کو اکٹھا کر کے مسلمانوں سے اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو تمام قبائل منتشر ہو گئے۔ حصید، خنافس، مضیخ، ثنی اور بشر کے حالات سن کر ان کے مزاج خود بخود درست ہو گئے ہوں گے انہیں پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ قبائل کی عام قسم کی جنگ نہ تھی۔ مسلمان ایک عظیم طاقت کے طور پر ابھر رہے تھے جن کے خوف سے ایرانی بھی کانپ رہے تھے۔

مسلمانوں کے جنگی مقاصد

جناب خالدؓ وہ سب کچھ کر چکے تھے جو ان کے سپرد کیا گیا تھا کوئی اور سپہ سالار ہوتا تو زندگی کے باقی دن چین

یا کسی صحت افزا مقام پر بڑے مزے سے بادشاہ کی طرح گزارتا۔ اہلِ ایران دوبارہ مدائن میں دبک کر بیٹھ گئے تھے عرب قبائل تتر بتر ہو چکے تھے اور کوئی دنیاوی حکومت ہوتی تو وہ یہ کہتی کہ جو کچھ حاصل کر لیا تھا اُس کو ہضم کرو لیکن دینِ فطرت کے بوریا نشینوں کے کسی جگہ کے وہ مقاصد نہیں ہوتے جو باطل طاقتوں کے ہوتے ہیں۔ اللہ کی فوج رواں دواں اور مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ اُن کا تعلق ایک متحرک قافلے سے ہے جو صراطِ مستقیم پر آنے کی دعوت دیتا ہے جس نکتہ کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تلوار کو ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے ہاں کسی مرد کو تلوار دکھا کر اُس سے زبردستی کلمہ پڑھوانا فضول حرکت ہے۔ ہمارا کام اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعوت دینا ہے اور اللہ کی زمین جس کے ہم وارث ہیں۔ اُس پر اللہ کے دین کو جاری و ساری کرنا ہے اگر کسی جگہ کوئی ہمارے کردار سے متاثر ہو کر یا مبارک بزرگ کی نگاہ کے اثر سے اسلام لے آتا ہے تو فبہا۔ اِس میں یاد رکھنے والی بات پیشِ لفظ میں عرض کر دی گئی ہے کہ حضور پاک کے جمال و جلال کا چشمہ جاری ہے۔ اللہ کی دین ہے اور اللہ کی عطا ہے۔ کسی اولیا اللہ میں حضور پاک کے جمال کی جھلک پیدا ہوئی اور اُس کی نگاہ میں حضورؐ پاک کے جمال کا اظہار ہوا تو لوگوں کو رحمت اللعالمین کی غلامی نصیب ہو گئی جیسے فقرا کی آمد سے اس خطے میں ہوا۔ جلال کا چشمہ ابھی جاری ہے اور مسلمانوں کے کردار کی جھلک سے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں لیکن اس کام کے لئے متحرک امیرِ کارواں کی ضرورت ہے۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے — اقبالؒ

جناب خالدؓ کی فراض کی طرف پیش قدمی

حضرت خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر ایک اور لمبے سفر پر رواں دواں ہو گئے۔ مہینہ رمضان کا تھا اور آخری ہفتہ تھا۔ مسلمانوں کے نعرہ تکبیر کی صدائیں دونوں دریاؤں کے درمیان گونج رہی تھیں۔ جناب مثنیٰؓ اور دوسرے شاہسوار دجلہ کے کنارے اِس طرح چکر لگا رہے تھے کہ ایرانی دجلہ کے بھی دوسرے کنارے پر محدود ہو کر رہ گئے تھے صرف ساباط کی طرح کی چند مضبوط چھاؤنیاں یا چوکیاں اُس طرف قائم تھیں لیکن ایک جگہ دریائے فرات کے کنارے پر بھی ایرانی فوج کا کوئی دستہ موجود تھا یہاں پر اہلِ روم اور اہلِ ایران کی سرحد ملتی تھی اور اس جگہ کا نام فراض یا الفراض ہے چنانچہ جناب خالدؓ نے الرضاب کی کامیابی کے بعد جلد وہاں کا رُخ کیا۔ واپس حیرہ آنے یا راستے سے ادھر مڑ گئے یہ معاملہ کچھ صاف نہیں بہرحال

اس سرحد پر اہل ایران اور اہل روم دونوں کے فوجی دستے تعینات تھے اور دونوں ممالک جو کچھ عرصہ پہلے ایک دوسرے کے ساتھ حالات جنگ میں رہ چکے تھے۔ اس زمانے میں ایک دوسرے کیساتھ امن کیساتھ رہ رہے تھے۔ اہل ایران مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی مزہ چکھ چکے تھے اور اِن میں اب وہ پہلے والی سکت باقی نہ رہ گئی تھی لیکن اہل روم کی اُس وقت تک باری نہ آئی تھی وہ ویسے خوش تھے کہ مسلمان اور ایرانی آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں گے تو اُن کو کسی ایک سے بھی خطرہ باقی نہ رہ جائے گا لیکن روم کے دستے کے اعلیٰ افسر نے جب دیکھا کہ ایرانی مسلمانوں سے سہم گئے ہیں تو اُس نے ایرانیوں کو تیار کر لیا کہ دونوں مل کر اسلامی لشکر کے ساتھ جنگ کریں۔ مسلمان فرات کے اس طرف تھے اور وہ دونوں لشکر دوسری طرف اور کوئی چھ ہفتے تک طرفین اِسی حالت میں رہے مورخین نے لشکروں کی نفری بہت زیادہ بتائی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ جنگ میں اور بعد میں مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کر کے لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے لاکھوں کا لفظ بیشمار کیلئے استعمال ہوا ہے حقیقت یہ خیال ہے کہ جناب خالدؓ کے پاس اپنا آدھا لشکر یعنی دس ہزار کی نفری ضرور ہوگی اور دونوں دشمنوں کی تعداد ملا کر ان سے دُگنی ہو سکتی ہے یہ اندازہ حالات اور واقعات کے تجزیہ کی مدد سے لگایا جا رہا ہے۔

فراض کی جنگ

رومی لشکر مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا اور وہ بار بار جناب خالدؓ کو جنگ کی دعوت دے رہے تھے۔ جناب خالدؓ اُن دونوں کو دریا پار کرنے کی دعوت دے رہے تھے اُس زمانے کے لحاظ سے ایسا ہوتا رہتا تھا کہ جنگ بھی ایک قسم کی ایک اجتماعی مبارزت ہی ہوتی تھی۔

بہرحال رومیوں نے کسی طرح دریا عبور کر ہی لیا اور ایرانیوں کو بھی دریا عبور کرنے پر مجبور کیا جناب خالدؓ تاک میں تھے وہ شیر کی طرح دونوں دشمنوں پر اُس وقت جھپٹ پڑے جب وہ تجویز ہی بنا رہے تھے کہ مسلمانوں کا مقابلہ مل کر کریں یا الگ الگ اور اتنے دشمن کھیت رہے کہ مؤرخین نے بے شمار کی جگہ لاکھوں کا لفظ استعمال کیا۔ مسلمانوں نے دشمن کا دور دور تک تعاقب بھی کیا اور جگہ جگہ دشمنوں کو چن چن کر مارتے رہے بہت کم نفری اپنے ملکوں میں واپس پہنچی یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا اور اس حربی مظاہرے اور لڑائی کے بعد جناب خالدؓ نے اپنے لشکر کو حیرہ واپس جانے کے احکام دے دیئے۔

جناب خالدؓ کی فریضۂ حج کی ادائیگی

جناب خالدؓ نے لشکر کی کمانڈ جناب عاصمؓ بن عمرو کے حوالے کی اور لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جسے ہم آج کل بھی کرتے ہیں۔ ہراول[1] یعنی ایڈوانس گارڈ۔ قلب یا دل یعنی مین باڈی عقب یا ساقہ۔ یعنی ریئر گارڈ۔ ہر دستہ کا ایک کمانڈر مقرر کیا گیا اور ساقہ پر ایک اہم رازدان شجرہ بن الاعبر کو مقرر کیا اور یہ تاثر دیا کہ خالدؓ ساقہ کے ساتھ آرام آرام سے سفر کریں گے اور باقی لوگ اور کمانڈر اپنی ذمہ داری سے خوب چوکنے رہیں جناب خالدؓ کا ارادہ حج کرنے کا تھا اور وہ یہ کام چھپکے سے کرنا چاہتے تھے کہ پہلے کی طرح اہل عراق وایران کو پتہ نہ چل جائے اور وہ کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ لشکر کے کوچ کے بعد راستے میں جناب خالدؓ رازداری سے لشکر سے نکل گئے اور مکہ کی راہ لی لیکن ممکن ہے کہ جناب خالدؓ بھی کوچ ہی والے دن یا پہلے رازداری سے نکل کر جا چکے ہوں۔ قارئین نقشہ پنجم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب خالدؓ نے دومۃ الجندل، بزدخا یا نقرہ یا خیبر والا راستہ استعمال کیا ہوگا اور مدینہ کے قریب سے ذوقصہ کے پاس سے گزرے ہوں گے۔ مؤرخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں لیکن اگر فاصلے سیدھے طور پہ ناپے جائیں تو جناب خالدؓ کا سفر فراض سے مکہ اور پھر حیرہ تک اگر ناپا جائے تو وہ فراض سے حیرہ کے سفر کے مقابلہ میں چھ گنا ہے۔

خلیفہ وقت سے اجازت لی یا مدینہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پیغام بھیج دیا جناب خالدؓ حج پر چھپ کر کیسے رہ سکتے تھے اور وہ کیسا حج ہوگا جو حاکم وقت کی اجازت کے بغیر کیا جائے یا چھپ کر کیا جائے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جناب خالدؓ نے پہلے اجازت نہ لی ہوگی اور بعد میں جب ارادہ حج کا ہو گیا تو مدینہ سے گزرتے وقت اطلاع دی ہوگی یا اجازت مانگی ہوگی اور خلیفہ وقت نے حکم دیا ہوگا کہ حج رازداری سے کیا جائے طبری کے حوالے سے مؤرخین کہتے ہیں کہ خلیفہ وقت نے یہ بات ناپسند کی۔ طبری کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ابوبکرؓ نے خالدؓ پر عتاب کیا اور عتاب یہ کیا کہ اُن لوگوں کو شام بھیج دیا" اگلے باب میں خلیفہ اوّل کے اُس خط کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جس میں آپؓ نے جناب خالدؓ کو شام جانے کا حکم دیا اور اُس خط کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ لگائیں کہ خط میں عتاب ہے یا عزت افزائی۔ واقعات آگے ثابت کریں گے کہ جناب خالدؓ کی شہرت

---

[1] ہراول دستوں کو جیش المقدم بھی کہتے ہیں

ملک شام میں پہنچ کر دوبالا ہوگئی اور فی الحال ہم اسی پر اکتفا کریں گے کہ شام میں جاکر جن لشکروں کے آپ سپہ سالار اعظم بن گئے اُن میں ایک لشکر کی کمانڈ جناب امین الامت ابو عبیدہؓ بن جراح کر رہے تھے جناب خالدؓ کی اپنی شان ہے لیکن جو لوگ امین الامت کی شان کو سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ جناب خالدؓ کی اِس سے زیادہ کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ حضور پاکؐ کے بدن مبارک سے اپنے منہ سے خود کے ٹکڑے نکالنے والے پر کمانڈ کرنے کا موقع ملے۔ جناب ابو عبیدہؓ عشرہ بشرہ میں شامل ہیں۔ کتابوں کے سلسلہ کے حصّہ دوم میں آپؓ کے ساتھ اکثر ملاقات ہوگی اور جلالِ مصطفےٰؐ میں آپ کی شان کی جھلکیاں اکثر ابواب میں موجود ہیں۔

جناب خالدؓ نے یہ سفر اکیلے نہ کیا۔ چند اہم رازداروں اور شہسواروں کے ساتھ مل کر فریضہ حج ادا کیا۔ افسوس کہ مؤرخین نے نہ تو ساتھیوں کے نام لکھے نہ سفر کے حالات پر کوئی تبصرہ یا تجزیہ کیا۔ صرف یہ لکھا کہ جب اہلِ لشکر واپس حیرہ پہنچے تو خالدؓ بھی اُسی دوران پہنچ گئے اور انہوں نے چھ گنا سفر اُسی عرصہ میں طے کر لیا۔

"وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا   اقبالؒ

نتائج و اسباق

اس باب میں متفرق کارروائیاں ہیں۔ ایک طرف ایرانی اور دشمن عرب قبائل کا فرات کے عرب والی طرف سے مکمل صفایا ہو گیا تو دوسری طرف مسلمان لشکر مشرق کی طرف سے بھی شام کی سرحدوں پر پہنچ گئے جنوب سے تین لشکر تو پہلے سے اہلِ روم کی "دیکھ بھال" پر لگے ہوئے تھے اب وہاں پر نئی تنظیم کے تحت چار لشکر تیار ہوئے اور انہوں نے بے فکری سے کام شروع کر دیا کہ اُن کو مشرق کی طرف سے کسی دشمنانہ حرکت کا کوئی ڈر باقی نہ رہا

۲۔ ایرانی سہم گئے وہ دبک کر مدائن اور بڑے شہروں میں بیٹھ گئے۔

۳۔ شبخون کی اس کارروائی کا اس باب اور پچھلے باب میں ذکر ہے۔ شبخون مار کر بہتر نتائج حاصل کئے اس سے دشمن پر زیادہ رعب بیٹھ گیا کہ ایسی قوم کے ساتھ مقابلہ ہے جس کا دن رات ایک ہے رات کی کارروائی بڑی مشکل ہوتی ہے اور بڑی تربیت اور ضبط و ربط کی ضرورت ہوتی ہے۔ شبخون مارنے کے لئے تمام تر باقاعدہ فوج اور مجاہدین جب تک کفن پوش نہ بنیں کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ بڑ وسیع تجربہ چاہئیے کیونکہ مختلف زمینی حالات کے لئے طریق کار مختلف اختیار کرنا پڑتا ہے۔

۴. صحابہ کرامؓ کی ایک دوسرے کے ساتھ الفت کو خاص کر واضح کیا گیا ساتھ ہی یہ ثبوت بھی پیش کر دیا گیا کہ اس زمانے میں بھی اچھے بھلے سمجھدار لوگوں میں کئی ایسے ہیں کہ الفت والی باتوں پر پردہ ڈال دیں گے اور تفرقہ والی باتیں بغیر وجہ آگے لے آئیں گے اور بے معنی تفرقات کو بھی خواہ مخواہ بیان کریں گے ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم ایسی تحریر سے بچیں جو اختلافی ہو اور ہم وحدت کے راستہ پر چلیں۔ پیش لفظ میں بیان کر دیا گیا تھا۔ واقعات کو اُن کے نتائج اور اثرات سے پرکھیں اور پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا یہ عمل اُن لوگوں کے ہیں جو ہمارے آقاؐ کے رفقاء تھے؟ اگر آپ کا دل صاف ہے تو ہر چیز آپ کو صاف نظر آئے گی۔

سولھواں باب

فاتحین عراق کا عراق کو الوداع

مرتدین کی کارروائیوں کے سلسلہ میں پہلے چار ابواب کی کارروائیوں کا خلاصہ بھی پیش کیا گیا تھا کہ مختلف وقتوں میں مختلف لشکر مختلف مقامات اور مہموں پر برسرِ پیکار رہے۔ ان اگلے بارہ ابواب میں عراق کی فتح کے واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور باب بھی چھوٹے ہیں۔ چونکہ یہ سالارِ اعظم ہی ایک تھے۔ تو واقعات میں از خود تسلسل ہے اور مدد کے لئے جو نقشے شامل کئے گئے ہیں وہ حالات کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ جناب خالدؓ کے لشکر کی تعداد کوئی اٹھارہ ہزار کے قریب بنتی ہے اور اگر تمام آنے جانے والے مسلمان مجاہدین کو شامل کیا جائے جو کسی نہ کسی طرح عراق کی جنگ میں شریک ہوئے تو پھر بھی کل مسلمان جنہوں نے اس جہاد میں شرکت کی ان کی تعداد بیس پچیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی جناب خالدؓ نے اس لشکر کے ساتھ کم از کم ایک درجن کے قریب بڑی لڑائیاں لڑیں اور جھڑپوں کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

دشمن کی تعداد اور نقصانات

مسلمانوں کے مقابلہ میں اہلِ ایران لاکھوں جوانوں کو میدان جنگ میں لے آئے تمام ایرانی اور عرب قبائل جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ لڑی اُن کی کل تعداد پانچ لاکھ سے کم نہیں بنتی۔ دشمن کے جتنے لوگ کھیت رہے اُن کی تعداد بھی لاکھوں میں جاتی ہے اِن جنگوں کے واقعات کو تسلسل سے بیان کئے بغیر اگر خالی یہ کہہ دیا جائے کہ اٹھارہ سے بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ جناب خالدؓ نے بارہ بڑی جنگوں میں ایرانیوں کو شکست دی اور ہر جنگ میں ایرانیوں کی تعداد پچاس ہزار سے کم نہ تھی اور اتنا بڑا وسیع علاقہ فتح کیا تو عسکری تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس بات کو تسلیم نہ کرے گا اور یہ حقیقت بات یہ ہے کہ عسکری تاریخ کا طالب علم ہر چیز کو سو فیصدی دنیاوی پیمانوں سے ناپے گا لیکن دین فطرت

کے ساتھ یہ پیمانے نہیں چل سکتے یہاں ان ہونی کو بہت بڑا دخل ہے یہاں اس چیز کو ہم اپنی زبان میں معجزہ کہتے ہیں۔

ایک سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا معجزہ سقوطِ بغداد کے وقت کیوں نہ رونما ہوا۔ محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں کیوں نہ رونما ہوا اور آج کل کیوں رونما نہیں ہو رہا صرف اُسی زمانے میں کیوں رونما ہوا تو اُس کا جواب یہ ہے ایسے معجزے صرف اُسی وقت رونما ہوتے ہیں جب ہمارے مقاصدِ زندگی ہمارے سامنے ہوں اور ہم اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کر رہے ہوں۔

جناب خالدؓ کا طریقِ کار

جناب خالدؓ نے وہی طرزِ جنگ اپنایا جو ہمارے آقاؐ سکھا گئے تھے۔ طرزِ جنگ، تدبیرات، سلیقہ، ہنر، فن سب نرالے ہیں کہ ان کی بنیاد اسلام کے فلسفۂ حیات پر باندھی جاتی ہے۔ ایرانیوں نے قدامت پسند قسم کی لڑائی لڑ کر جگہ جگہ مار کھائی۔ تعداد میں برتری کے باوجود کسی ایک جگہ بھی جارحانہ کارروائی نہ کرسکے جناب خالدؓ اِن تمام فتوحات کو حاصل کرنے کے بعد بھی خاموشی سے نہ بیٹھے تھے بلکہ متحرک دین کے شیدا۔ عراق کے شہروں پر چھاپے پہ چھاپہ مار رہے تھے یہ چھاپے زیادہ تر جناب مثنیٰؓ کے ماتحت ہوتے رہے لیکن ایک چھاپے میں خود جناب خالدؓ بھی شریک ہوئے اور یہ چھاپہ بغداد کی منڈی اور بازار پر تھا لیکن اللہ کی تلوار نے اب دین کی ایک اور سلطنت کو تہس نہس کرنا تھا چنانچہ نئی ہجری یعنی تیرھویں ہجری کے چوتھے مہینہ میں وہ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فاتحین عراق، عراق کو الوداع کہہ رہے تھے جناب خالدؓ اکیلے نہ تھے فاتحین کی کچھ تعداد اُن کے ساتھ تھی اِسی وجہ سے اِس باب کو اُن سب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

خلیفہ اوّل کا خط

چند دن پہلے جناب خالدؓ کو خلیفہ اوّل کا خط ملا جس کے بارے میں پچھلے باب میں لکھا ہے کہ طبری نے اس خط کے لئے عتاب کا لفظ استعمال کیا لیکن خط میں ہمیں تو کوئی عتاب والی بات نظر نہیں آتی طبری نے

اس خط پر اور کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن ہمارے اس زمانے کے مبصر طبری کے "عتاب" کے لفظ کو اپنی زبان میں بیان کر کے اضافی لفظوں کی ذمہ داری خواہ مخواہ طبری کے سر ڈال دیتے ہیں "لکھتے ہیں خالدؓ نے تھوڑا سا خط پڑھ تو بگڑ گئے لیکن جب خط آگے پڑھا تو دل باغ باغ ہو گیا"

تبصرہ

ہم عام طور پر کوئی بیان لکھنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تبصرہ پہلے ہی پیش کر رہے ہیں کہ وہ کونسا ایسا راوی بیٹھا تھا جس نے جناب خالدؓ کو بڑبڑاتے دیکھا جس کے بارے واقعہ کے تین سو سال بعد طبری کو تو پتہ نہ چلا لیکن چودہ سو سال بعد ہمارے مبصر کو پتہ چل گیا۔ دوم اس میں عتاب نہ تھا بلکہ عزت افزائی تھی اب مکمل خط قارئین کے مطالعہ یا جائزہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جانب اللہ کا بندہ عتیقؓ بن ابو قحافہ بنام خالدؓ بن ولید

السلام علیکم سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور ہم اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ آپ کوچ کریں یہاں تک کہ آپ مسلمان مجاہدین کے شام کے علاقہ میں اجتماع والے مقامات تک پہنچ جائیں میں آپ کو مسلمان مجاہدوں کی افواج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ اہل روم کیساتھ جنگ کریں آپ ابو عبیدہؓ اور اس کے ساتھ والوں کے بھی اعلیٰ افسر یا کمانڈر ہوں گے۔

تیزی کے ساتھ بڑھو اور مقصد کو سامنے رکھو۔ اے ابو سلیمانؓ:۔ اللہ کی مدد سے اپنی ذمہ داری کو پورا کرو کیونکہ اللہ کی شان بہت بلند ہے ہمیشہ اُن میں سے رہو جو اللہ والے ہیں اور یہ حرکت جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ اپنی فوج کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرو اور آدھی فوج مثنیؓ کو دے دو کہ وہ عراق کے سپہ سالار ہوں گے نہ تمہارے پاس زیادہ فوجی ہوجائیں نہ اُس کے پاس زیادہ۔ فتح کے بعد آپ عراق واپس آئیں گے اور پھر کمانڈ سنبھال لیں گے۔

یہ خدا کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو۔ اے ابو سلیمانؓ! میں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں اب اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ تمہارے دل میں فخر پیدا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ فخر کا

انجام خسارہ اور رسوائی ہے اور نہ اپنے کسی فعل پر نازاں ہونا کیونکہ فضل و کرم کرنے والا صرف خدا ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے۔

قارئین کا فیصلہ

اب یہ فیصلہ قارئین کریں کہ اس میں عتاب والی بات کون سی ہے اس لئے طبری کے تبصرہ والی بات تو وہیں ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن ہمارے مبصر سے پوچھیں کہ خط کے شروع میں ایسی کون سی بات تھی جس کو پڑھ کر جناب خالدؓ کو حضرت عمرؓ پر غصہ آیا اور آخر میں کون سی بات تھی جس کو پڑھ کر جناب خالدؓ کا دل باغ باغ ہو گیا اگر کوئی خوشی کی بات تھی تو خط کے شروع میں ہے کہ شام کی امارت ملی اور ابو عبیدہؓ پر کمانڈ کیونکہ خالدؓ جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سمجھتے تھے اور جناب صدیق اکبرؓ نے اسی وجہ سے جناب ابو عبیدہؓ کا نام لکھا کہ وہ بھی جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سمجھتے تھے اور خالدؓ کو عزت افزائی کی ساتھ ہی مبارک دے رہے تھے کہ ان کو کتنی بلندی مل رہی ہے۔ خط کے آخر میں جو نصیحتیں ہیں ان میں بھی ہمیں تو کوئی عتاب والی بات نظر نہیں آتی۔ ہاں البتہ ایک فقرہ ہے اور وہ خط کے عین درمیان میں کہ "یہ جو تم نے حرکت کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو" مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ خالدؓ کے حج پر بغیر اجازت جانے کے سلسلہ میں تنبیہہ تھی ہمارا یہاں پر مؤرخین کے ساتھ اختلاف ہے کہ اگر حج بغیر اجازت کرتے تو تنبیہہ محرم یا صفر کے مہینہ میں ہوتی یہ خط ربیع الاوّل کے آخری ہفتہ یا ربیع الثانی میں ملا یہ حج اجازت کے بغیر نہیں کیا یہ تنبیہہ بھی صرف خالدؓ کو ایک مشورہ تھا کہ وہ اپنی حفاظت کا خیال رکھیں اور دور جا کر بغداد میں چند محافظوں کے ساتھ چھاپہ مارنے کا جو کام سپہ سالار اعظم کی حیثیت سے کیا تھا وہ نہیں کرنا چاہیئے تھا اور اس سلسلہ میں کوئی مفصل خط شاید پہلے بھی لکھا ہو وہاں تو ہر ہفتہ خط آتے ہوں گے حج کے سلسلہ میں چار ماہ بعد تنبیہہ والی بات بھی اتنا ہی افسانہ ہے جتنا حج پر بلا اجازت جانے کی بات

لشکر کی تقسیم

لشکر کی تقسیم اور مجاہدین کے الوداع کے واقعات وہ ہی بیان کر سکتا ہے جس نے ایسا نظارہ کبھی خود دیکھا ہو۔ آپ لوگوں نے خود کئی دفعہ اپنی یونٹوں سے لوگوں کو دوسری یونٹ میں جاتے وقت الوداع کیا ہو گا۔ کئی افسران کو اس چیز سے واسطہ پڑتا ہے زندگی میں ایسے کئی واقعات سے واسطہ پڑا بلکہ محاذ جنگ پر

سے کئی لوگوں کو الوداع کہنا پڑا ہے بلکہ خود راقم نے بھی دو دفعہ محاذ جنگ پر اپنے اُن ساتھیوں کو الوداع کہا جن کیساتھ دشمن کے نرغہ کے نیچے رہا۔ خاص کر فروری ۱۹۶۶ء میں جب میں اپنے عظیم ساتھیوں کو بی آر بی پر الوداع کر رہا تھا اور مجاہدین کی ایک اور بٹالین کو کنٹرول کر کے محاذ پر لانے کے لئے تیار ہو رہا تھا تو وہ گھڑیاں اور الوداع مجھے کبھی نہیں بھول سکتا۔

جناب خالدؓ کی لشکر کی تقسیم

جناب خالدؓ نے لشکر بالکل آدھا آدھا بانٹ دیا لیکن جن کو زیادہ جانتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو زیادہ تر اپنے لشکر کا ہی حصہ بنایا اور پھر جناب مثنیٰؓ کو لشکر کی تقسیم کے بارے میں بتایا۔

جناب مثنیٰؓ کی عرضداشت

جناب مثنیٰ پہلے مسکرائے پھر عرض کی "اے سالارِ لشکر! آپ نے خلیفہ اوّلؓ کے خط سے مجھے صحیح طور پر آگاہ کیا اس کیلئے میں آپکا شکر گزار ہوں اے سالار لشکر کی بانٹ ویسے ہی ہونا چاہیئے جیسے خلیفہ اوّلؓ نے لکھی ہے اور آپ نے مجھے پڑھ کر سنائی" پھر آبدیدہ ہو کر عرض کی۔ "اے سالار لشکر۔ بخدا صحابہ کرامؓ کے بغیر مجھے دشمن پر غالب ہونے کی امید نہیں ہے۔ آپ مجھے ان حضرات سے کیوں محروم کرتے ہیں؟"

تبصرہ

خدا کا شکر ہے کہ کسی مبصر نے دو عظیم سالاروں کی اس گفتگو یا واقعہ کو تفرقہ بنا کر پیش نہیں کیا لیکن ہمارے لئے جناب مثنیٰؓ کے الفاظ میں بڑا سبق ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی شان کو سمجھتے تھے اس لئے ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کی وہی عزت کرنا چاہیئے جو مثنیٰؓ جیسے عظیم مجاہد کو اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی۔

جناب خالدؓ کا جواب

جناب خالدؓ یوں گویا ہوئے۔ اے ابن حارثؓ! بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں میں غلط تھا اب بانٹ اسی طرح ہوگی کہ معقلؓ میرے ساتھ جائیں گے تو ان کے بھائی عاصمؓ آپ کے ساتھ رہیں گے جناب مقرنؓ کے

جتنے میٹوں میں سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھ لو اور اتنے ہی مجھے دے دو اگر ضرارؓ بن ازور میرے ساتھ جائیں گے تو بولسمیا صحابہ کرامؓ سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھ لو وغیرہ

لشکر کی دوبارہ بانٹ

بہرحال لشکر اس طرح بانٹا گیا کہ جناب مثنیٰؓ کو پوری تسلی ہو گئی کہ اسلام کے لحاظ سے بندوں کو تولا کرتے ہیں گنا نہیں کرتے جس کا کردار بلند ہو وہی اللہ کے ہاں برتر ہے اور صحابہ کرامؓ کی شان کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی جناب مثنیٰؓ کے لشکر میں مذکور صحابہ کے علاوہ حضرت فراتؓ بن حیان، حضرت بشیرؓ بن الخاصیہ، حضرت حارثؓ بن حسان، حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ، حضرت حارثؓ بن بلال اور حضرت معبدؓ جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے

جناب خالدؓ کا کوچ

جناب خالدؓ کے عراق سے کوچ کے نظارہ کو اور سفر کے حالات کو دوسری کتاب میں بیان کیا جائے گا۔ جناب مثنیٰؓ نے کئی سو میل اپنے عظیم سپہ سالار کے ساتھ سفر کیا اور قراقر تک گئے لیکن اللہ کے حبیبؐ کے غلاموں کا یہ سفر جو ایک فتح عظیم کے بعد کئی فتوحات کو اپنے اندر رکھے ہوئے ایک مکمل باب کے طور پر حصہ دوم کی زینت بنے گا خالدؓ اور مثنیٰؓ کی الوداعی بغل گیری اور اس سفر میں دونوں کی رفاقت کو ہمارے مؤرخین نے بڑے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے. قارئین کو یاد ہو گا کہ یہ عظیم مجاہد سب سے پہلے نباج میں ملے جہاں پر حضرت مثنیٰؓ نے اللہ کی تلوار کو خوش آمدید کہا۔ وہاں عراق کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ آج شام کی سرحد پر قراقر کے مقام پر ایک دوسرے کو الوداع کر رہے تھے شہادت میں جناب مثنیٰؓ کو سبقت حاصل ہو گئی لیکن اللہ کی تلوارؓ کو دشمن کی تلوار گزند نہ پہنچا سکی یہ بیان دوسری جلد میں کچھ مکمل ہو گا لیکن اب ذرا ہم اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس نے جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰؓ جیسے عظیم فرزند پیدا کئے۔ افسوس کہ ہم اسلام کی جگہ دنیاوی چکروں میں ہیں۔

"کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش

اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش" اقبالؒ

سترہواں باب
بابل کی جنگ

مثنیٰؓ ابن حارث

جناب خالدؓ کا عراق سے کوچ اور شام کی طرف روانگی کو دشمن سے چھپایا نہ جا سکا۔ ایرانی خوش تھے کہ اب مسلمان اہل روم کے ساتھ اُلجھ کر رہ جائیں گے۔ اس لئے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ مسلمانوں کو عراق سے باہر نکال دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مثنیٰؓ کو وہ مقام حاصل نہیں جو اللہ کی تلوار کو حاصل ہے اور یہ اللہ کی دین اور عطا ہے لیکن فوجی بصیرت، غیر تمندی اور نبض شناسی کے لحاظ سے جو مقام جناب مثنیٰؓ کو حاصل ہے، دنیا کی عسکری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام کے یہ عظیم فرزند دنیا کے عظیم ترین فوجی ماہرین میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ان صفات کے علاوہ عالی حوصلگی، شجاعت، دلیری، ثابت قدمی اور میدانِ جنگ میں چوکنے رہنے میں بھی ان کے مقابلے کے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں۔

جناب مثنیٰؓ بن حارث کی وفاداری، اطاعتِ امیر، اسلامی فلسفہ کی خدمی، اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کی کوشش اور اسلام کی خدمت میں اس طرح رواں دواں رہنا کہ اسلام اور عسکریت ان کا اوڑھنا بچھونا بن جائے۔ ایسی خصوصیات ہیں جو انسان کو بے حد متاثر کرتی ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد جب دو کروں کی عسکری تاریخ کچھ عرصہ تک میرے مطالعے میں رہی تو اسلام کے جن عظیم مجاہدین کے سامنے مجھے غیروں کے بڑے بڑے جرنیل بونے نظر آئے ان مجاہدین میں جناب مثنیٰؓ بھی شامل ہیں۔ خاص کر آنے والے واقعات اور حالات کو بروقت بھانپ لینے کا ملکہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ جناب مثنیٰؓ کی نظر ہر آنے والے واقعہ کو سمجھنے کی جو بصیرت رکھتی تھی اور پھر وہ آنے والے واقعات کے ساتھ دوچار ہونے کے لیے جو تجویز بناتے تھے اور جو پیش بینی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی وہ سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔

تبصرہ

آنے والے واقعات کا صحیح اور بروقت تجزیہ کر کے حالات کے ساتھ دوچار ہونے کی ضرورت ہر سطح پر

ہوتی ہے اور جس قوم کے فرد ہر سطح پر ایسی سوچ رکھتے ہوں یا ان میں ایسی سوچ پیدا کی جائے تو وہ قوم کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں کبھی کوئی کوشش نہیں کی کہ آنے والے واقعات کا جائزہ لیں اور اپنے ذمہ دار آدمیوں کو اس کی تربیت دیں کہ وہ بروقت کارروائی اور حالات کے ساتھ کامیابی سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہوں۔ جس قوم کے راہنما ماضی کے حالات کا تجزیہ کر کے اپنے حالات درست نہیں کرتے کہ مستقبل کے حالات ان کی مرضی کے مطابق چلیں۔ وہ قوم زیادہ دن عزت کی زندگی نہیں گذار سکتی۔ وہ غیروں کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں اور ان کی سب کارروائیاں ردعمل کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان تمام اگلے ابواب میں یا تو جناب مثنیٰؓ کے اپنے عمل ہیں یا ان کی سوچ کے مطابق خلفاءِ راشدین نے جو حکمت عملی مقرر کی وہ کامیاب رہی اور جو کچھ اس وقت تک ہوا اس حکمت عملی کے تعین میں بھی جناب مثنیٰؓ کی سربراہی اوپر سے لے کر میدان جنگ کی کارروائی کی سطح تک شامل تھی کیونکہ حضرت مثنیٰؓ واقعات سے آگے آگے چلتے تھے۔

فوجی چوکیوں کا اہتمام

جناب خالدؓ کے شام کی طرف کوچ کے بعد حضرت مثنیٰؓ نے سب سے پہلے "خالی جگہوں" کو پُر کیا اور تجربہ کار امراء کو آگے والی چوکیوں پر متعین کیا۔ اپنی چوکی پر اپنے بھائی جناب معنیٰؓ کو مقرر کیا۔ یہ اہم مقام تھا اور دریائے دجلہ کے کنارے سیب کے علاقہ میں واقع تھا۔ ضرارؓ بن الازور کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی جناب مسعود کو متعین کیا۔ ایک اور خاص مقام پر جناب مذعورؓ بن عدی کو مقرر کیا۔ آپ کا تعلق بنو عجل سے تھا۔ جناب ضرارؓ بن خطاب کی جگہ آپ نے عظیم صحابی حضرت عتبہؓ بن النہاس کو مقرر کیا۔

حضرت مثنیٰؓ کا جائزہ

حضرت مثنیٰؓ کی دور رس نگاہ بھانپ چکی تھی کہ جناب خالدؓ کے چلے جانے کے بعد ایرانی ضرور کوئی بھرپور کارروائی کریں گے۔ اس لئے اگر مسلمان فوجی دستے اپنی چوکیوں میں دبک کر بیٹھ گئے تو یہ ایک انفعالی دفاع ہو گا اور پھر عراق میں مسلمان زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ متحرک ہو جاؤ اور جگہ جگہ دشمن پر چھاپے مارتے رہو۔ یہ چھاپے اوپر انبار کے علاقے میں تو محدود علاقوں میں تھے لیکن واسط اور مدائن کے علاقوں میں ان کو تیز تر کر دیا گیا۔ ایرانی اس طرز جنگ میں تو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور ہلکے پھلکے مسلمان دستوں نے

ان کا ناک میں دم کر دیا۔ ایرانیوں کے لئے ان حالات میں بہتر تھا کہ وہ کسی لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مرکز پر حملہ آور ہوں۔ جنگ کے اصولوں کے لحاظ سے یہ صحیح طریق کار ہے کہ "منبع" کو ختم کردو۔ لیکن حضرت مثنیٰؓ ان سے ایک قدم آگے تھے۔ انہوں نے سوچا ہوا تھا کہ ایرانیوں کے پاس اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار باقی نہیں اور وہ اس کے لئے تیار تھے۔

کسریٰ کا جناب مثنیٰؓ کو خط

ایران کے بادشاہ کے پاس کچھ نہ کچھ فوج تو موجود رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی کرے۔ لیکن ایران کے بادشاہ شہر براز نے بے وقوفی یہ کی کہ اپنی طرف سے ایک "ذلت آمیز" قسم کا خط بھی جناب مثنیٰؓ کو لکھ دیا، جس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔

"یہ خط شہر باراز کی طرف سے مثنیٰؓ کو لکھا جاتا ہے۔" تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تمہارے مقابلے کے لئے اہل فارس کی رذیل اور کمینی فوج بھیج رہا ہوں یہ لوگ مرغیاں اور خنزیر پالنے والے ہیں۔ میں تمہیں انہی لوگوں کے ہاتھ سے قتل کراؤں گا۔"

حضرت مثنیٰؓ کا جواب

اب اسلام کے عظیم فرزند کا جواب سنیں:

"یہ خط مثنیٰؓ کی طرف سے شہر براز کے نام لکھا جاتا ہے۔ جو تم نے لکھا ہے تم خود بھی دبی ہو۔ اس لئے اس میں تمہارے لئے برائی اور ہمارے لئے بھلائی ہے۔ یا تم جھوٹ بول رہے ہو مگر یاد رکھو کہ اگر بادشاہ جھوٹا ہوتا ہے تو وہ زیادہ سزا کا حق دار ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے۔ تمہارے خط سے ہم یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ تم ان رذیلوں اور کمینوں سے کام لینے پر مجبور ہو گئے ہو۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے تمہارے کبر و مکر کو بکریاں، مرغیاں اور خنزیر پالنے والوں تک پہنچا دیا۔"

طبری کے مطابق اس خط و کتابت نے مدائن کے لوگوں پر بڑا اثر کیا۔ خاص کر بادشاہ کے خط نے لوگوں کو بڑا اثر سار کیا۔

تبصرہ

یہ دونوں خط تاریخ کا حصہ ہیں۔ بادشاہ کا خط گیدڑ بھبکی ہے اور جناب مثنیٰؓ کا جواب ادب کا ایک شہ پارہ ہے۔ خط میں پختگی، ثابت قدمی، مومن کی فراست اور اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں یعنی اسلام نے ایک عام قبیلہ کے سردار کو بادشاہ کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہت بلند کر دیا لیکن افسوس کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہم نے بھی ایرانی بادشاہ کی طرح گیدڑ بھبکیوں پر گذارا کیا اور پھر نتیجہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دیکھ لیا۔

ہرمز کی پیش قدمی

جناب مثنیٰؓ بن حارث چوکنے تھے ایرانی بادشاہ کے خط کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ایرانی فوج پیش قدمی کرے گی۔ ان کو اپنی چوکیوں سے لمحے لمحے کی خبر مل رہی تھی۔ وہ دشمن کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی ہرمز نے دریائے دجلہ کو ایک لشکر کے ساتھ پار کیا۔ حضرت مثنیٰؓ کو خبر مل گئی۔ یہ ایک نیا ہرمز تھا جو کہ پچاس ہزار درہم کی ٹوپی پہنتا تھا اور ہرمز جاذبیہ کہلاتا تھا۔ ایرانی لشکر کی تعداد کے بارے میں مؤرخین کچھ خاموش ہیں اور کچھ بعد کے مورخین کا خیال ہے کہ ایرانی لشکر دس ہزار کے قریب تھا۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ انکے خیال کے مطابق جناب خالدؓ چلے گئے تھے اور اب مسلمان ایک "تر نوالہ" تھے لیکن باقی تمام جنگوں کی نفری کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمارا اندازہ ہے کہ ہرمز کے لشکر کی نفری پندرہ ہزار سے زیادہ ہی ہوگی۔

جناب مثنیٰؓ کو جیسے یہ خبر ملی آپ نے حیرہ میں انتظار نہ کیا اور اپنے ساتھ آٹھ ہزار مجاہدین لے کر باطل کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہو گئے اور دریائے فرات کو پار کیا۔ نقشہ نمبر کی مدد سے حضرت مثنیٰؓ اور ہرمز دونوں کی پیش قدمی کا مطالعہ کریں کہ جناب مثنیٰؓ نے حیرہ سے آگے بڑھ کر بابل کے مقام کے نزدیک ایک ایسی جگہ پر صف بندی اختیار کی۔ جہاں دریائے فرات کا چھوٹا سا معاون دریا گذرتا تھا۔ آپ نے اس چھوٹے دریا کو دفاعی پوزیشن میں استعمال کیا۔ جناب خالدؓ کو گئے ہوئے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے ہوں گے۔ یہ واقعہ بھی تیرہ ہجری کے ربیع الثانی کے آخری ایام کا ہے۔

نقشہ نہم - بابل، کسکر، جسر اور بویب
کی جنگوں کا علاقہ
(جناب مثنیٰؓ اور جناب ابوعبیدؓ کی جنگیں)
ایرانی فوجی قیادت
دریائے دجلہ
مدائن
ساباط
دریائے فرات
شمال
بابل
ہرمز
مثنیٰؓ
مہران
بویب
مثنیٰؓ
بانقیا
جالینوس
ابوعبیدؓ
بہمن جسر
ابوعبیدؓ
حیرہ
جابان
نمارق
ابوعبیدؓ
قادسیہ
مثنیٰؓ
خفان
ابوعبیدؓ
الیس
دلجہ
کسکر
(واسط)
ابوعبیدؓ
نرسی
سکیل - RF ۱ ۲۰۰۰,۰۰۰
× جہاں پر یہ جنگیں ہوئیں

جنگ کی کاروائی

مؤرخین جنگ کی کاروائی کی تفصیل میں نہیں جاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ بابل کے نزدیک کنڈ کے پاس شدید لڑائی ہوئی۔ ایرانی فوج میں ایک ہاتھی بھی تھا جس پر حملہ کرکے مسلمانوں نے اس کو مار دیا۔ اہل فارس نے شکست کھائی۔ مسلمانوں نے دشمن کا مدائن تک تعاقب کیا۔ اس شکست کی خبر سن کر شہر بازار کا بھی انتقال ہو گیا۔

ایران میں تخت نشینی کا جھگڑا اور اندرونی خلفشار

اسی زمانے میں مؤرخین ایران کے اندرونی خلفشار اور حکومت کے جھگڑوں کی تفصیل لکھتے ہیں۔ ان کے مطابق ایک سال کے اندر اندر ایک مرد بادشاہ سابور یا صبور اور دو عورتیں تخت پر بیٹھیں اور آخر میں ملک کا بادشاہ یزدجرد بن گیا اور رستم وزیر جنگ کی حیثیت سے کرتا دھرتا ہو گیا۔ عورتوں میں سے آزرمیدخت بڑی خوبصورت تھی اور ہر شہزادہ یا جرنیل اس کے ساتھ شادی کا خواہاں تھا۔ اس شادی کی خواہشات اس وقت ظاہر کی گئیں جب وہ تخت پر بیٹھی۔ شہنشاہ صبور نے اسکی شادی جنرل فرخ زاد سے کرنیکا فیصلہ کیا تھا۔ مؤرخین میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ آزرمیدخت نے فرخ زاد کو مدائن بلا کر دھوکے سے مروا دیا کیونکہ فرخ زاد بوڑھا آدمی تھا اور شہزادی کو بات پسند نہ آئی تھی۔ فرخ زاد کا بیٹا رستم جو خراسان میں باپ کا نائب تھا، اس نے دارالحکومت پر حملہ کرکے آزرمیدخت کو مروا دیا اور یزدجرد کو کہیں سے ڈھونڈ نکالا اور اس کو تخت پر بٹھا دیا اور خود وزیر جنگ بن گیا۔ یہ سب جھگڑے جنگ بابل کے بعد ہی تھوڑے عرصہ میں ظہور پذیر ہو گئے۔

حضرت مثنیٰؓ کی مدینہ کو روانگی

اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مثنیٰؓ کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ خوش ہوتا کہ ایرانیوں میں خلفشار ہے۔ اور آرام سے بیٹھ جائے کہ جو کچھ حاصل ہو گیا ہے اسی پر مزے سے حکومت کرتا یا ایرانیوں کی کمزوری اور خلفشار کو دیکھ کر اپنے آپ کو ایرانیوں کے ساتھ جنگوں میں الجھا بیٹھتا لیکن جناب مثنیٰؓ کو بقول علامہ اقبال اللہ تعالیٰ نے "دل بینا" عطا کیا ہوا تھا اور مومن کی فراست آپ کے حصہ میں کافی زیادہ آئی ہوئی تھی۔ جس بارے میں حضور پاکؐ فرما گئے تھے کہ "مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" تو جناب مثنیٰؓ

بھی اللہ کے نور سے دیکھتے تھے اور وہ واقعات کو بھانپ گئے کہ ایران کا بجھتا ہوا چراغ اب آخری روشنی دے رہا تھا لیکن جناب مثنیٰؓ کی نو دس ہزار فوج ایران کے ان علاقوں میں کسی ایک مقام کی حفاظت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے لشکر کی کمانڈ جناب بشیرؓ بن الخصاصہ کو سونپ دی۔ آپ عظیم صحابی تھے۔ اور جناب مثنیٰؓ خود مدینہ روانہ ہو گئے۔ جناب مثنیٰؓ ان تھک مجاہد تھے وہ بڑے سے بڑا لشکر تیار کرنا چاہتے تھے اور ان نو مسلم گروہوں کو لشکرِ اسلام میں داخل کرنے کے حق میں تھے جو توبہ کر چکے تھے لیکن جناب صدیق اکبرؓ نے ایسے لوگوں کی مجاہدین میں شمولیت پر پابندی لگا رکھی تھی۔ گو معافی سب کو مل گئی تھی یعنی ان کا امتحان اس وقت تک پورا نہ ہوا تھا۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اسلام لاؤ لشکر تیار کرنے اور ان کی مدد سے دنیا کو تہس نہس کرنے کے حق میں نہیں اور نہ "کرایہ کے سپاہی" کی اسلام میں گنجائش ہے۔ اسلام میں اوّل ضرورت یہ ہے کہ انسان خود اسلامی فلسفۂ حیات پر عمل کر رہا ہو تو وہ تب ہی جہاد میں شرکت کر سکتا ہے اور جب تک آدمی اس معیار پر پورا نہیں اُترتا، اس کو مجاہدین میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ فیلڈ مارشل ویول کے لحاظ سے سپاہی چور ہے، ڈاکو ہے اور رہزن ہے لیکن اسلام اس تصور کو غیر اسلامی کہتا ہے۔ یہاں ہر مجاہد کا کردار بلند ترین ہونا چاہیئے۔

جناب صدیق اکبرؓ کی بیماری

جب جناب مثنیٰؓ مدینہ پہنچے تو خلیفہ اوّل بیمار تھے۔ جناب مثنیٰؓ کو دوسری بار یارِ غارؓ کی زیارت ضرور نصیب ہوئی لیکن یارِ غارؓ اب اللہ کے حبیبؐ کے پہلو میں جلد آرام فرمانے والے تھے۔ خلیفہ اوّل کی دور رس نگاہیں سب کچھ دیکھ چکی تھیں۔ وہ جناب فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین نامزد فرما چکے تھے۔ جناب عمرؓ کو بلایا اور ان کی جناب مثنیٰؓ کے ساتھ ملاقات کرائی اور یہ احکام صادر فرمائے:

"اے ابنِ خطابؓ! میں جو کچھ کہتا ہوں۔ اس کو غور سے سنو۔ پھر اس پر عمل بھی کرنا۔ آج دوشنبہ کا دن ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ میں آج ہی انتقال کر جاؤں گا۔ اگر میں انتقال کر جاؤں تو شام ہونے سے پہلے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر جناب مثنیٰؓ کے ساتھ کر دینا۔ میری موت کی مصیبت خواہ کتنی ہی عظیم ہو۔ تم دین کے احکام اور اوامر خداوندی کی تعمیل میں ہرگز تاخیر نہ کرنا۔ تم نے دیکھا کہ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت میں نے کیا کیا تھا۔ حالانکہ وہ ایک عظیم ترین حادثہ تھا۔

اگر میں اس وقت خدا اور رسول ؐ کے احکام کی تعمیل میں ذرہ بھر بھی تاخیر کرتا تو خدا ہم کو ذلیل کرتا ہم کو سزا دیتا وغیرہ۔"

تبصرہ

قارئین! خلیفہ اوّل کے الفاظ کو دو بار، تین بار پڑھیں، گہرائیوں میں غوطہ لگائیں۔ پھر بھی ان الفاظ کو کسی معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے معانی رہتے زمانے تک نکلتے رہیں گے اور وہ لوگ جو جناب صدیق اکبرؓ کی جناب اسامہؓ کے لشکر کو بھیجنے پر معترض ہیں کہ حکمت عملی یہ تھی اور وہ تھی۔ ان کا جواب جناب خلیفہ اوّل خود دے رہے ہیں اور ہم نے جان بوجھ کر اس چیز کو اپنے تجزیہ میں شامل نہ کیا اور سبق یاد رکھیں کہ اللہ اور رسول ؐ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہمیں ذلیل کرتی ہے۔ جہاد کو اوّلین حیثیت حاصل ہے اور جہاد سے گریز غلامی کا طوق گلے میں ڈال دیتا ہے۔

آج حضرت عمرؓ انہی حالات سے دوچار تھے۔ جن حالات میں جناب صدیق اکبرؓ حضور پاک ؐ کی وفات کے وقت تھے۔ آج اسامہؓ بن زیدؓ کی جگہ مثنیٰؓ بن حارث تھے اور عراق کی زمین اللہ والوں کو دعوت دے رہی تھی کہ آؤ ادھر اللہ اور رسول ؐ کا نام بلند کرو۔

جناب مثنیٰؓ کی سعادت

جناب مثنیٰؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی دینا تھی کہ یار غارؓ کے جنازے اور تدفین میں شرکت کریں۔ جناب صدیق اکبرؓ کے جنازہ میں شرکت کرنے والوں پر جو رحمت کی بارش برسی ہوگی اس کو مورخین نے بیان نہیں کیا اور یہی بات باقی صحابہ کرامؓ کے بارے ہے۔ یہ شاید اللہ کا راز ہے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف تصور کر سکتے ہیں کہ چند ایسے لوگوں کے ساتھ ملاقات ہوئی جنہوں نے قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ غازی علم الدین شہید اور غازی مرید حسین شہید کے جنازوں میں شرکت کی اور کچھ کے اس سلسلہ میں تاثرات بھی پڑھے۔ اگر بیسویں صدی میں اللہ کی رحمت اتنی ہوتی ہے تو حضور پاک ؐ کے رفقا کے زمانے میں جو رحمت برستی تھی، اس کو برداشت کرنے والے بھی اسی زمانے کے ہی لوگ تھے۔

اسلام کے اس عظیم فرزند حضرت مثنیٰؓ کی جناب عمرؓ کے ساتھ بھی یہ آخری ملاقات تھی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جناب مثنیٰ رضؓ از خود اپنے بستر مرگ پر آئندہ کے طریق کار کے لئے وصیتیں فرما رہے تھے کہ ایران کی فتح کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے اور یہ ہے ۔ مسلمان کا فلسفہ حیات کہ وہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کے لئے کرتا ہے اس کا مرنا اور جینا اللہ ہی کے لئے ہے. وہ مرتے وقت بھی اللہ کے احکام کی پیروی کی بات کرتا ہے ۔

جناب ابوبکرؓ و عمرؓ

جناب صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمرؓ کی جانشینی ایک الگ باب کا مضمون ہے لیکن چونکہ دوسری کتاب میں فتوحات شام کے سلسلہ میں خلیفہ اول کی حکمت عملی کا بیان باقی ہے اور ادھر بھی جناب ابوبکرؓ کے زمانے میں فتوحات ہوئیں ۔ اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ اس اہم مضمون کو دوسری کتاب کے پانچویں باب میں بیان کیا جائے کہ حالات کا مکمل تجزیہ پیش ہو سکے ۔ فی الحال طبقات ابن سعد کے حوالے سے حضور پاک ؐ کے دونوں رفقاء کے بارے میں صرف اتنا لکھا جاتا ہے جو سیدنا علی المرتضیٰؓ نے آپ دونوں کے بارے میں فرمایا؛

" وہ دونوں ہدایت کے امام ، راستہ پانے والے ، راستہ بتانے والے اصلاح کرنے والے اور کامیابی حاصل کرنے والے تھے جو دنیا سے اس طرح گئے کہ شکم سیر نہ تھے ۔

صدیقِ اکبرؓ کے احکام کی تعمیل

سیدنا عمرؓ نے جناب صدیق اکبرؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی حضرت مثنیٰؓ کے لئے فوج کی بھرتی شروع کر دی. مؤرخین نے کافی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ان خطبات کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت مثنیٰؓ نے دیئے ۔ مؤرخین نے البتہ یہ تاثر بھی دیا ہے کہ صرف چند لوگ جہاد کے لئے تیار ہوئے وغیرہ ۔ یہ سب ناسمجھی کا نتیجہ ہے ۔ آخر مدینہ میں کتنے لوگ موجود ہوں گے. عراق کی مہم میں بھی لوگ گئے ہوئے تھے ۔ چار لشکر شام میں جہاد میں مصروف تھے ۔ پانچواں لشکر جناب خالدؓ کا بھی ادھر پہنچ چکا تھا اور پہلے جب جناب خالدؓ نے خلیفہ اول سے کمک کی درخواست کی تھی تو خلیفہ اول نے اکیلے حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو بھیجا تھا. خطبات کا مطلب یہ تھا کہ ان کو مسافر ، کارواں والے اور آنے جانے والے لوگ اور دوسرے

قبائل تک جان لیں کہ فوری جگہ جہاد میں شرکت کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں کو احکام دیئے جاتے تھے کہ اطراف میں پھیل جائیں اور افواج بھرتی کریں۔ اس زمانے میں مرتدین پر پابندی بھی تھی۔ خلیفہ اول نے وفات سے پہلے یہ پابندی ختم نہ کی اور حضرت عمرؓ بھی پابندی جلدی ختم نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس قسم کے احکام دے دیئے گئے کہ ہر آدمی کا معاملہ چھان بین کر کے صحیح لوگوں کو جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی جائے۔ گو مؤرخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ لیکن اگلے ابواب میں مشہور مرتدین میں سے توبہ کرنے والے چونکہ محاذوں پر پہنچ گئے۔ اس لئے اس قسم کی رائے پیش کی جا رہی ہے۔

حضرت ابو عبید ثقفیؓ

عراق کی سپہ سالاری کے لئے حضرت عمرؓ نے جناب ابو عبیدؓ بن مسعود کو نامزد فرمایا جن کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا۔ اکثر اہل قلم آپ کو اور جناب ابو عبیدہؓ بن جراح امین الامت کی ایک شخصیت سمجھ کر کئی دفعہ واقعات کو غلط رنگ دے دیتے ہیں۔ جناب ابو عبیدؓ صحابہ کرام میں جناب ابو عبیدہؓ کی طرح کوئی زیادہ مشہور نہ تھے بلکہ آپ نوعمر تھے اور حضور پاکؐ کی نبوت کے آخری سالوں میں ایمان لائے تھے۔ آپ کے قبیلہ سے جناب مغیرہؓ بن شعبہ جو آپ کے رشتہ دار تھے، آپ سے بہت پہلے ایمان لے آئے۔ آپ کے بڑے بھائی عروہ بن مسعودؓ صلح حدیبیہ کے وقت تک قریش مکہ کے ترجمان تھے اور ابو سفیانؓ کے داماد تھے۔ آپ بھی فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے اور شاید ابو عبیدؓ نے بھی باقی خاندان کے ساتھ اس زمانے میں اسلام قبول کیا ہوگا گو تاریخی طور پر صحیح دن کہیں سے نہیں مل سکا۔ آپ کے جوش جہاد اور خاندانی عظمت کی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے یہ عزت بخشی۔ آپ کے ساتھ مشیر کے طور پر دو عظیم صحابہ مقرر کئے گئے۔ جناب سعدؓ بن عبید اور سلیطؓ بن قیس تھے جو اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ جناب عمرؓ نے نصیحت فرمائی کہ ان صحابہؓ کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔ حضرت مثنیٰؓ جلدی میں تھے اور ضروری ہدایات اور روانگی کے بعد محاذ جنگ پر روانہ ہوگئے۔ پرانے زمانے کی کسی تاریخ میں اس چیز کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت مثنیٰؓ کی سپہ سالاری کی کوئی خواہش تھی اور حضرت عمرؓ کے حضرت ابو عبیدؓ کو سپہ سالار بنانے سے اُن کو

---

(۱) حالات مصنفہ کے صفحہ ۱۶۹ اور ۲۶۱ سے استفادہ کریں۔

مایوسی ہوئی۔ وغیرہ۔ اس زمانے میں کچھ مبصرین نے ایسے تجزیئے کئے ہیں لیکن ہمارا تجزیہ ہے کہ حضرت مثنیٰؓ ان باتوں سے بلند تھے۔

حضرت ابو عبید ثقفیؓ اور ان کے ساتھیوں نے قبائل کو جہاد کی ترغیب دینا تھی اور اس وجہ سے وہ مختلف مقامات پر ٹھہرتے گئے اور مجاہدین کو بھرتی کرتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ عراق کے محاذ پر آگے بڑھتے گئے۔

نتائج و اسباق اور خلاصہ

۱۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ کا یہ ابتدائی باب ہے لیکن واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ جناب خالدؓ کی شام کی طرف روانگی، جناب مثنیٰؓ کی سپہ سالاری، جنگ بابل، ایران میں حکومت میں تبدیلیاں اور نئی سوچ بچار، جناب صدیق اکبرؓ کی وفات، جناب عمرؓ کی خلافت اور جناب ابو عبیدؓ کی عراق کی سپہ سالاری تمام بڑے بڑے واقعات ہیں جو بہت تھوڑے عرصے میں ظہور پذیر ہوئے۔ لیکن جس قوم کا مقصودِ زندگی واضح ہو اس قوم پر یہ واقعات خراب اثر نہیں کرتے۔

۲۔ واقعات کے نتائج ساتھ بیان کر دیئے گئے کہ جناب مثنیٰؓ نے بابل کی جنگ میں ضرور فتح حاصل کر لی۔ لیکن ایران کی بڑھتی ہوئی طاقت کے بروقت سدّباب ضروری تھا۔ جناب ابو بکرؓ کے بروقت احکام، جناب فاروقؓ کا فوری عمل اور حضرت مثنیٰؓ کی دقت کی اور جنگ کی نبض شناسی میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں۔

۳۔ اسی زمانے میں شام کے محاذ پر مسلمانوں کو اجنادین کے مقام پر ایک بڑی فتح نصیب ہوئی اور وہ وادیٔ یرموک میں دوبارہ پہنچ گئے۔ اب جناب فاروقؓ نے دو محاذوں کی حکمت عملی کے تانے بانے کیسے ملائے، اس سلسلہ میں ایران والے محاذ کا خلاصہ بیان ہو چکا ہے۔ باقی باتیں بھی آگے اس کتاب اور دوسری کتاب میں آئیں گی۔

اٹھارہواں باب

حضرت ابوعبیدؓ کی ایرانیوں کے ساتھ جنگیں

حضرت ابوعبیدؓ کی محاذ جنگ کی طرف روانگی

جناب ابوعبیدؓ مدینہ کے گردونواح سے کوئی ایک ہزار کے قریب مجاہدین اکٹھے کر سکے اور جناب عمرؓ نے
نے ان کو ان کے مشیروں سمیت مدینہ سے روانہ کیا اور فرمایا: "اے ابوعبیدؓ! صحابہ رسولؐ کا احترام برقرار رکھنا اور
ان سے ہر حکم کے سلسلہ میں مشورہ کرنا۔ جب تک حالات کو خوب بھانپ نہیں لیتے جلدبازی میں کوئی کارروائی نہ کرنا۔
یہ جنگ ہے اور اس سے فائدہ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایسے
لوگ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ کب تک حالات کا انتظار کیا جائے اور کب کوئی کارروائی کی جائے۔ جنگ میں جلدبازی
سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابوعبیدؓ مدینہ سے چل پڑے اور راستہ میں قبائل کو جہاد کی ترغیب دی اس طرح چار ہزار
مجاہدین اور شامل ہوگئے۔ آپ شعبان تیرہ ہجری میں خفان[1] پہنچ گئے۔ یہ مقام الیس اور حیرہ کے نزدیک ہی ہے۔
حضرت مثنیٰؓ اپنی کم نفری کی وجہ سے اس مقام پر دفاع کئے ہوئے تھے اور حضرت ابوعبیدؓ نے فوراً ہی آپ سے
کمانڈ سنبھال لی۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے کہ چار پانچ ہزار کی کمک آگئی تھی

محاذِ جنگ کے حالات

پچھلے باب میں ایران کی حکومت کے بارے جو ذکر ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس
وقت تک یزدجرد تخت نشین ہو چکا تھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ تخت نشین ہونے والا تھا۔ رستم پردہ پر نمودار ہو
چکا تھا اور وہ اصل وزیر جنگ کی حیثیت سے وہ سیاہ وسفید کا مالک تھا اور تخت کے کٹھ پتلی وارثوں کا

---

(۱) نقشہ نمبر دیکھیں

خاتمہ ہونے والا تھا اور رستم قومی وحدت کے لئے ایرانی بادشاہت کو سنبھالا دینا چاہتا تھا وہ جلد یزدجرد کو بچا لے آیا لیکن اس دوران اس نے ملکی حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلمانوں کی نفری اور طاقت بہت کم تھی۔ ایرانی صرف ردعمل کے طور پر مسلمانوں کے ساز پر ناچتے رہے اور اسلامی لشکر نے الگ الگ مقامات پر ایرانی فوج کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ چنانچہ مسلمان سپہ سالاروں کی تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کے لیے رستم نے ایسی حکمت عملی کا تعین کیا کہ وہ مسلمانوں سے پہل کاری چھین لے اور اپنے لشکروں سے اس طرح پیش قدمی یا حملے کرائے کہ مسلمان ردعمل کے طور پر لڑائی کریں، جس سے یا تو مسلمان شکست کھا جائیں گے یا ان کا نقصان اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ بری طرح تھک جائیں گے اور جنگ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ جنگ کے اصولوں کے لحاظ سے یہ طریق کار ہی بہترین ہے کہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ دشمن کی سب کارروائیاں ردعمل کے طور پر ہوں۔

تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ ضروری ہے۔ یہ اصول خالی جنگ تک محدود نہیں بلکہ ہر ملک اور قوم کی حکمت عملی کے لئے بھی سنہری اصول ہے۔ خلیفہ اول اور بعد میں خلیفہ دوم نے اسی اصول کے تحت حکمت عملی کا تعین کیا۔ انہوں نے دشمنوں سے پہل کاری چھین کر دشمن سے تمام کام ردعمل کے طور پر کروائے اور تدبیرات کی سطح پر بھی اہل لشکر کو احکام دیئے کہ اس اصول کو اپنایا جائے۔

رستم کی حکمت عملی

رستم نے تین لشکر مقرر کئے اور ان تینوں کو الگ الگ مقاصد سونپے۔ رستم ان مقاصد کے تحت پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کو سواد کے علاقہ سے نکالنا چاہتا تھا۔ گو مسلمانوں کا اس علاقے پر مکمل قبضہ نہ تھا اور جگہ بجگہ ان کی فوجی چوکیاں تھیں اور کچھ علاقہ عملداری میں تھا۔ نقشہ نہم اس علاقے کا نقشہ ہے اور سواد کا علاقہ موجودہ بصرہ سے لے کر اوپر مدائن تک دونوں دریاؤں کے درمیان اور اس کے ساتھ کا زرخیز علاقہ ہے۔ مدائن سے اوپر کے کچھ علاقے بھی اس میں شامل ہیں اور بہتر ہے کہ ہم یہ کہہ لیں کہ دجلہ اور فرات کے طاس سے رستم مسلمانوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ رستم نے اس کارروائی کو مکمل کرنے کے لئے جو تین لشکر تیار کئے ان کی تعداد کے بارے مورخین خاموش ہیں بلکہ رستم نے ایک چوتھے لشکر کو تیار رکھنے کے احکام بھی دیئے۔ خیال ہے کہ یہ لشکر پندرہ سے بیس ہزار کے درمیان

ہوگا کہ اس سے کم نفری کے ساتھ کوئی ایرانی مدائن سے باہر نکل کر مسلمانوں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کے بارے کچھ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

حضرت مثنیٰؓ کی کارروائی

حضرت مثنیٰؓ جیسے واپس پہنچے ان کو تمام حالات سے آگاہی ہوگئی انہوں نے آگے والی چوکیوں کی تعداد کو پہلے سے بہت کم کر دیا اور واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے زیادہ فوج کو فرات کے مغرب میں رکھا۔ اگلے علاقہ میں مخبر تھے یا صرف ایسی جگہ چوکی رکھی جہاں پر لوگ وفادار تھے۔ جناب مثنیٰؓ کو اللہ تعالیٰ نے حالات کو بر وقت بھانپ لینے کا بڑا ملکہ عطا کیا تھا۔ ذاتی چھاپے مارنے میں وہ اپنا مقام نہ رکھتے تھے کہ دشمن کو ہمیشہ بے خبری میں جا لیتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ کی تلوار سے بھی بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ اس لئے لڑائی یا جنگی حالات کی نبض شناسی میں وہ بہت ماہر ہو چکے تھے۔ حیرہ کے مقام پر عقب میں کھلا ریگستان موجود نہ تھا، بلکہ وہاں پر دریا کا ایک فالتو بہاؤ تھا، کچھ نہریں تھیں جو ان کو متحرک ہونے سے روکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے خفان کے مقام کو چنا اور حضرت ابو عبیدؓ نے ان سے ادھر ہی آکر کمانڈ سنبھالی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

جنگِ نمارق

ایرانیوں کا پہلا لشکر مدائن سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا اور دریائے فرات کو پار کر کے نمارق کے مقام پر ٹھہر گیا۔ یہ مقام بھی کوفہ کے نزدیک ہی ہے۔ اس لشکر کا ایرانی کمانڈر جابان تھا جو الیس کی جنگ سے بھاگ گیا تھا اور ایرانیوں کو کھانے میں زہر ملا دینے کی صلاح دی تھی۔ جابان مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکا تھا اور ذہنی شکست کھائے ہوئے تھا۔ اگر کسی مبصر کی کتاب میں اس شخص کی بہادری کا کوئی قصہ پڑھیں تو اس پر یقین نہیں کرنا چاہئے جابان کو نمارق سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ جناب ابو عبیدؓ جوش جہاد میں آرام نہ کر رہے تھے اور وہ خفان میں نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر صف بندی کی اور دشمن کو نمارق میں جا لیا۔ مسلمانوں کے میمنہ پر جناب دثنیؓ بن جیدرہ تھے اور میسرہ پر عمروؓ بن الہیثم۔ مجبوراً جابان کو بھی صف بندی کرنا پڑی جس کے بازوؤں پر جشنس ماہ اور مردانشاہ تھے۔ مسلمانوں نے زوردار حملہ کیا اور ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ ذہنی شکست کھائے ہوئے تھے۔ جابان اور مردانشاہ گرفتار ہوئے۔ مردانشاہ کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ جابان کی شہ کو دیکھ کر اس کو گرفتار

کرنے والے مجاہد مطہر بن فضہ کو ترس آ گیا اور انہوں نے اس کو امان دے دی۔

بعد میں جب جابان کی پہچان ہو گئی تو باقی مجاہدین اُس کا سر قلم کرنا چاہتے تھے لیکن معاملہ جناب سالار لشکر ابوعبیدہ کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے وعدے کا پاس ضروری ہے۔ اس لئے جابان کو چھوڑ دیا گیا اور وہ فرار ہو گیا۔

دوسرا ایرانی لشکر اور کسکر کی لڑائی

جابان کا لشکر بھاگنے میں بڑا تیز نکلا اور کافی لوگ بچ کر کسکر[۱] (موجودہ واسط) کی طرف بھاگ گئے۔ جناب مثنیٰ رضؓ کے رسالہ نے ان کا دور دور تک تعاقب کیا۔ لیکن جابان کے لشکر کے کافی لوگ بھاگ کر واسط پہنچ گئے۔ اب صورت یہ تھی کہ واسط میں کسریٰ کا خالہ زاد بھائی نرسی رہتا تھا اور یہ ان کی خاندانی جاگیر تھی۔ اس علاقہ میں عمدہ قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے۔ جس کا پھل صرف نرسی اور اس کے خاندان کے لوگوں کے لئے تھا جس میں سے کچھ وہ کسریٰ اور باقی امراء کو تحفہ کے طور پر دیتے تھے۔

رستم نے نرسی کو حالات سے آگاہ کیا کہ سلطنت کو بچانے کے لئے وہ ایک لشکر تیار کریں اور یہ دوسرا لشکر تھا جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ نرسی امیر آدمی تھا اور زیادہ دولت کے لالچ کے ساتھ وہ لشکر تیار کرنے میں مصروف تھا کہ جابان کے لشکر کے بھگوڑے بھی وہاں پہنچنے شروع ہو گئے۔ اس لئے جناب ابوعبیدہؓ نے جناب مثنیٰ رضؓ کو خبر دی کہ وہ واپس نہ آئیں اور ان کا انتظار کریں۔ اس کے بعد جناب ابوعبیدہؓ نے فرات کو عبور کر کے پہلے جناب مثنیٰؓ کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور پھر سارا اسلامی لشکر واسط کی طرف روانہ ہو گیا۔

نرسی نے اسلامی لشکر کی یلغار کی خبر سنی تو اپنے لشکر کی صف بندی کی اور بازوؤں پر اپنے ماموں زاد بھائیوں بندویہ اور بترویہ کو مقرر کیا۔ یہ دونوں بادشاہ کے بھی ماموں زاد بھائی تھے اور پہلی دفعہ مسلمانوں کا واسطہ ایسے لشکر کے ساتھ تھا۔ جس کی کمانڈ شاہی خاندان کے افسروں کے ہاتھ میں تھی اور واسط سے ذرا ہٹ کر سقاطیہ کے مقام پر لڑائی ہوئی مسلمانوں کے بازوؤں پر جابان کے ساتھ جنگ کے وقت کی طرح جناب واثق رضؓ اور عمروؓ ہی تھے۔ مسلمانوں کے بھرپور حملہ کی ایرانی تاب نہ لا سکے اور تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں کو کافی مال و دولت و مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا جس میں خشک پھل بھی تھا جو مدینہ بھیجا گیا۔ ویسے نرسی کے باغوں کے پھل پہلی دفعہ عام آدمیوں کو کھانے کے لئے ملے۔

جناب ابوعبیدہؓ کا واسط میں قیام کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور انہوں نے صرف دشمن کو تتر بتر کرنا تھا اور یہ

۱۔ نقشہ نمبر سے استفادہ کریں۔

ایک حربی مظاہرہ بھی تھا۔ جناب وافقؓ کو الزوابی کی طرف بھیجا اور حضرت عاصمؓ کو نہر جوبر کی طرف۔ انہوں نے ان علاقہ کے لوگوں کو مطیع کیا۔ حیرہ کے نزدیک سے باروسما کی علاقے سے بھی کافی لوگ نرسی کی مدد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانی فوج مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکی تو انہوں نے مسلمانوں سے پہلے ہی حیرہ اور باروسما کی طرف واپسی شروع کر دی اس لئے جناب ابوعبیدؓ نے جناب مثنیٰؓ کو ان کے پیچھے بھیجا کہ ان پر نظر رکھیں

جالینوس کی شکست

لیکن اس تعاقب سے ایک اور راز ظاہر ہوا۔ مدائن میں تیسرا لشکر جالینوس کا تیار ہو رہا تھا۔ رستم نے اس لشکر کو نرسی کی امداد کے لئے بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو راستے میں روکے لیکن جالینوس دیر سے پہنچا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ مسلمان لشکر کا پیچھا کرتا، اس نے حیرہ کا رخ کیا اور باروسما کے ضلع میں باقسیاؔ کے مقام پر ایک چھاؤنی لگا کر بیٹھ گیا جناب مثنیٰؓ کو اس کی خبر مل گئی اور انہوں نے جناب ابوعبیدؓ کو اطلاع دی۔ سالار لشکر نے تمام افواج کو اکٹھا کیا اور واپس حیرہ کا رخ کیا۔ راستے میں جالینوس پر حملہ کیا۔ جالینوس جس تیزی سے آیا تھا اس تیزی کے ساتھ واپس بھاگ گیا۔ مؤرخین نے اس جنگ کو بہت سرسری طور پر بیان کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ جالینوس اپنی فوج کے کافی حصہ کو بچا کر واپس لے گیا۔ بہرحال جناب ابوعبیدؓ اور اسلامی لشکر کی دھاک بیٹھ گئی۔ اتنے سے قلیل عرصہ میں جناب ابوعبیدؓ تین فتوحات حاصل کر چکے تھے۔

مسلمانوں کی دعوت

مسلمانوں کے اس دبدبہ کے بعد وہ جہاں جاتے تھے تو عرب قبائل ان کی دعوت کرتے تھے اور طرح طرح کے کھانے پیش کرتے تھے۔ مؤرخین نے اس سلسلہ میں کافی تفصیلی باتیں لکھی ہیں جس میں بڑا نکتہ یہ ہے کہ پورے لشکر کو ایک جیسا کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ جیسے آج کل ہمارے ہاں فوجی مل کر "بڑا کھانا" پکاتے ہیں۔ بے شک اسلام سخت امارت کا قائل ہے کہ حضور پاکؐ کا حکم ہے کہ دو میں بھی ایک کو امیر مقرر کر لو لیکن معاشرتی طور پر برابری کے احکام ہیں۔

---

(۱) نقشہ نمبر سے استفادہ کریں۔

حضرت عمرؓ کا خط

جناب ابوعبیدہؓ کو کامیابیاں تو بہت زیادہ نصیب ہوئیں، لیکن وہ لشکروالوں سے کچھ زیادہ ہی مشقت لے رہے تھے۔ جناب ابوعبیدہؓ جوش جہاد سے سرشار تھے بلکہ شوق شہادت کا خمار بھی بہت پہلے آگیا تھا اور بعض کے حصہ میں یہ عطا زیادہ عرصہ کے لئے ہوتی ہے۔ جناب ابوعبیدہؓ نے اللہ اور رسولؐ کے راہ میں اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ ہوا تھا اور وہ سب مسلمانوں سے یہی امید رکھتے تھے۔ بات تو ٹھیک تھی لیکن اسلام اس کے ساتھ ساتھ حفاظت کے پہلو پر بھی زور دیتا ہے اور جلد بازی سے بھی منع کرتا ہے۔ خلیفہ دوم مدینہ میں بیٹھے ہوئے حالات کو بھانپ چکے تھے اور ان کا مشاہدہ سو فی صد درست تھا۔ اس لئے انہوں نے ابوعبیدہؓ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون اس طرح کا تھا:

"آپ مکروفریب، خیانت اور ظلم کی سرزمین میں ہیں۔ تمہارا واسطہ ایسی قوم کے ساتھ ہے جس میں بدی کرنے کی عادت پیدا ہوگئی ہے اور بدی ان کی گھٹی میں داخل ہوگئی ہے اور یہ قوم بھلائی کو بھول بیٹھی ہے۔ اس لئے تم بہت چوکنے رہنا اور اپنی زبان کو محفوظ رکھنا۔ اپنا راز ہرگز آشکار نہ کرنا۔ کیونکہ رازداری برتنے والا شخص جب تک راز کو محفوظ رکھتا ہے، گویا وہ قلعے میں محفوظ ہے۔ اسے کوئی ناگوار صورت پیش نہیں آسکتی اور جب اس کو وہ ضائع کر دیتا ہے تو وہ خطرے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔"

تبصرہ

اوّل تو ہم قارئین کو یہ باور کرائیں گے کہ باطل فلسفوں اور تمدنوں کے بارے جناب عمرؓ کی رائے ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ان میں ہمیں کوئی چیز اچھی نظر نہیں آتی اور ہماری تاریخ کے بامقصد مطالعہ میں جگہ بجگہ قارئین کی توجہ اس نکتہ کی طرف دلاتے رہے ہیں اور ثبوت پیش کرتے رہے ہیں کہ باطل، جو ہے وہاں کوئی بڑائی والی بات نہیں۔ شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا قائل ہے لیکن یہ سبق ہم اس کی زبان یا طریق کار سے کبھی نہیں سیکھتے اور نہ اس سلسلہ میں شیطان کی کبھی بڑائی کی ہے کہ اللہ کی واحدنیت کے عقیدہ میں بڑا مقام رکھتا ہے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ ہمارے دشمن خواہ یہود ہوں یا ہنود یا ان کے حواری ہوں یا اسلام دشمن طاقتیں، ان پر کبھی بھروسہ نہ کیا جائے اور حضرت عمرؓ کے خط کے مطابق اپنی رازداری کو قائم رکھیں۔

جسر کی جنگ ۔ رمضان تیرہ ہجری

جسر کی جنگ جس کو دریا کی جنگ یا جنگِ فیل بھی کہتے ہیں۔ اس میں ہاتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کو کثرت(۱) واسطہ پڑا
یہ اسلام کی عسکری تاریخ کی ایک عظیم جنگ ہے۔ اس سے پہلے اس کے جائزے بڑے نامکمل ہیں(۲) اور صحیح واقعات کی
چھان بین کے لئے باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ فوری نتائج اور اثرات کچھ مایوس کن یا خطرناک تھے لیکن حتمی نتائج
اور اثرات ایسے تھے کہ انہوں نے محاذِ جنگ کا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا کیونکہ مسلمانوں نے شکست نہ کھائی تھی اور انہوں
نے حالات کا مقابلہ کر کے بہتر حکمتِ عملی اور بہتر تدبیرات سے ایران کو فتح کر لیا۔ مانا کہ فوری طور پر جناب ابوعبیدؓ
نے عسکری لحاظ سے کچھ اچھی حکمتِ عملی اور تدبیرات یا حربی دانائی کا ثبوت پیش نہ کیا اور نہ ہی ان کا کوئی ایسا ارادہ ہی
تھا لیکن اسلامی جذبے اور فلسفۂ حیات کا یہ ایک پرعزم مظاہرہ تھا، جس کے تجزیہ سے خاص سبق حاصل ہوتے
ہیں۔ مورخین نے اس سلسلہ میں جنگ یا تاریخ کا بامقصد مطالعہ نہیں کیا اور اس ساری کارروائی کو ناکامی اور شکست
والی جنگ کے نام سے موسوم کر کے اختتامی تبصرہ کو طول نہ دیا۔ کچھ صاحبان نے ایرانی سپہ سالار(وں) کی ہوشیاری کے
گن گائے اور کچھ نے جناب ابوعبیدؓ کی جلد بازی کو مسلمانوں کی شکست کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ کسی نے زیادہ سے زیادہ
اتنا کہہ دیا کہ جناب ابوعبیدؓ جوشِ جہاد میں حالات کی صحیح نبض شناسی نہ کر سکے۔

اہلِ حق کا امتحان

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ اہلِ حق کا امتحان تھا اور اس میں پھر بھی جنگِ موتہ کی طرح ایک واقعہ ہونا تھا
اور اس امتحان میں اہلِ حق کامیاب ہوئے۔ جنگِ موتہ میں جو کچھ تین عظیم شہدا نے کیا۔ یہاں پر وہ جناب ابوعبیدؓ
ان کے خاندان کے چند مجاہدین اور بدری صحابہ جناب سلیطؓ نے کیا اور جنگِ موتہ میں جو کچھ جناب خالدؓ نے کیا
جنگِ جسر میں وہی کچھ حضرت مثنیٰؓ نے کیا۔ یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ عظیم قربانی کی ضرورت تھی اور ان قربانیوں سے
بڑے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔

دینِ فطرت کی شان نرالی ہے۔ یہاں ملک اور علاقے فتح نہیں کئے جاتے۔ یہاں پر اپنے فلسفۂ حیات کا مظاہرہ

---

(۱) نقشہ نمبر سے استفادہ کریں۔ (۲) تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰ کے پانچویں باب سے استفادہ کریں۔

کیا جاتا ہے۔ اگر اہلِ حق کو ہر جنگ میں فتح حاصل ہو جاتی یا قربانی نہ دینی پڑتی تو پھر تو سب کچھ آسان ہو جاتا لیکن رب العزت کی حکمت نرالی اور اس تک کوئی نہیں پہنچ پاتا۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں جنگ احد، جنگ موتہ اور جنگ حنین میں ایسے واقعات ہوئے کہ بڑی قربانی دینی پڑی۔ پچھلے دو سالوں سے اہل اسلام تمام جنگوں میں نتیجۃً ہی فتح حاصل کر رہے تھے۔ صرف جناب عکرمہؓ اور شرحبیلؓ کو کچھ معمولی قسم کی ناکامیاں ہوئی تھیں۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں بھی قربانی زیادہ دینی پڑی۔ اس لئے جنگ جسر کا مطالعہ اس پہلو سے بھی اہم ہے کہ کچھ اَن ہونی باتیں بھی جنگ میں ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ فتح ہی فتح کی اُمید پر کارروائی نہ کی جائے بلکہ سب کام اللہ اور رسولؐ کے لئے کیا جائے اور نتائج کے فیصلے کی پرواہ نہ کی جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ہر کام میں اس کی مصلحت ہی ہوتی ہے۔

ایرانیوں کے حالات

اہل ایران جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰؓ سے تو کئی شکستیں کھا چکے تھے لیکن اب ابو عبیدؓ بھی ان کے تین لشکروں کو شکست دے چکے تھے۔ ہم باطل کی کسی عظمت کے قائل نہیں اور جو لوگ پرانی ایرانی عظمت کے گڑے مردے اکھیڑ کر ایرانیوں کو اس سطح تک لے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں نے زیادہ بہتر کیا اور وہ رومیوں سے زیادہ اچھے لڑے اور ایسے جائزوں کے ساتھ اپنی کتابوں کے صفحات بھر دیئے ہیں۔ ہم ان سے کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارے لحاظ سے اہلِ ایران خوش قسمت تھے کہ ان کے ملک پر جلدی اسلام کا پرچم بلند ہو گیا اور پھر آگے چل کر اہل ایران نے اسلام کے پرچم تلے اسلام کی خدمت کی۔ رومیوں کے ساتھ جنگ بڑا عرصہ جاری رہی اور کہیں جا کر پندرھویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ فتح ہوا لیکن یہ جنگ کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ رومیوں کی اولاد یا جانشین کسی نہ کسی لبادہ میں ہمارے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ اہلِ ایران نے مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا جو کچھ ہوا وہ اس کتاب میں موجود ہے لیکن بہتر ہو گا کہ مسلمانوں اور ایرانیوں کی حربی خوبیوں کا موازنہ اپنے عظیم مجاہد جناب مثنیٰؓ بن حارث کے الفاظ میں سن لیں۔

حضرت مثنیٰؓ کا تجزیہ

جناب مثنیٰؓ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے اسلام سے بھی پہلے ایرانی فوج کے ساتھ کئی لڑائیوں

میں حصہ لیا۔ اس زمانے میں دس ایرانی ایک سو عرب جوانوں پر غالب آجاتے تھے اور جب عرب مسلمان ہو گئے تو یہی سو عرب جوان ایک ہزار ایرانی جوانوں پر غالب آنے لگے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے کے بعد ہماری طاقتوں میں سو گنا اضافہ کر دیا۔ اس حساب کے آسان سوال کو جناب مثنیٰؓ نے عملی تجربہ سے حل کر دیا ہے۔ ورنہ اگر سیدھے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد آدمی کی طاقت سو گنا بڑھ جاتی ہے تو کوئی مبصر نہ مانے گا۔ لیکن یہاں پر جناب مثنیٰؓ کا تجربہ سامنے ہے۔

اسلام سے پہلے ایک ایرانی دس عربوں پر غالب تھا۔ اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں سورۃ انفال میں واضح کر دیا کہ اگر ہوں تم میں سے بیس تو غالب آؤ گے دو سو پر''۔ میرا یہ ایمان ہے کہ یہ ہر زمانے کے لئے ہے اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بہمن جاذویہ

جسر کی جنگ کا ایرانی سپہ سالار بہمن جاذویہ تھا جس کا ذکر آیس کی جنگ کے سلسلہ میں ہو چکا ہے کہ جابان کو آگے بھیج دیا اور خود کترا کر دارالخلافہ کی طرف چلا گیا۔ بہانہ صحیح تھا یا غلط۔ بہرحال بہمن ایران کا ایک مانا ہوا جنرل تھا اور ایک لاکھ درہم کی ٹوپی پہنتا تھا۔ تین لشکروں کی بجائے اب رستم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس کی کمانڈ بہمن جاذویہ کو دی۔ لشکر کی نفری پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی اور کسی ایرانی لشکر کو پہلی دفعہ کسریٰ کا علم دیا گیا جس کو'' درفشِ کاویاں'' کہتے تھے اور اس کو فتح کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ جالینوس کو بھی بہمن کے ساتھ بھیجا گیا اور رستم نے حکم دیا کہ اگر جنگ سے بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ لشکر میں متعدد ہاتھی بھی تھے اور ان کے ہودوں پر کھجور کے درخت باندھ دیئے گئے تھے اور اس لاؤ لشکر سے مسلمانوں کے لئے ہیبت پیدا کی جا رہی تھی۔

جنگ کے واقعات

بہمن دریائے فرات کے کنارے حیرہ سے تھوڑا اوپر اور جسر کے نزدیک قس الناطف کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ یہ مقام کوفہ کے سامنے دریا کی نچلی طرف ہے۔ مسلمان لشکر دریائے فرات کے مغربی کنارے مروحہ کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ مسلمان لشکر کی کل نفری نو ہزار بتائی جاتی ہے لیکن

خیال ہے کہ اس سے کچھ زیادہ ہوگی کیونکہ نو ہزار لشکر جناب خالدؓ، جناب مثنیٰؓ کے پاس چھوڑ گئے تھے اور چار ہزار کے قریب جناب ابوعبیدؓ کے ساتھ آئے۔ مخبری اور چوکیوں کی ذمہ داری پر ہزار دو ہزار کے قریب مجاہد ہوں گے تو پھر بھی باقی لشکر دس ہزار سے اوپر تھا اور بہمن جس کے ماتحت جالینوس جیسے پچاس ہزاری ادنیٰ افسر تھے تو ایرانی لشکر کی نفری بھی چالیس ہزار کے قریب ضرور ہوگی۔ لیکن جناب ابوعبیدؓ جوش جہاد اور شہادت کے نشہ میں ایسے مخمور تھے کہ وہ ایرانیوں کو خاطر میں نہ لا رہے تھے۔

شہادت

حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ شہید کی صرف ایک ہی خواہش باقی رہ جاتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پھر دنیاوی زندگی عطا فرمائے اور وہ ایک دفعہ پھر اللہ اور رسولؐ کی راہ میں جنگ کرے اور اس کو شہادت نصیب ہو اور یہ سلسلہ جاری رہے۔ ہوتا کچھ اس طرح ہے کہ ہر شہید کو شہادت سے کچھ عرصہ پہلے شہادت کی خوشبو آجاتی ہے۔ کسی کو کچھ دن پہلے اور کسی کو چند گھنٹے یا چند لمحے پہلے۔ اس سے شہید کے اندر ایک سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا ہر عمل عام آدمی سے مختلف ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی شخصیت میں ایسی تبدیلی آجاتی ہے جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ میدانِ جنگ میں یہ نظارہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدؓ کو نہ صرف اپنے بارے میں شہادت کی خبر مل چکی تھی بلکہ چند اور رشتہ داروں کے بارے میں بھی وہ آگاہ ہو گئے تھے کہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت دومہ کو اس قسم کا ایک خواب آیا کہ حضرت ابوعبیدؓ اور ان کے فلاں فلاں رشتہ دار کو کوئی جام پلایا جا رہا ہے۔ دراصل یہی جامِ شہادت تھا۔

جناب ابوعبیدؓ نے اپنے رشتہ داروں کو لشکر کی کمانڈ کے لئے نامزد کیا اور خواب کی تعبیر بھی یہی سمجھی گئی۔ جنگ موتہ میں حضور پاکؐ نے لشکر کے جن سرداروں کو نامزد کیا وہ شہادت پا گئے تھے یہاں فرق یہ تھا کہ جناب ابوعبیدؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو نامزد کیا وہ شہادت پا گئے۔

مسلمانوں کا دریا کو عبور کرنا۔

ایرانی مسلمانوں کو دعوت پہ دعوت دے رہے تھے کہ وہ دریا کو پار کریں۔ ایرانی جسر کے نزدیک قُس

ان طرف کے مقام پر ایک تنگ علاقہ میں صف بندی کئے ہوئے تھے۔ ابو عبیدؓ کو ایرانیوں کا جب یہ پیغام ملا تو پاس کھڑے تمام امیروں نے عرض کی: "کہ اے سالار دریا کو پار کرنا بڑی خطرناک کاروائی ہے۔ حکمت عملی، تدبیرات اور حربی خوبیوں کے تمام پہلو زیر بحث آئے اور خاص کر ابو عبیدؓ کے مشیر جناب سلیطؓ بن قیس جو صحابہ بدر میں سے تھے انہوں نے سخت مخالفت کی۔ حضرت مثنیٰؓ نے بھی زور دیا اور عرض کی کہ وہ جگہ لڑائی کے لئے موزوں نہیں۔ ہمارے اس زمانے کے ایک مبصر لکھتے ہیں کہ "حضرت ابو عبیدؓ بہادری میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے لیکن حکمتِ عملی اور تدبیرات میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔" واللہ اعلم۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ابو عبیدؓ تین جنگوں میں ایرانیوں کو شکست دے چکے تھے اور ایک آدھ دن اور صبر کر جاتے تو ایرانی خود بخود وہ جگہ چھوڑ کر دائیں چلے جاتے اور ابو عبیدؓ کو حکمت عملی اور تدابیر کا ماہر مانا جاتا۔ یہ مشیتِ ایزدی ہے اور اللہ کے راز ہیں۔ ہم کسی ہر چیز کی تلاش میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ کتنے عظیم تھے وہ مسلمان جو ان کے لشکر میں تھے۔ سب کو نظر آ رہا تھا کہ فوجی لحاظ سے کاروائی صحیح نہیں تھی اور دریا پر ایک غیر جانبدار عرب ابن صلوبا پل بھی بنا رہا ہے اور یہ پل بن گیا تو اسلامی لشکر نے اس پل کو عبور کیا۔ جناب مثنیٰؓ، ان کے بھائی۔ جناب سلیطؓ جیسے عظیم صحابہ۔ جناب عاصمؓ بن عمرو جیسے ماہر فوجی۔ جناب مدعور بن عدی جیسے ماہرین جنگ خاموش تھے اور بسر و چشم اپنے امیر کا حکم مان رہے تھے، یہ تھا وہ اسلامی فلسفہ اور اطاعت امیر کہ اپنی رائے ضرور دی لیکن جب امیر نے فیصلہ کر دیا تو پھر حکم بجا لانے کے سوا دوسری بات تک نہ کی۔

میدانِ جنگ

میدان جنگ بڑا تنگ تھا اور حکمت عملی اور تدبیرات کا بھی ایک پہلو صحیح نہیں تھا۔ مسلمان خواہ دریا کے اس پار ہوتے یا اس پار ہوتے انہوں نے اسی بہادری سے لڑنا تھا۔ ان کی نصرت وہی رہنا تھی لیکن تنگ میدانِ جنگ مسلمانوں کے لئے موزوں نہ تھا۔ مسلمانوں کی تمام تر حکمت عملی، تدبیرات اور حربی خوبیوں کا دارومدار اس پر تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ متحرک رہیں اور تنگ میدانِ جنگ میں وہ اپنی مرضی کے مطابق متحرک نہ رہ سکتے تھے۔ ایرانی لشکر کی تعداد مسلمانوں سے اتنی زیادہ تھی کہ ایرانی مسلمانوں کے سامنے ایک جمگھٹ بنے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان کا مقابلہ کم از کم چار یا پانچ ایرانیوں کے ساتھ تھا۔ مسلمان تابڑ توڑ حملے کرتے اور ایرانیوں کو واصل جہنم کرتے۔ ان کی صفوں میں شگاف ڈالتے لیکن ایرانی اپنی صفوں کو بحال کر لیتے اور شکست سے بچ جاتے۔ مسلمانوں

کا رسالہ بالکل نکما ثابت ہو گیا۔ گھوڑے ہاتھیوں سے بدک جاتے میدانِ جنگ تنگ تھا۔ گھوڑوں کو کہیں نہ کہیں ہاتھی نظر آجاتا اگر میدان کھلا ہوتا تو گھوڑوں کو متحرک کر کے ایرانی فوج کے کسی ایسے حصہ پر حملہ کیا جا سکتا تھا! جہاں ہاتھی نہ ہوتے۔

جب جناب ابو عبیدؓ نے دیکھا کہ یہ گھوڑے رکاوٹ بن رہے ہیں تو آپ اپنے گھوڑے سے اُتر گئے اور جوشِ جہاد میں آگے بڑھ کر ایک ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی اور اونٹ بڑے کینہ پرور جانور ہوتے ہیں ہاتھی نے آگے بڑھ کر جناب ابو عبیدؓ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ اسلام کا علم ان کے بھائی الحکمؓ نے تھام لیا اور بہادری سے لڑے وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ان کا بیٹا جبیرؓ آگے بڑھا اور اسلام کے علم کو اوپر اُٹھایا لیکن وہ بھی جلدی شہید ہو گئے اور آخر ان کے چچیرے بھائی ابو محجنؓ نے علم سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سات مجاہد شہید ہو گئے تو حضرت مثنیٰؓ نے لشکر کی امارت اور علم کو سنبھالا۔

جناب مثنیٰؓ کی بروقت کاروائی

حضرت مثنیٰؓ نے جب حضرت ابو عبیدؓ کو دریا نہ عبور کرنے کی صلاح دی تھی تو جناب ابو عبیدؓ نے فرمایا تھا "کیا بات ہے میرے بنو بکر کے بھائی کہ آج آپ بھی کچھ ڈرے ہوئے ہیں۔" تو حضرت مثنیٰؓ مسکرا دیئے۔ حضرت مثنیٰؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست عطا کی تھی وہ بھانپ چکے تھے کہ جناب ابو عبیدؓ کس مقام پر کھڑے تھے اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق مومن کے یہ مقامات عروج ہی کرتے رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی آہستہ آہستہ بھی ہوتی ہے اور تیزی کے ساتھ بھی اور جناب ابو عبیدؓ کے مقامات ذرا تیزی سے تبدیلی حاصل کرتے گئے۔ بہرحال یہ مقامات والا فلسفہ کچھ مشکل بھی ہے اور دعا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ نیک کرے کہ کسی اونچے مقام سے کوئی گراوٹ نہ ہو جائے۔

چنانچہ جسر کی جنگ میں بنو ثقیف ایک عظیم قربانی دے کر اس مقام سے بھی بلند ہو گئے جو انہوں نے تیزی سے حاصل کیا تھا۔ مسلمانوں نے بڑی بہادری سے حملے کئے تھے۔ ایرانیوں کے کئی دفعہ قدم اکھڑ گئے تھے اور ان کو شکست ہوتی ہوتی رہ گئی تھی۔ جناب ابو عبیدؓ اور بنو ثقیف کی اس طرح شہادت نے ایرانیوں کو کچھ حوصلہ دے دیا لیکن مسلمان بھی لڑنے مرنے پر تیار تھے۔ حضرت مثنیٰؓ نے علم سنبھالتے ہی ایک نعرہ لگایا اور وہ شیر کی طرح گرجے اور مسلمان لشکر کی صفوں میں پھر ربط و ضبط آگیا لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ میدان جنگ تنگ تھا۔ مجاہدین

متحرک ہوکر اور پیچھے ہٹ کر رستا بھی نہ سکتے تھے اور جب پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ملتی تھی تو دریا میں کودنا پڑتا تھا۔
اسی وجہ سے مسلمان صحرا کو عقب میں رکھ کر لڑتے تھے، صحرا متحرک جنگ میں مددگار ثابت ہوتا تھا چنانچہ حضرت
مثنیٰؓ بھانپ گئے کہ اس میدان جنگ میں دشمن پر فتح تو ناممکن ہے بلکہ شکست سے بچنا بھی مشکل ہے۔ حالانکہ
ایرانیوں کی لاشوں نے ڈھیر لگ چکے تھے اور ان میں بھی ہٹنے کی زیادہ سکت نہ تھی۔

پسپائی یا چال؟

چنانچہ حضرت مثنیٰؓ نے اپنے دونوں بھائیوں اور بنو بکر کے قبیلہ کو اکٹھا کیا کہ وہ اس کے اردگرد
"آہنی دیوار" بنائیں اور یہی حکم جناب عاصمؓ کو دیا۔ قبیلہ تمیم ان کے گرد ایک ایسی دیوار بنائے بلکہ
جناب سلیطؓ اور مدعور کو بھی ادھر ہی بلایا اور تمام بہادر لوگوں کو ملا کر ایک "بنیان المرصوص" بنائی
جس نے ایرانیوں کو ذرا دور روکا اور آپ نے حکم دیا کہ تمام اہل لشکر پل سے دریا کو پار کر کے دریا
کے دوسرے کنارے کی طرف صف بند ہو جائیں۔ لشکر کے کچھ لوگ پار پہنچ گئے اور ادھر صف بندی شروع
کردی لیکن اسی دوران قبیلہ ثقیف کا عبداللہؓ بن مرثد آگے بڑھا اور جوش جہاد میں پل کی کشتیوں کے
رسے کاٹ دیئے اور پکار اٹھا،

"خبردار مسلمانو! آج شہادت کا دن ہے۔ اسلام کسی پسپائی کی اجازت نہیں دیتا۔"

حضرت مثنیٰؓ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ اُن کو پکڑ کر لے آو تو جناب مثنیٰؓ نے
اُن کو سمجھایا کہ یہ پسپائی نہیں چال ہے۔ دریا کے اس طرف صف بندی کریں گے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرو
اور اس طرف جو مسلمان پہنچ گئے ہیں ان کو آواز دو اور ان کی مدد سے پل کو بحال کرو۔

تبصرہ

اگر جناب عبداللہؓ بن مرثد پل کو نہ توڑتے، تو اس جنگ میں اتنا نقصان نہ ہوتا۔ لیکن یہ سب
مشیت ایزدی تھی کہ ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے۔ اب پل کو دوسرے کنارے سے مرمت کرنا تھا اور
اس میں دیر لگ گئی۔ بلکہ اس کنارے سے بھی جناب مثنیٰؓ پل کی مرمتی والی جگہ کی حفاظت خود کر رہے تھے۔
اور ہر طرف گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔

حضرت سلیطؓ کی شہادت

اب ایرانیوں کو رد کرنے کا سارا کام جناب سلیطؓ، حضرت عاصمؓ اور جناب مذعورؓ کے ذمہ تھا۔ جو بڑی بہادری سے لڑتے رہے اور اسی دوران جناب مثنیٰؓ نے پل کو دوبارہ بحال کرا لیا۔ جب حضرت مثنیٰؓ دوبارہ اپنے مجاہدوں کے پاس پہنچے تو یہ زخموں سے چور تھے اور جناب سلیطؓ نے زخموں سے چور ہو کر شہادت بھی حاصل کر لی تھی۔ اب جناب مثنیٰؓ اور ان کے قبیلہ والے لوہے کی دیوار بن کر ایرانی حملوں کو روک دیتے تھے اور مسلمان پل سے دریا کو عبور کر کے دوسری طرف صف بند ہو رہے تھے۔ تمام کام نہایت ربط و ضبط سے ہو رہا تھا۔ بنو بکر آخری قبیلہ تھا جو پل کے پار رہ گیا اور جب تمام قبائل دریا کی دوسری طرف صف بند ہو گئے تو بنو بکر میں سے بھی صرف جناب مثنیٰؓ اور ان کے عظیم بھائی وہ مجاہد تھے جنہوں نے پل کو سب سے آخر میں پار کیا۔

ایرانی میدانِ جنگ چھوڑ گئے

مؤرخین کے لحاظ سے عین اسی وقت جب مسلمان دریا کی دوسری طرف پہنچے تو ایرانی فوجوں کو خبر ملی کہ مدائن میں گڑبڑ ہے اور دو گروہ ہو چکے ہیں، ایک رستم کا اور ایک فریزان کا۔ اس وجہ سے ایرانیوں نے مسلمانوں کا تعاقب نہ کیا اور میدانِ جنگ چھوڑ کر چلے گئے اور مسلمان مروحہ کی طرف صف آرا ہو کر ایرانی فوج کی مدائن کی طرف مراجعت کو دیکھتے رہے۔

تبصرہ

اس جنگ کے بیان سے پہلے ہی ہم نے آنے والے واقعات پر تبصرہ پیش کر دیا تھا اور کچھ جائزے ساتھ ہی ساتھ بیان کر دیئے اور اب آگے اس پورے باب کے نتائج اور اسباق پر سیر حاصل تبصرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ حقیقتیں فوری توجہ چاہتی ہیں۔ آپ نے پچھلی کئی جنگوں میں ایرانی فوج کی شکست کے حالات پڑھے وہ جب بتر بتر ہو گئیں تو مسلمانوں نے ان کا دور تک تعاقب کیا لیکن یہاں مسلمان دریا کے دوسرے کنارے پر صف آراء ہیں اور ایرانی میدان جنگ چھوڑ گئے۔ باقی جنگوں میں جب ایرانی دریا کی طرف بھاگے تو وہ دریا میں ڈوب کر مر گئے اور اپنے پل کی وہ اسی طرح حفاظت نہ کر سکے بلکہ آگے بڑھ کر مسلمانوں نے

پُل پر قبضہ کر کے ایرانیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ یہاں پر عبداللہ بن مرثد کے پُل کو کاٹ دینے کے بعد بھی مسلمانوں کے عزم اور ثابت قدمی میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا یہ موازنہ ہمیں دو قوموں کے فلسفہ حیات کے فرق کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

ہاں البتہ کچھ مسلمان ضرور بھاگ گئے اور مدینہ تک بھی پہنچ گئے۔ بعد میں پشیمان ہوئے اور زیادہ بہادری سے لڑے اور جو لوگ حضرت مثنیٰ رض کے ساتھ رہ گئے۔ انہوں نے چند ماہ بعد ایرانیوں کو جنگ بویب میں شکست دی اور اب مسلمان ایران کی فتح کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

جسر کی جنگ میں ابو عبیدہ رض نے دریا عبور کیا اور ایرانیوں کو شکست نہ دے سکے اور بے شک قربانی بھی دی۔ لیکن ایرانیوں کو بھی کچھ حاصل نہ ہوا وہ اس طرح میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے جس طرح ابو سفیان احد کے میدان کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

نتائج و اسباق

۱۔ یہ نتائج و اسباق صرف جنگِ جسر تک محدود نہیں بلکہ پورے باب کے حالات و واقعات کے نتائج پر تبصرہ ہے کہ جناب خالد رض کے شام چلے جانے کے بعد معاملات بین بین ہی رہے۔ حضرت مثنیٰ رض نے پہلے بابل کے مقام پر ایرانیوں کو شکست دی اور مدینہ شریف سے کمک مانگی۔ مدینہ شریف سے کمک ضرور آئی لیکن اول خلافت میں تبدیلی آ گئی تھی۔ دوم شام و فلسطین کی جنگ زوروں پر تھی۔ اس لئے ایران و عراق کے محاذ کو بہت زیادہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی۔

۲۔ حضرت ابو عبیدہ رض ثقفی تشریف لائے اور تین مقامات یعنی نمارق، واسط اور باقیس پر ایرانیوں کو شکست دی اور جو حکمت علی ایرانیوں نے بنائی تھی اس کے پرخچے اڑا دیئے۔

۳۔ جنگِ جسر یا جنگِ فیل ایک حادثہ تھا یا ان ہونی کارروائی۔ اس میں شاید یہ مشیت ایزدی تھی کہ مسلمان پوری تیاری کر کے ایران پر حملہ آور ہوں ورنہ اگر جناب ابو عبیدہ رض ایک دن اور دریا کو پار نہ کرتے تو ایرانی خود بخود چلے جاتے کہ مدائن میں گڑبڑ ہو گئی تھی۔ اگر ایرانی ویسے چلے گئے اور اُن میں مسلمانوں کے تعاقب

لہ جلال مصطفےٰ کے دوسرے باب سے استفادہ کریں۔

کی ہمت نہ تھی تو پھر بھی ظاہر ہے کہ وہ جنگ لڑنے نہ آئے تھے بلکہ بہمن کا لشکر ایک سیاسی چال تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے لیکن ابو عبیدؓ کے دریا کو پار کرنے سے ان کو کچھ حاصل ہوگیا اور وہ واپس چلے گئے۔

۴۔ رستم علم نجوم سے بھی واقف تھا اور یہ علم بھی ایک سائنس ہے۔ ایران کی تباہی اسے نظر آرہی تھی لیکن اپنے بارے میں یہ علم ہمیشہ اپنے "عاملوں" کو کچھ غلط فہمیوں میں بھی ڈالے رکھتا ہے۔

آگے کے حالات اس کے ثبوت میں جائیں گے کہ رستم مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا اور بھرپور لڑائی میں اس کو اپنی تباہی بھی نظر آرہی تھی لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ ایران کی حکومت کے بھی پرخچے اڑنے تھے اور رستم کا بھی خاتمہ ہونا تھا۔ لیکن جنگ جسر نے رستم کو کچھ اور دن دے دیئے۔

۵۔ حضرت مثنیٰؓ مسلمانوں کو بچا کر دریا کے اس طرف لے آئے۔ لیکن جنگ نے ایک چیز ظاہر کر دی کہ سواد کے علاقہ میں آج چوکیاں رکھنا۔ کل واپس لے آنا اور یہ ٹھک ٹھک کب تک جاری رہے گی جب تک ایران کی فوجی طاقت کو مکمل طور پر تباہ نہیں کیا جاتا، معاملات یوں ہی رہیں گے۔ ایرانیوں کو مکمل شکست دینے کے صرف دو طریقے تھے:

ا۔ اول: لاؤ لشکر تیار کیا جائے اور مدائن پر یلغار کر کے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔

یا

ب۔ دوم۔ دجلہ و فرات کے طاس کے تمام علاقے خالی کر دیئے جائیں اور فرات کے مغرب میں تیار رہا جائے۔ چھاپے مار کر دریا کے علاقوں میں ایرانیوں کا ناک میں دم کر دیا جائے اور ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کریں یا فیصلہ کن جنگ لڑیں لیکن میدان جنگ مسلمانوں کی مرضی کا ہو۔ جہاں ایرانی فوج کو تباہ و برباد کیا جائے۔

۶۔ جناب مثنیٰؓ اپنی کم فوج سے ان دونوں میں سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے تھے اور ایسی کارروائی کا مرکز مدینہ شریف کو ہونا چاہیے۔ حضرت مثنیٰؓ اس دوسرے طریقہ کے حامی تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے حیرہ کو دوبارہ چھوڑ دیا اور اب خفان کی جگہ بھی شراف کو چنا جو صحرا کے اور نزدیک تھا۔

۷۔ مدینہ شریف کے مستقر سے ایران و عراق کے محاذ کو وہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی تھی جو اب شام کے محاذ کو مل چکی تھی یا مل رہی تھی۔ وہاں جناب خالدؓ، ضرارؓ بن الازور، ضرارؓ بن خطاب، قعقاعؓ بن عمرو،

جریرؓ بن عبداللہ سے پہلے بھی چوٹی کے صحابہ موجود تھے جن میں جناب ابو عبیدہؓ بن جراح، شرجیلؓ بن حسنہ یزیدؓ بن ابوسفیانؓ، عمروؓ بن عاص، عکرمہؓ بن ابوجہل، ابوہریرہؓ، ابوسفیانؓ بن حرب، ابوذر غفاریؓ، عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۸۔ ایران ایک وسیع علاقہ تھا۔ ذرائع آمدورفت کے لئے دومت الجندل والا راستہ بالکل بیابان تھا۔ نباج والا راستہ اختیار کیا لیکن راستے میں پھر بھی صحرا تھے۔ شام وفلسطین کا محاذ تنگ تھا۔ وادیاں تھیں، جھیلیں تھیں اور ذرائع آمدورفت بہتر تھے۔ پہلے چار لشکر بھیجے پھر کمانڈ میں وحدت بھی پیدا کر دی گئی۔ لیکن ضرورت کے مطابق علاقائی طور پر محاذ کو حصوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ لیکن عراق وایران میں عجیب حالات تھے۔ جگہ جگہ دریا اور ندیاں عبور کرنا پڑتی تھیں۔ ادھر بیابان ریگستان تھا۔ جس میں عین التمر خنافس اور مضیح کے قبائل کو قابو رکھنا تھا۔ ادھر بصرہ کی طرف ڈیلٹا کا علاقہ تھا۔ دلدل تھی۔ کہیں عراق وایران کی سرحد پر پہاڑ تھے۔ پندرھویں نقشے سے علاقہ کی وسعت کا اندازہ لگائیں۔ ادھر پانچویں یا آٹھویں نقشہ سے اس سب علاقہ کا شام وفلسطین کے علاقہ کے ساتھ موازنہ کریں تو پھر فرق پتہ چلے گا۔ اس علاقہ کے لئے کسی بھرپور فوجی حکمت عملی کے تعین کی ضرورت تھی۔

۹۔ حضرت ابوعبیدؓ اور ان کے قبیلہ نے عظیم قربانی دے کر مسلمانوں کو فلسفۂ اسلام کا ایک عملی نمونہ دکھایا اور خلیفہ دوم کی ایران وعراق کے محاذ کی اہمیت کے بارے میں عملی طور پر آگاہ کیا۔ آگے چل کر اس سلسلہ میں جناب فاروق اعظمؓ نے جو عملی کاروائیاں کیں اُن کا ذکر آئے گا۔ اس سلسلہ میں جناب ابوعبیدؓ کی قربانی نے اہم کردار ادا کیا۔

۱۰۔ ایرانی لشکر جسر کی جنگ سے جس طرح واپس چلا گیا۔ اس عقدہ کو مؤرخین نے پوری طرح نہیں کھولا۔ ملکی حالات خراب ہوتے رہتے ہیں۔ بادشاہ مرتے رہتے ہیں۔ میدان جنگ میں قاصد آکر صرف سالار جنگ کو ملتا ہے۔ سالار لشکر کم از کم اتنا تو کر سکتا تھا کہ پل پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی پسپائی میں رکاوٹ ڈالتا، کچھ لوگوں کو تعاقب کے لئے بھیجتا لیکن کچھ بھی نہ کیا اور مدائن واپس چلا گیا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ مدائن میں جو بغاوت یا تفرقہ تھا۔ وہ رستم اور فیرزان کے درمیان طاقت کی رسہ کشی تھی۔ کچھ کا خیال ہے کہ بغاوت میں مردان شاہ اور جابان ملوث تھے جن کا حشر اگلے باب میں ظاہر ہو جائے گا۔

بہرحال جنگِ جسر میں جو کچھ ہوا۔ رستم وزیرِ جنگ پکا ہو گیا اور یزدجرد نے بادشاہ کے طور پر مکمل باگ ڈور سنبھال لی۔

اس جنگ میں چھ ہزار ایرانی مارے گئے اور چار ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کوئی دو ہزار کے قریب تتر بتر ہو گئے۔ جناب مثنیٰؓ کے پاس کوئی چار یا پانچ ہزار مجاہد رہ گئے۔ اگر جناب عبداللہؓ بن مرثد پل کی رسیاں نہ کاٹتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔ لیکن مشیتِ ایزدی ایسی ہی تھی۔ جناب مثنیٰؓ نے عبداللہ کو بھی معاف کر دیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ تنگ محاذ پر اکیلے مسلمان مجاہد کا چار یا پانچ کفار کے ساتھ مقابلہ ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں نے پل کو مرمت کر کے دوبارہ جو صفوں کو بحال کیا اور سلیقے اور ضبط کے ساتھ دوسرے کنارے پر صف بندی کی۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ جذبہ سے طاقت میں کتنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

جناب فاروق اعظمؓ نے جسر کی جنگ کے نتائج کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا اور فرمایا: "ہر مسلمان کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ابو عبیدؓ پر رحمت ہو۔ اگر دریا عبور کرنے کے بعد وہ پہاڑی کی اوٹ میں صف بندی کر لیتے تو پھر بھی بہتر رہتا۔ ویسے میری خواہش تو یہ تھی کہ وہ دریا کو عبور ہی نہ کرتے اور اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ دھکیلتے۔ اگر حالات زیادہ خراب بھی ہو جاتے تو کیا ہرج تھا کہ وہ وہاں سے واپس آ جاتے۔"

تبصرہ

جناب فاروقِ اعظمؓ کے یہ الفاظ اپنے اندر کتنی عمدگی لئے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان حاکم کے لشکر کے سپہ سالار کیلئے یہ کتنے پیارے الفاظ ہیں اور غلطی کا بیان بھی کتنے پیارے الفاظ میں کیا ہے۔ ہم جب صحابہ کرامؓ کا ذکر کریں تو ہمیں چاہیئے کہ ان الفاظ سے سبق لیں کہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے لئے کتنے پیارے الفاظ استعمال کرتے تھے اور ایسے الفاظ ہرگز نہ استعمال کرتے تھے جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔

آپ اندازہ لگائیں کہ مدینہ میں بیٹھ کر جناب فاروقؓ کے سامنے میدانِ جنگ کا نقشہ موجود تھا۔ جناب فاروق اعظمؓ حاکمِ وقت ہونے کی صورت میں ٹھیک فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو اپنی حفاظت کرنا چاہیئے۔ اصل بات مومن کا مقصد حیات ہے کہ وہ غیرت کی زندگی اور عقیدہ کی حفاظت میں اپنی جان پر کھیل جاتا ہے

اس جنگ کے قاصد جناب عبداللہؓ بن زید جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے حضرت عمرؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ ان کے بیان کا طریقہ اتنا اچھا تھا کہ جناب عمرؓ نے فرمایا کہ سب مسلمانوں کو لڑائی کے صحیح واقعات سناؤ۔ جناب عبداللہؓ نے

نے صحیح حالات کو عمدہ طریقے سے بیان کر دیا اور کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی بلکہ لوگوں میں جذبۂ جہاد اور بڑھ گیا اور اس کے نتائج کا بیان آگے آئے گا جناب عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عبداللہؓ بن زید کا بیان ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی جنگ کے سارے واقعات کا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ ہیں قاصد کی خصوصیات۔

یہ کام اتنا آسان نہیں اور صحیح پیغام رسانی ایک بہت بڑا ہنر ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قاصد کسی شکست کے بعد پوری قوم میں افراتفری مچا دیتے ہیں۔

اسباق حسبِ ذیل ہیں:

و۔ متحرک طرزِ جنگ بہترین طرزِ جنگ ہے اور متحرک رہ کر حضرت ابوعبیدؓ نے آتے ہی تین جنگوں میں فتح حاصل کر لی۔

ب۔ محدود علاقہ میں رہ کر جنگ لڑنا بھی بڑا کٹھن کام ہے، کم نفری کی حالت میں تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ زیادہ علاقہ سے متحرک ہو کر دشمن پر کبھی ادھر سے وار کیا اور کبھی ادھر سے۔ یعنی اپنی طاقت کو حرکت سے زیادہ کیا جائے۔

پ۔ ہلکے پھلکے مسلمان تعداد میں کمی کے باوجود، بھاری بھر کم ہتھیاروں والے ایرانیوں کو جگہ جگہ شکست دیتے رہے۔ اس لئے "بندو بستی دُم" جتنی چھوٹی ہو بہتر ہوتا ہے۔

ت۔ فلسفۂ حیات اور کردار فنِ سپاہ گری کی بنیادی چیزیں ہیں۔ جب ایرانی ایک باطل فلسفہ پر متحد تھے تو وہ عربوں سے برتر تھے کیونکہ اس وقت عربوں کے پاس کوئی فلسفہ نہ تھا لیکن عرب جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے دینِ فطرت کے فلسفہ کو اپنا لیا، تو وہ انہی ایرانیوں سے برتر ہو گئے۔

ٹ: حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کے کردار کا جو جائزہ پیش کیا۔ وہ ایک زوال پذیر قوم کے کردار کا تجزیہ ہے۔ ایسی قومیں صفحہ ہستی سے جلدی مٹ جاتی ہیں۔ ہمیں ہر وقت اپنا قومی محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ اس قسم کی کمینگی سے دور رہیں۔

ث۔ جنگ کے چالوں، تدبیرات، فن، ہنر، ربط و ضبط، احکام کی پابندی، ثابت قدمی اور اطاعتِ امیر وغیرہ کے سلسلہ میں اسباق پہلے ہی بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہ سب کچھ مسلمانوں نے قرآن پاک کی برکت سے حاصل کیا۔

؎ کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے   وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی (اقبالؔ)

اُنیسواں باب
جنگ بویب

جنگ جسر کے نتیجہ کے طور پر اسلامی لشکر میں بے چینی پھیل گئی لیکن مثنیٰؓ نے تمام مجاہدین کو اُلیس کے نزدیک اکٹھا کر لیا۔ ایک طرف مدینہ میں جناب عبداللہؓ کو بھیجا تو دوسری طرف عرب قبائل سے مزید مجاہدین کو فوج میں بھرتی کر لیا اور اپنی تعداد میں اضافہ کر لیا۔ مدینہ شریف سے بھی کمک آنا شروع ہو گئی جس کو مرحلہ در مرحلہ اگلے ابواب میں بیان کیا جائے گا۔ بہرحال اہل مدینہ پر جنگ جسر کے نتائج کا یہ اثر ہوا کہ ایران کے سلسلہ میں انہیں دو ٹوک فیصلہ کرنا پڑا۔

جابان اور مردان شاہ کا خاتمہ

ایران کے اندرونی جھگڑوں کے سلسلہ میں مورخین کوئی صحیح روشنی نہیں ڈال سکتے۔ جنگِ جسر کے چند دن کے بعد حضرت مثنیٰؓ نے اُلیس کے عرب قبائل کی مدد سے ایک چھاپہ مار کر جابان اور مردانشاہ کو گرفتار کر لیا۔ یہ لوگ وہاں کب، کیسے اور کیوں آئے اس کے تانے بانے ملتے نظر نہیں آتے۔ لیکن طبری میں حضرت مثنیٰؓ کے یہ الفاظ کہ آپ نے جابان کو کہا "کہ تم نے ہمارے امیر کو دھوکا دیا تھا۔ ان کے سامنے جھوٹ بولا تھا اور ان کو بھڑکایا تھا" ایسے ہیں جن کے اندر کوئی راز پنہاں ہے۔ ایک بات تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ جنگِ جسر سے پہلے اس علاقہ میں تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی سازباز کر کے بہمن کے لشکر کو شکست دلانا چاہتے تھے۔ یا مسلمانوں کو کوئی غلط اطلاع دی یا غلط امید دلائی وغیرہ۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جنگ جسر کے وقت وہ مدائن میں تھے اور وہاں کچھ گڑبڑ کی جس میں کامیاب نہ ہوئے اور وہاں سے بھاگ کر ادھر آ گئے۔ جسر کی جنگ کے بعد جو ایرانی لشکر مسلمانوں کے تعاقب کئے بغیر چلا گیا تھا۔ وہاں بھی جابان کی گڑبڑ کا ذکر موجود ہے۔ بہرحال ان ناکامیوں کے بعد جابان اور مردان شاہ اب اُلیس کے نزدیک پہنچ کر مسلمانوں کے ساتھ کوئی سازباز کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں نے اعتبار نہ کیا اور وہ گرفتار ہوئے۔

تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جابان مدائن میں کسی ناکامی کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ الیس کے علاقہ میں پہنچ گیا۔ اس کو خیال ہوگا کہ مسلمان افراتفری کی حالت میں ہوں گے۔ بچے کھچے لشکر کو وہ ملیامیٹ کر کے ایران میں نام پیدا کرے گا لیکن وہاں الٹا اپنے ساتھیوں سمیت پکڑا گیا۔ جناب مثنیٰؓ نے دونوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ جابان جو دو جنگوں سے بھاگ چکا تھا۔ آخر حق کی تلوار سے اپنا سر قلم کرا بیٹھا۔ یعنی اس کے مقدر میں مسلمان کی تلوار کی تیز دھار تھی جس سے کئی دفعہ بھاگنے کے بعد وہ بچ نہ سکا۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں

مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

(اقبال)

حضرت عمرؓ کی جناب مثنیٰؓ کو ہدایت

جناب فاروق اعظمؓ نے اسلام کے عظیم فرزند حضرت مثنیٰؓ کو ہدایت کی کہ "دشمن کے چنگل سے اپنے آپ کو باہر کرو۔ اپنی حدود سلطنت میں جہاں دشمن کے ساتھ سرحدیں ملتی ہیں، وہاں چشموں پر پھیل جاؤ۔ بنو ربیعہ، بنو مضر اور ان کے حلیف قبائل سے جس قدر صاحب شجاعت اور شہسوار مل سکیں ان کو اپنے ساتھ ملا لو اور اپنے علاقہ میں سب مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ ہم مدینہ سے کچھ مجاہدین فوری طور پر آپ کی مدد کے لیے بھیج رہے ہیں اور ہماری اگلی ہدایات کا انتظار کریں۔"

حضرت مثنیٰؓ پہلے ہی ذی قار پہنچ چکے تھے۔ یہ حکم ملتے ہی انہوں نے سواد کے علاقہ میں فوجی چوکیوں کو تقریباً ختم ہی کر دیا اور صرف چند مجز ادھر چھوڑ دیئے۔ چنانچہ پرانے طریقہ کے مطابق اپنے دوست ریگستان کی اوٹ لی اور وہاں مجاہدین بھرتی کرنے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی کمک کا انتظار کیا۔ یاد رہے کہ جناب مثنیٰؓ کے چہرہ مبارک پر برچھی کا جو زخم آیا تھا وہ بہت گہرا تھا لیکن چونکہ چل پھر سکتے تھے۔ اس لئے زخمی چہرے کے ساتھ ہی اپنے کام میں مشغول رہے۔

مدینہ سے کمک

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے جناب جریرؓ بن عبداللہ بجیلہ کو جناب مثنیٰؓ کی مدد کے لئے بھیجا اور ان کو حکم

دیا کہ اپنے قبیلہ یا جہاں سے جتنے مجاہدین مل سکیں ان کو ساتھ لے کر حضرت مثنیٰؓ کے پاس پہنچ جائیں۔ حضرت جریرؓ عراق کے علاقہ سے واقف تھے اور جناب خالدؓ کے لشکر کے ساتھ شام چلے گئے تھے۔ ان دنوں شام سے لوٹے ہوئے تھے۔ جناب جریرؓ جلد ہی محاذِ جنگ پر پہنچ گئے۔ اس کے بعد جناب عمرؓ نے عدیؓ بن حاتمؓ کو حکم دیا کہ وہ بھی کمک کے ساتھ جلدی عراق کے محاذ پر پہنچیں۔ جناب عدیؓ بھی علاقہ سے واقف تھے اور جناب خالدؓ کے ساتھ اس علاقہ میں جنگوں میں شریک رہے تھے۔ جناب عرفجہؓ بن ہرثمہؓ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ گیارہ لشکروں میں ان کا آٹھواں لشکر تھا وہ قبیلہ ازد کے عامل تھے۔ وہاں پر ان کو حکم ملا کہ قبیلہ ازد کے مجاہدین کے ساتھ عراق کے محاذ پر رپورٹ کریں۔ باقی کمک میں قبیلہ رباب سے ہلال بن علّفہ، بنو حبتم سے ابن المثنیٰؓ۔ قبیلہ خثعم سے عبداللہؓ بن ذی السہمین قبیلہ حنظلہ سے ربعیؓ اور ان کا بیٹا وغیرہ دستے لے کر عراق چل پڑے۔ باقی قبائل سے ربعیؓ بن عامرؓ ابن الہوبرؓ، المنذرؓ بن حسان اور قرطؓ بن حماخ بھی اپنے دستوں کے ساتھ جناب مثنیٰؓ کی امداد کے لئے عراق پہنچ گئے۔

مہران کی پیشقدمی

ایران کے اندرونی حالات کے سلسلہ میں مؤرخین میں یہاں بھی اختلاف ہے کہ آیا بوران جو عورت تھی۔ وہ حکمران تھیں یا یزدگرد جس کو مسلمان یزدجرد کہتے ہیں۔ بہرحال رستم اور فیرزان کی رسّہ کشی ختم معلوم ہوتی ہے۔ جنگوں کے صحیح جائزوں کے لئے دونوں طرفین کے صحیح حالات کے بارے میں پوری واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمیں اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ ایرانی سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ باخبر تھے۔ ان کو جب پتہ چلا کہ مدینہ سے حضرت مثنیٰؓ کو کمک پہنچنا شروع ہو گئی ہے تو انہوں نے جلدی سے مہران ہمدانی کے ماتحت ایک بارہ سے پندرہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ جا کر حضرت مثنیٰؓ کا قلع قمع کر دے اور مہران نے تیزی سے پیش قدمی شروع کر دی اور دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر کوفہ کے سامنے والے علاقہ میں آکر صف بند ہو گیا۔

جنگ بویب (صفر ۱۴ ہجری)

طبری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جنگ بویب رمضان کے مہینہ میں ہوئی لیکن جنگ جسر بھی رمضان ۱۳ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لئے جنگ بویب اتنی جلد نہیں ہو سکتی اور نہ پورے سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اس نے صفر

۱۴ا ہجری والی بات کچھ صحیح معلوم ہوتی ہے مہران نے جس جگہ پڑاؤ کیا اس کا نام بسوتا۔ "بسو" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سوکھی ہوئی ہو اور دودھ نہ دے جناب مثنیٰؓ کو جب یہ پتہ چلا تو آپ نے کہا کہ مہران کے لئے یہ برا شگون ہے۔ مہران البتہ جناب مثنیٰؓ کو دعوت دے رہا تھا کہ وہ دریا کو پار کریں اور دو دو ہاتھ ہو جائیں جناب مثنیٰؓ دریا کی دوسری طرف بویبؓ ندی یا دریا کے پاس فوجی طرز کا پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ مہران کو حکم تھا کہ جلد جناب مثنیٰؓ کا قلع قمع کریں اور وہ جناب مثنیٰؓ سے دریا پار کروا کر جسر کی جنگ طرح کامیابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ حضرت مثنیٰؓ کو کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ دریا کے نزدیک بھی دشمن پر نظر رکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے ورنہ وہ اب مزید کمک کے آنے تک زیادہ بھروسہ اپنے دوست ریگستان پر کر رہے تھے۔ جناب مثنیٰؓ نے دریا کو پار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب مہران پر ایک طرف حکومت کا دباؤ تھا کہ وہ جلدی کرے۔ دوسری طرف اس کو ڈر تھا کہ حضرت مثنیٰؓ کوئی حیران کن کاروائی نہ کر دیں کہ وہ حضرت مثنیٰؓ سے جناب خالدؓ کی طرح اس سلسلہ میں بہت خائف تھا۔ اس لئے مہران نے مجبور ہو کر دریا پار کر ہی لیا۔

طرفین کی صف بندی

حضرت مثنیٰؓ نے اپنے بازوؤں پر دونوں صحابہ رسول جناب عدیؓ اور جناب جریرؓ کو مقرر کیا۔ اور ہزرو یا جھپٹنے والے دستے اپنے بھائی معنیٰؓ کے ماتحت لشکر کے پیچھے رکھے۔ درمیان میں وہ خود تھے اور ان کا چھوٹا بھائی مسعود ان کے ساتھ تھا۔ جناب مثنیٰؓ اپنے گھوڑے شمس پر سوار تھے جس پر آپ صرف جنگوں میں سوار ہوتے تھے۔ بدن پر زخم کی وجہ سے خاص کر چہرہ پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ہر دستہ کے سامنے رک جاتے تھے اور خطاب فرماتے تھے۔ ایک مجاہد البتہ بے تاب تھا جو سب اہل لشکر سے آگے نکل گیا۔ اس مجاہد کے جنگِ جسر میں قدم اکھڑ گئے تھے اور آج کے دن وہ کسر پوری کرنا چاہتا تھا۔ جناب مثنیٰؓ اس کو دیکھ کر مسکرا دیئے اور اُس کو صفوں کے بیچ کر دیا۔

طبری کے لحاظ سے میمنہ اور میسرہ پر مدعورؓ اور النسیرؓ تھے۔ اور سواروں کی کمانڈ حضرت عاصمؓ کے ہاتھ تھی۔ بلکہ کچھ جیش المقدم بھی تھا جس پر جناب عصمہؓ تھے۔ بہر حال اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ دائیں بائیں کے دستوں میں ہر سطح پر کمانڈ ہوتے تھے اور کئی امیر ہو سکتے تھے۔ مہران نے مجبوراً دریا پار کیا اور شومیا کے مقام پر صف بندی کی جس کے بارے میں جناب مثنیٰؓ نے فرمایا کہ یہ بھی مہران کے لئے

---

(۱) نقشہ نہم دیکھیں۔

بُرا شگون ہے مہران اپنے لشکر کے درمیان میں تھا اور اسکی فوج کے بازوؤں پر مردان شاہ اور حیرہ کا رئیس آزادبہ تھے یہ مردانشاہ نیا مردانشاہ تھا کہ ایک مردانشاہ چند دن پہلے جابان کے ساتھ مارا گیا تھا اور آزادبہ وہی ہے جو فتح حیرہ کے وقت اپنے لڑکے کے مارا جانے کی وجہ سے بھاگ گیا تھا۔

جنگ

ایرانیوں کے تینوں دستوں میں ایک ایک ہاتھی تھا اور فوج میں بہت شور مچا ہوا تھا۔ جناب مثنیٰؓ نے مجاہدین کو آگاہ کیا کہ یہ بزدلی کی نشانی ہے اور مجاہدین خاموش رہیں۔ تین دفعہ نعرۂ تکبیر کی صدا دی جائے گی اور چوتھے نعرہ پر تمام مجاہدین دشمن پر پل پڑیں۔ مسلمان دفاعی جنگ کے صرف اس حد تک قائل تھے کہ حکمت عملی کے طور پر زمین اور علاقہ مرضی کا ہو۔ لیکن وہ کسی انفعالی دفاع میں یقین نہ کرتے تھے۔ وہ دفاع کو بھی متحرک رکھتے تھے اور ساکن تب تک رہتے تھے جب تک دشمن مار سے دور ہو۔ لیکن جب دشمن مار کے دائرے میں آجاتا تو پھر مسلمان متحرک ہو کر حملہ ہی کرتے اور تمام تر کاروائی جارحانہ ہوتی۔

اب ایرانیوں کی افراتفری کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے پہلے ہی نعرۂ تکبیر کی آواز پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان بھی کچھ بے ترتیبی سے آگے بڑھے لیکن جناب مثنیٰؓ نے "منبط، منبط" پکارا اور مسلمان سنبھل گئے اور ترتیب سے لڑائی شروع ہو گئی۔ لوگ بار بار حضرت مثنیٰؓ کی طرف دیکھتے تھے اور حضرت مثنیٰؓ اگر دیکھنے کا جواب مسکراہٹ یا شاباش کے اشارہ سے دیتے تھے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ ان کے لحاظ یا علاقہ میں کاروائی سالار کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ جناب مثنیٰؓ کا جنگ کی نبض شناسی میں بہت اونچا مقام تھا اور بہت چوکنے اور جلد فیصلے کرنے والے تھے۔

مہران کا خاتمہ

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن اندازہ ہے کل تعداد آٹھ یا نو ہزار کے قریب تھی۔ جس میں آدھے سے زیادہ جنگ کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ ایرانی جنگ جسر کے بعد کچھ بہتر ہمت میں تھے۔ اس لئے جب مسلمانوں کے حملوں میں کچھ کمی آئی تو ایرانیوں نے کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی اور مسلمانوں نے ان کو روکا جس کی وجہ سے جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی۔ جناب مثنیٰؓ کی زندگی کی یہ پہلی جنگ تھی کہ آپ زخموں کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں

نہ گھس سکے لیکن اگلی صف میں موجود ضرور رہے۔ جب جنگ کی یہ حالت ان کو نظر آئی تو انہوں نے سوچا کہ دشمن کی طاقت کی کشش کے مرکز کو ختم کیا جائے اور مسلمانوں کو بھڑکایا "کہ مہران کا سر قلم کرد" ان الفاظ میں پتہ نہیں کیا جادو تھا کہ تمام اطراف سے لوگ جوشِ جہاد میں آگے بڑھے اور چند لمحوں میں مہران کا سر زمین پر تڑپ رہا تھا اس کے قتل میں جناب جریرؓ اور بنو تغلب کا ایک مجاہد برابر کے شریک تھے اور جنگ کے بعد مہران کے ہتھیار دونوں میں برابر بانٹ دیئے گئے۔

جناب مسعودؓ کی شہادت

ایرانی بھی اس جنگ میں بڑی شدت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے اور خاص کر دونوں فوجوں کے قلب میں اتنی سخت لڑائی ہوئی کہ گرد و غبار اوپر اٹھا تو نظر آیا کہ ایرانیوں کا قلب جنگ ہار کر پیچھے ہٹ چکا تھا اور میدان جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ انہی میں جناب مثنیٰؓ کے چھوٹے بھائی جناب مسعودؓ بھی تھے جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے آخری سانسوں پر تھے۔ اپنے عظیم بھائی مثنیٰؓ کی جگہ آج انہوں نے سنبھالی ہوئی تھی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر ان کو تہس نہس کرنے کا کام انہوں نے کیا تھا۔ آپ کے قبیلہ والوں نے آپ کو زمین سے اٹھایا تو جناب مثنیٰؓ پکار اٹھے۔ "اے مسلمانو! یاد رکھو ہمارے بیچ بہتر لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس طرح شہادت حاصل کریں۔ اپنے جھنڈوں کو اوپر اٹھاؤ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور عروج دے":

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

اقبالؒ

اور جناب مسعودؓ شہید نے زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

مسلمانوں کا بھرپور حملہ

اسلامی لشکر نے جناب مسعودؓ کی شہادت کے بعد جناب مثنیٰؓ کے ولولہ اور جذبۂ جہاد کی یہ حالت دیکھی تو انہوں

نے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا۔ جناب قرطؓ بن جماع نے آگے بڑھ کر ایرانی رسالہ کے کمانڈر شہر براز کو قتل کر دیا۔ کمک میں آنے والوں میں سے جناب عرفجہؓ، عبد اللہؓ بن السمیں اور جناب ربعیؓ نے اپنے دستوں اور قبائل کے ساتھ زوردار حملے کئے اور ایرانی سرداروں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا اور جناب مثنیٰؓ نے اپنے دستہ کے ساتھ آگے بڑھ کر پُل پر قبضہ کر لیا۔ اب ایرانیوں کے لئے بھاگنے کے راستے بھی مسدود تھے اور پورے لشکر کو تہس نہس کر دیا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں مرنے والی ایرانیوں کی بوسیدہ ہڈیاں کئی سال تک وہاں پڑی رہیں۔ ظاہر ہے لشکر کا بڑا حصہ ادھر ہی ختم ہو گیا۔ پھر بھاری بھر کم ایرانی بھاگ بھی نہ سکتے تھے۔ ویسے تو کئی اور جنگوں میں ایرانیوں کا نقصان زیادہ ہوا لیکن یہاں میدانِ جنگ محدود علاقہ میں تھا تو بوسیدہ ہڈیاں زیادہ دیر رہیں۔ اس کو کہتے ہیں شکست۔ ہمارے جن مؤرخین نے جسر کی جنگ کو اپنی شکست تصور کر لیا۔ وہ یہاں موازنہ کریں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسر کی جنگ میں مسلمان کامیاب نہ ہو سکے۔

تلواروں اور نیزوں پر جنازہ

اس جنگ میں حضرت مثنیٰؓ کے بھائی مسعودؓ شہید اور باقی شہداء کے جنازوں کو جنگ کے بعد تلواروں اور نیزوں پر اٹھایا گیا اور حضرت مثنیٰؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تاریخ میں اس قسم کی روایت پہلی دفعہ سامنے آتی ہے کہ شہدا کی عزت افزائی کی گئی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور بے شک وہ غیروں کی نقالی سے منع کرتا ہے لیکن عرب قبائل کے چند اچھے رواج اسلام میں موجود رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی قبیلہ یا قبیلہ بنو بکر کے ہاں جنگ کے مرنے والوں کے لئے ایسی عزت کا رواج ہوگا۔ اور پہلی دفعہ میدانِ جنگ میں اسلام کے شہداء کو یہ عزت جنگ بویب میں دی گئی۔ کیونکہ یہ رسم دینِ فطرت کے فلسفہ حیات کو کسی اصول کے خلاف نہیں جاتی، بلکہ مرنے والوں یا شہدا کی عزت افزائی ہے تو اس کے بعد شاید مسلمانوں میں اس کا رواج ہو گیا ہو۔ بہر حال یورپ کی عسکری تاریخ میں ایسی روایات سترھویں صدی سے پہلے نظر نہیں آتیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ترکوں سے یہ سیکھا اور اب یہ رسم عام ہو گئی ہے کہ ملک کے لیڈروں اور سپاہیوں کے جنازے توپ پر اٹھائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم) اس پہلو پر زیادہ تجسس کی ضرورت ہے۔

فوری عطیات

حضور پاکؐ ، مسلمانوں کو دشمن کے فوری تعاقب کا طریقہ کار سکھلا گئے تھے . جس کا جلال مصطفےٰؐ
کے دوسرے تیسرے اور ساتویں باب میں تفصیل سے ذکر ہے . چنانچہ مسلمانوں نے اس طریقے کو ہر جنگ
میں استعمال کیا ۔ خاص کر جناب جریرؓ بن عبداللہ اور وہ لوگ جنہوں نے جسر کی جنگ میں شرکت نہ کی وہ
بدلہ لینے کے لئے بہت پُر جوش تھے . انہوں نے تیزی سے دریا کو پار کیا اور مہران دریا کے پار جو رسد و رسائی
کا سامان اور ریوڑ چھوڑ آیا تھا اس پر قبضہ کیا اور حیرہ کے عبدالمسیح کے بیٹے اور کرامۃ کے بھائی کو
حکم دیا کہ یہ ریوڑ ہانک کر مسلمانوں کے بندوبستی علاقے میں لے جاتے . وہاں پر مسلمان عورتیں اور بچے
تھے اور انہوں نے جب اجنبی لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے ابن عبدالمسیح اور اس کے ساتھیوں
پر حملہ کر دیا . اس بے چارے نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو فتح کی خوشخبری سنائی اور خود عش عش کرنے
لگا کہ جس قوم کی عورتیں اور بچے ایسے ہوں ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے ۔

اس کے بعد جناب جریرؓ ، عصمہؓ اور عکرمہؓ اپنے قبائل کے دستوں کے ساتھ بچے کھچے دشمن کا دور
تک تعاقب کرتے رہے . حتیٰ کہ مدائن کے نزدیک ساباط چھاؤنی کے نزدیک کے علاقوں کو بھی تاخت و
تاراج کیا گیا ، جہاں سے مالِ غنیمت حاصل ہوا . یہ متحرک کاروائیاں مختلف امرا کے ماتحت سارے طاس
یا سواد کے علاقے میں جاری رہیں اور واسط سے لے کر اوپر تک جگہ جگہ مسلمان دستے اللہ اور اس کے
حبیبؐ کا نام بلند کرتے رہے . یعنی جس طرح جناب خالدؓ کے زمانے میں ایرانیوں کے لئے دجلہ کے اس
پار رہنا ناممکن ہو گیا تھا تو اب پھر مسلمان دستوں نے وہی صورت پیدا کر دی .

شمال میں انبار اور دریائے فرات کے مغرب کے ریگستانی علاقہ یعنی عین التمر اور خنافس کے علاقہ
کے عرب قبیلے بھی جنگِ جسر کے بعد خود مختاری کا سوچ رہے تھے اور مسلمانوں کی طرف لاپرواہی برتی ۔
جناب مثنیٰؓ نے متعدد امرا کو دستے بھیج کر ان علاقوں میں حربی مظاہرے کئے اور شرپسندوں کے مزاج
کو درست کیا . علاوہ الکباث اور تکریت کے علاقوں میں لشکر بھیجے اور تکریت پر چڑھائی والے لشکر کی کمانڈ
جناب مثنیٰؓ نے خود کی ۔

نتائج واسباق

۱۔ اس باب اور جنگ بویب کے نتائج یعنی "عطیات اور ثمرات" اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں جو فوری نتائج تھے۔ حتمی یا پیش رفت والے نتائج عملی طور پر اگلے باب میں خود بخود عیاں ہو جائیں گے کہ جناب خالدؓ ایران کی فتح کی جو بنیاد باندھ گئے تھے۔ اس کو جسر کے مقام پر تھوڑا دھچکا لگا لیکن جناب مثنیٰؓ نے اس بنیاد کو پھر مضبوط کر دیا۔

۲۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں ایران کی فتح کے لئے تجاویز مرتب فرما رہے تھے اور یزد جرد جو تخت پر مکمل طور پر براجماں ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی شکست دینے کی تیاری کر رہا تھا۔

۳۔ اسلام میں بامقصد جنگ کے تحت حق کا قافلہ رواں دواں رہتا ہے۔ حکمت عملی کی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ آگے چل کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے قانون کو نافذ کرنا ہوتا ہے اور پہلے یہ قانون اپنے اوپر لاگو کرنا ہوتا ہے۔

۴۔ اس زمانے میں محاذِ شام پر مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

۵۔ اسلام میں فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا۔ کان رواں دواں رہتے ہیں۔

بیسواں باب

حضرت عمرؓ کی ایران کو فتح کرنے کے سلسلے میں حکمت عملی

حضرت عمرؓ کا مدینہ سے کوچ

جنگِ جسر رمضان ۱۳ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس وقت خلیفہ دوم نے جو کارروائی کی اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے اور جناب مثنیٰؓ کو جو کمک مہیا کی اس کی مدد سے جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بیان کئے جا چکے ہیں اور جنگِ بویب جو اس سلسلہ کی آخری کڑی تھی وہ صفر ۱۴ ہجری میں واقع ہوئی۔ لیکن اس جنگ سے ایک ماہ پہلے یعنی محرم ۱۴ ہجری میں جناب فاروق اعظمؓ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور چوٹی کے صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ شریف سے جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور حکم دیا کہ سب مسلمان اس جہاد میں شرکت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ آپ کے ردیف تھے جس کو آج کل سیکرٹری یا چیف آف سٹاف کہہ سکتے ہیں اور جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی ساتھ تھے۔

صرار کے چشمہ پر قیام

جناب فاروقِ اعظمؓ نے صرار کے چشمہ پر قیام فرمایا اور جو مجاہدین مل گئے ان سے ایک لشکر تشکیل فرمایا۔ اس لشکر کے جیش المقدم یا ہراول دستوں پر جناب طلحہؓ کو مقرر کیا اور اگلی منزل پر روانہ ہونے کا حکم دیا یعنی منزل بمنزل چلیں گے اور جب جناب فاروقؓ اس منزل پر جناب طلحہؓ کو مل جائیں گے تو پھر جناب طلحہؓ کو آگے کے احکام دیں گے۔ ہر منزل پر ایسا جیش المقدم اپنے لشکر کے قیام کا بندوبست کرتا۔ جیسے آج کل ہم لوگ ہاربر پارٹی یا کمپ پارٹی آگے بھیجتے ہیں۔ باقی لشکر کے میمنہ پر جناب عمرؓ نے جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مقرر کیا اور میسرہ پر جناب زبیرؓ بن عوام کو۔ اور مجاہدین کا انتظار فرما رہے تھے، تو صحابہ کرامؓ جو ساتھ تھے، انہوں نے عرض کی "اے امیر المؤمنین! آپ ہر بات پر ہم سے مشورہ کرتے تھے۔ اس دفعہ بغیر مشورہ کے احکام جاری کر دیئے آخر اپنی حکمتِ عملی یا تجاویز کے بارے میں انہیں کچھ تو آگاہ کریں۔"

مجلسِ مشاورت

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایران کی جنگ بہت طول پکڑ گئی ہے۔ انہوں نے مشوروں میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اب ویسے بھی کھلے میدان میں آ چکے ہیں۔ جہاں جنگ کے لئے بہترین مشورے ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قارئین کو یاد ہوگا کہ خلیفۂ اوّل نے مرتدین کے قلع قمع کے لئے ذو قصہ کے مقام پر تمام لشکر مقرر فرمائے۔ اور ذو قصہ بھی صراصر کے چشمہ کی طرح کھلی جگہ تھی۔

جناب عمرؓ نے فرمایا کہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ خود ایک لشکر جرار کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوں اور اس جھگڑے کو ختم کر دیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ جناب ابن ابوطالبؓ کو بھی مدینہ سے بلا لیا جائے کہ ان کے بغیر مشورہ نامکمل ہوگا اور جناب طلحہؓ بن عبیداللہ کو بھی ہراول دستوں سے واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ تمام چوٹی کے صحابہ اکٹھے ہو گئے اور عشرہ مبشرہ سے صرف جناب سعدؓ بن ابی وقاص نجد میں صدقات کی وصولی پر گئے ہوئے تھے۔ باقی وہاں موجود تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو خلیفہ دوم سے متفق تھے اور ان کے خیال کے مطابق خلیفہ کو دور دراز علاقوں اور ملکوں میں جانا چاہیئے تھا اور بعد میں حضرت عمرؓ بیت المقدس تیار ہوئے اور جس کا ذکر دوسری کتاب میں آئے گا تو اس وقت بھی حضرت علیؓ نے یہی رائے دی کہ خلیفہ کو علاقوں میں جانا چاہیئے اور اپنی آنکھ سے علاقوں اور مہمات کی خبر حاصل کر کے بروقت کاروائی کرنا چاہیئے۔

لیکن جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور باقی صحابہ کرامؓ نے اس کی سخت مخالفت کی اور سب کی یہ رائے تھی کہ اوّل تو دو محاذوں پر جنگ جاری ہے اور ایران کے محاذ کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے۔ دوسرا خدانخواستہ اگر محاذِ جنگ پر اس لشکر کو شکست ہو جائے جس کی کمانڈ خلیفہ کر رہے ہوں تو اس کو اسلام کی شکست سمجھا جائے گا۔ پھر حالات اتنے بھی خراب نہ تھے کہ اتنے زیادہ مجاہدین کو اکٹھا کیا جائے کہ ایران کی جنگ کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کے دلائل اتنے وزنی تھے کہ جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ نے ان کو تسلیم کیا، لیکن دونوں کا خیال تھا کہ اس کام کے لئے کسی چوٹی کے صحابیؓ کو سپہ سالار بنانا چاہیئے لیکن اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔

جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی نامزدگی

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اُسی وقت ایک قاصد حضرت سعدؓ کا ایک خط لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا

تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف پکار اُٹھے "کہ مل گیا، کہ مل گیا" لوگوں نے پوچھا۔ کون ؟ آپ نے فرمایا۔ "فاتح ایران" اور یہ کام جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو سونپا جائے۔ سب صحابہ کرامؓ نے اس نامزدگی سے اتفاق کیا اور اسی قاصد کے ذریعے سے جناب سعدؓ کو بلا بھیجا گیا۔ عشرہ مبشّرہ کے جن بزرگ صحابہؓ نے اس مشاورت میں شرکت کی وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جناب سعدؓ بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن یہاں ان کے لئے چند الفاظ ضروری ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مالک تھا لیکن آپ سعدؓ بن مالک کی بجائے زیادہ تر سعدؓ بن ابی وقاص کے نام سے مشہور رہیں۔ اول اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور سترہ برس کی عمر میں یہ شرف حاصل ہوا۔ اسلام کے واسطے سب سے پہلا تیر آپ نے چلایا جب آپ جناب عبیدہؓ بن حارث کے لشکر کے ساتھ باہر نکلے حضور پاکؐ کے زمانے کی سب جنگوں میں شرکت کی اور واحد صحابی ہیں جن کے لئے طبقات ابن سعد میں حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق حضور پاکؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔ "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں"۔

اکثر مؤرخین نے جناب سعدؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؓ حضور پاکؐ کے دُور کے رشتہ سے ماموں تھے۔ جنرل اکرم نے کوئی رشتہ تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ آپؓ کے والد مالک حضور پاکؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ تو اس طرح جناب سعدؓ حضور پاکؐ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آمنہؓ بنت وہب۔ بن عبد مناف بن زہرہ ہیں۔ اور مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہیں۔ زہرہ، قصی کا بھائی تھا اور وہاں سے بنی زہرہ، کا نسب حضور پاکؐ کے ساتھ مل جاتا ہے۔ طبقات ابن سعد میں آپ کا ذکر بڑے پیارے الفاظ میں ہے۔ اور جلال مصطفیٰ[۱] میں کثرت سے ذکر ہے۔

حضرت عمرؓ اور جنگِ ایران

ایران کی جنگ کو بیان کرتے وقت کچھ مؤرخین اور مبصرین نے عجیب قسم کے بیانات دیئے ہیں یہ مبصر یا مؤرخ اِن صدیوں کے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جناب عمرؓ نے عراق کے قبائل کو لکھا کہ یہ ایرانیوں اور عربوں کی جنگ ہے، اور آپ ہمارا ساتھ دیں۔ پرانی تاریخوں میں میری نظر

---

[۱] صفحہ ۲۳، ۴۰، ۵۲، ۹۴، ۳۱۱ اور ۳۱۲ وغیرہ

سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری۔ ہاں جناب مثنیٰؓ کو ان عرب قبائل کو لشکرِ اسلام میں شامل کرنے کے لئے لکھا جو اسلام لے آئے تھے۔ الفاظ کے استعمال میں بڑا فرق ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے منہ میں ایسے الفاظ ڈال دیئے جائیں کہ یہ عربوں اور ایرانیوں کی جنگ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسے بیان لغو ہیں۔ اور اس مورخ کو اللہ معاف کرے۔

بات یہ ہوتی ہے کہ عرب قبائل کو اسلام لانے کے بعد ایسی دعوت دی جا سکتی ہے کہ آئیں ہمارے ساتھ مل کر ایران کی شہنشاہیت ختم کریں۔ اور ہم مل کر اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کریں گے جیسے بعد میں ایران کے مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ ہم مل کر ترکستان میں اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کریں وغیرہ۔ ملکوں اور قبائل کے نام پہچان کے لئے ہیں اور قرآن پاک میں ان ناموں کو صرف پہچان تک استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد رشتہ اسلام ہے۔ قبائلی رشتے اور پیار و محبت والی بات الگ ہے۔ لیکن اِن رشتوں کو غلط طور پر استعمال کر کے تعصب سے گریز کیا جائے۔

اسی طرح اس زمانے میں کچھ مبصرین نے طبری کے حوالے سے یہ لکھا کہ حضرت عمرؓ ایران کی جنگ کے حق میں نہ تھے اور یہاں تک کہہ دیا کہ "اے کاش ایران اور ہمارے درمیان آگ کا سمندر ہوتا یا دریا ہوتا۔" کسی اور تاریخ میں کسی معتبر راوی نے یہ بات نہیں کہی۔ ممکن ہے جب شام کے ساتھ جنگ میں زیادہ مصروفیت تھی تو وقتی طور پر آپؓ نے کہہ دیا ہے کہ کچھ وقت کے لئے ایران اور ہمارے درمیان ایک آگ کا دریا ہو جاتا۔ لیکن واقعات اس طرف اشارہ بالکل نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ حالات اتنے بھیانک ہو گئے ہوں، کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے کسی آگ کے دریا کی ضرورت پڑتی۔

یہ سب ذہنی اختراع ہیں۔ کیا حضرت عمرؓ اسلام کو عربوں تک محدود کرنا چاہتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضور پاکؐ زمانے کو تسلسل دینے کے لئے مبعوث ہوئے کہ زمانے کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ آپؐ نے امتِ واحدہ کا تصور دے کر یہ تسلسل قائم کر دیا اور آپؐ ساری دنیا کے لئے پیغمبر اور نبی آخر الزمانؐ ہیں۔ حضرت عمرؓ کیسے عرب کی سرحدوں پر آگ کے دریاؤں کی دعائیں کرتے۔

اگر ایسی بات ہوتی تو حضرت عمرؓ اس طرح جہاد کے لئے نہ نکلتے۔ کہ تمام مسلمانوں کو

لے کر ایران کی طرف روانہ ہونے لگے۔ جنگ سے کترانے والی بات بالکل غلط ہے۔ ہاں یہ پہلو البتہ آگے آئے گا کہ حضرت عمرؓ اتنے علاقہ پر پھیلاؤ رکھنا چاہتے تھے، جس پر آسانی سے کنٹرول کیا جا سکے۔ اس لئے آگے چل کر دریائے سندھ سے آگے فوجوں کو جانے سے منع کر دیا اور دوسری طرف افواج کو دریائے جیحوں اور سیحوں پر روک دیا۔ اس میں ایک اور پہلو بھی تھا کہ کہیں تو مسلم دور دراز ملکوں میں جاکر دوسروں کی تہذیب میں رنگ جاتے تھے اور اسی وجہ سے جنابِ عمرؓ نے تو تمام مسلمانوں کے لئے زبان بھی عربی کا فیصلہ کیا کہ وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک ایسی قوم دیکھنا چاہتے تھے، جن میں مکمل وحدت ہو اور ان کا ثقافتی رنگ بھی اسلامی ہو۔ یہ پہلو بڑا وسیع ہے۔ اور چوتھی کتاب میں اس کی مکمل وضاحت کی جائے گی کہ غلط طریقوں میں پڑ کر کس طرح ہم مکمل وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل پر قائم نہ رہ سکے۔ تیسری کتاب میں البتہ مصر اور افریقہ کی طرف عربی کے پھیلاؤ کا فلسفہ بیان کر دیا گیا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کی محاذِ جنگ کی طرف روانگی

حضرت سعدؓ جب چشمہ صرار پر خلیفہ دوم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت عمرؓ ایران کی حکومت کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی تیاری اور حکمت عملی کا تعین کر چکے تھے جو کام وہ خود کرنا چاہتے تھے وہ کام انہوں نے جناب سعدؓ کو سونپ دیا اور فرمایا: "کہ آپ کو عراق و ایران کے محاذ پر سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کٹھن کام ہے۔ پورا محاذ ابلہ (موجودہ بصرہ) سے لے کر حیرہ تک آپ کی کمانڈ میں ہوگا۔ متعدد چھوٹے کمانڈر، جو ان علاقوں میں خود مختار طور پر کام کر رہے ہیں، سب آپ کے ماتحت ہوں گے۔ آپ مشکل حالات میں صبر کریں اور ثابت قدمی کو اپنا شعار بنائیں۔"

جناب فاروقِ اعظمؓ نے حضرت سعدؓ کو اسلامی فلسفہ حیات، طرزِ زندگی، اللہ کے احکامات اور حضور پاکؐ کی سنت سے وہ تمام باتیں یاد دلائیں جو حضور پاکؐ کے دونوں عظیم رفقا آپ کی مصاحبت سے سیکھ چکے تھے اور ان کی نگاہ سے ان مقامات تک پہنچ چکے تھے۔ اس وقت تک تقریباً چار ہزار کا لشکر یمن اور دوسرے نزدیکی علاقوں سے اکٹھا ہو چکا تھا۔ ان سب مجاہدین کو جناب سعدؓ کی کمانڈ میں دے دیا گیا۔ ان میں متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو پہلے مرتد ہو چکے تھے لیکن دوبارہ اسلام کی آغوش میں آگئے۔ جیسا کہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ شروع میں جناب صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ نے اسے لوگوں کو جہاد میں شرکت سے الگ رکھا۔ لیکن اب بہادر اور باعتبار لوگوں کو لشکرِ اسلام میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان میں عمروؓ بن معد یکرب بھی تھے جو یمن کے مشہور پہلوان تھے۔ اسلام کے لشکر میں ان کی بہادری کے کارناموں کا ذکر آئے گا۔

حضرت عمرؓ نے تمام مجاہدین کو پہلے خطبہ دیا اور پھر ان مجاہدین کے ساتھ صرار کے چشمہ سے اعوص تک خود بھی چل کر گئے اور وہاں پر پھر مجاہدین سے خطاب کیا۔ اس کے بعد جناب فاروقؓ نے جناب سعدؓ کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ پہلے نباج کے نزدیک زرود میں قیام کرنا۔ نقشہ پنجم کے ذریعہ ظاہر ہوگا کہ عراق کے مہم کے لئے مسلمانوں نے یہی راستہ عام طور پر استعمال کیا اور دومتہ الجندل والا راستہ مشکل تھا۔ حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو بھی یہ حکم دیا کہ نباج اور زرود کے علاقوں سے بہادر اور غیرت مند مسلمانوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لینا اور باقی ہدایات جناب سعدؓ کو وقتاً فوقتاً ملتی رہا کریں گی، یہ بڑا صحیح طریقہ تھا کہ تمام ہدایات ایک ہی وقت میں نہ دیں بلکہ ہدایات ضرورت کے مطابق دیں اور جیسے ہی ہم ان جنگوں میں مجاہدین کے کارواں یا قافلہ کے ساتھ چلتے جائیں گے، یہ نکتے ہم پر خود بخود کھلتے جائیں گے۔

کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نفرت

طبری کے مطابق محمدؓ بن سوقہ کی ایک روایت ہے کہ ابھی دنوں کچھ اور لوگ جہاد میں شرکت کے لئے آئے حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ بڑی بے رخی اختیار کی۔ جب آپؓ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر جناب عمرؓ کو کراہت آتی تھی۔ اور ان کے لئے ان کے دل میں اندرونی نفرت پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال وہ لوگ جہاد کے لئے چلے گئے کہ ظاہری طور پر ٹھیک تھے اور دلوں کے حالات اللہ کو معلوم ہیں۔ لیکن یہ شر پسند لوگ تھے اور کسی دنیاوی غرض کے لئے جنگوں میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں جو فتنے پیدا ہوئے اُن میں ان لوگوں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شہید کرنے والے مردود بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔

جناب سعدؓ کے لئے مزید کمک

حضرت سعدؓ کی روانگی کے بعد بھی خلیفۂ دوم نے لوگوں کو جہاد پر جانے کی ترغیب کے

سلسلہ میں تبلیغ جاری رکھی۔ جس کے نتیجہ کے طور پر بنو اسد اور بنو تمیم سے چار ہزار مجاہدین تیار ہو گئے۔ بنو اسد طلیحہ کا قبیلہ تھا اور بنو تمیم مالک بن نویرہ کا۔ ان قبائل کے سرداروں کو جناب فاروق اعظم رضؓ نے حکم دیا کہ وہ زرود اور شراف کے درمیان پڑاؤ کریں اور جب جناب سعدؓ زرود سے شراف کی طرف کوچ کریں تو وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جناب مثنیٰؓ ذی قار سے بھی ہٹ کر اب شراف میں مقیم تھے۔

ابلہ (بصرہ) کے علاقوں سے امداد

عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں ابلہ، پہلی ہی مہم میں فتح ہو گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ بعد میں بیان کیا گیا تھا کہ حیرہ کی طرف کوچ کرتے وقت جناب خالدؓ نے ابلہ کے علاقوں سے سویدؓ بن مقرنؓ کو واپس بلا لیا تھا۔ مسلمان لشکر والے مدینہ سے رابطہ کے لئے نباج کے ساتھ زرود اور شراف والا چھوٹا راستہ استعمال کرتے تھے جیسا کہ نقشہ پنجم میں دکھایا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں جب، جناب ابو عبیدؓ کو عراق بھیجا گیا، تو ابلہ والے علاقوں پر بھی کچھ توجہ دی گئی اور جناب قطبہؓ بن قتادہ کے ماتحت ایک دستہ اس علاقے میں بھیجا گیا۔ اور پھر جلدی سے ان کی مدد کے لئے جناب شریحؓ بن عمرو کو بھیجا گیا، جن کی وہاں پر جاتے ہی ایک جھڑپ میں شہادت ہو گئی۔ ان حالات کی وجہ سے دو ہزار کا ایک لشکر جناب عتبہؓ بن غزوان کے ماتحت بھیجا گیا کہ علاقہ اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اور گو اس وقت تک اس علاقہ کی اہمیت زیادہ نہ تھی لیکن ایرانیوں کے لئے یہ علاقہ اہم تھا اور اس پہلو کی وضاحت ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہاں زیادہ لشکر بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خوزستان اور فارس کے صوبوں کے سلسلہ میں بھی ایرانی حکومت کو کچھ فکر پڑ جائے۔

نقشہ دوازدہم کا غور سے مطالعہ کریں تو اس علاقہ کے متعدد شہر یعنی ابلہ، مناظر، اہواز، رام ہرمز اور بندر شاہ پور وغیرہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہاں پر جناب عتبہؓ اگر ذرا پیش قدمی کرتے تو خوب جھڑپیں ہوتی تھیں، اور جناب عتبہؓ کے ماتحت عظیم صحابی جناب مغیرہؓ بن شعبہ نے اس علاقہ میں بڑی بہادری دکھائی۔ جناب مغیرہؓ بن شعبہ کا ذکر پہلے

ہو چکا ہے کہ آپ جناب ابو عبیدؓ کے قبیلہ ثقیف سے تھے اور آگے بھی جنگوں میں وہ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے۔ آپ کا ذکر جلال مصطفےؐ میں بھی موجود ہے۔ بہر حال اب ان حالات میں خلیفۂ دوم نے جناب عتبہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی کارروائیاں دیکھ بھال تک محدود رکھیں اور صرف گشتی کارروائیاں کریں۔ اور جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو کچھ کمک کے ساتھ، جناب سعدؓ کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ سات سو سواروں کے دستہ کے ساتھ جناب مغیرہؓ، جناب سعدؓ کے لشکر میں شمولیت کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور جس دن جناب سعدؓ، شراف پہنچے تو حضرت مغیرہؓ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ جناب مغیرہؓ از خود کئی سواروں یا مجاہدین کے برابر تھے۔ سیاست کے ماہر تھے اور سفارتی کاموں کے لئے بھی بڑے موزوں تھے۔ آپ کے ساتھ تیسری اور چوتھی کتاب میں بھی ملاقات رہے گی۔

حضرت سعدؓ کی تیاری

خلیفہ وقت کے احکام کے تحت حضرت سعدؓ ایک بہت بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ ویسے بھی ایسی تیاری حکمت عملی کے تحت محاذ جنگ سے ذرا پیچھے کسی پُر امن اور ایسی جگہ ہونا چاہیئے تھی جو مسلمانوں کے دوست ریگستانی علاقہ میں ہو۔ ادھر حضرت مثنیٰؓ بھی خلیفہ دوم کے احکام کے تحت ذی قار سے ہٹ کر شراف پہنچ چکے تھے اور اب شراف اور زرود کے درمیانی علاقے اسلامی لشکر کی جنگاہ میں تبدیل ہو رہے تھے۔ حضرت سعدؓ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ چار ہزار مجاہدین کی کمک بعد میں آئی اور جناب سعدؓ خود کوئی سات ہزار مجاہدین بھرتی کر چکے تھے۔ تقریباً پندرہ ہزار مجاہدین اسلام کے علم کے نیچے اکٹھے ہو چکے تھے۔ جناب سعدؓ نے زرود سے شراف کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔ اس دوران حضرت مثنیٰؓ بھی اپنی فوج کی تعداد کو کوئی بارہ ہزار کے قریب پہنچا چکے تھے۔ اس طرح ایران کے محاذ پر تمام فوج کی نفری تقریباً تیس ہزار کے نزدیک پہنچنے والی تھی کہ روایت ہے کہ جنگ قادسیہ کے بعد تیس ہزار کے قریب مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم ہوا۔ لشکر کی تعداد کم یا زیادہ ہو سکتی ہے کہ شام سے چھ ہزار کی کمک بھی جنگ قادسیہ کے آخری دنوں میں جنگ میں شامل ہو گئی۔ اور مالِ غنیمت کے ساتھ جو تقریباً تیس ہزار نفری کا لفظ ہے، تو اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں اسلامی افواج اِس محاذ پر کسی جنگ میں شریک نہ ہوئی تھیں۔

حضرت مثنیٰؓ کی شہادت

اب ہم اسلام کے عظیم فرزند اور ہماری افواج کے ایک عظیم سپہ سالار کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو ان عظیم مجاہد کی رفاقت نہ حاصل ہو سکی۔ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ جناب مثنیٰؓ جسر کی جنگ میں شدید زخمی ہوئے اور ان زخموں کے باوجود بویب میں دشمن کو شکست دی لیکن چہرہ مبارک کا زخم بڑا شدید تھا۔ وہ جسم کو کھلائے جا رہا تھا اور زندگی کے آخری ایام میں وہ زیادہ حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اس عظیم مجاہد کو بھی جناب خالدؓ کی طرح میدانِ جنگ کی شہادت نصیب نہ ہوئی۔ یہ اللہ کا راز ہے۔ ورنہ بدن پر کوئی خالی جگہ نہ تھی جہاں زخم کا نشان نہ ہو منتظر تھے کہ شاید جناب سعدؓ شراف پہنچ جائیں تو ان کو خوش آمدید بھی کہیں اور حالات کا جائزہ بھی پیش کریں لیکن خلیفۂ دوم کے احکام کے تحت جناب سعدؓ ابھی زرود میں ہی تھے کہ اسلام کے یہ عظیم فرزند جناب مثنیٰؓ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مؤرخین اور مبصرین نے اس واقعہ کو عجیب رنگ دیئے ہیں۔ کسی نے لکھا کہ مدینہ شریف کے مرکز نے تیسری دفعہ جناب مثنیٰؓ کو مایوس کیا اور سپہ سالار نہ بنایا۔ کسی نے بات کو آگے بڑھایا کہ جناب سعدؓ یہ توقع کرتے تھے کہ مثنیٰؓ ان کے پاس آکر زرود میں رپورٹ کریں اور ان کو حالات سے آگاہ کریں۔ اس لئے وہ شراف نہ گئے۔ کسی نے پھر طول دیا کہ جناب مثنیٰؓ کو امید تھی کہ جناب سعدؓ جلدی سے آگے والے محاذ پر پہنچ جائیں گے لیکن جناب سعدؓ نے ان کو مایوس کیا۔

فضول جائزے اور تبصرے

ہمارے لحاظ سے یہ سب جائزے اور تبصرے فضول ہیں بلکہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مبصرین کے الفاظ بھی وہ نہیں جو ہم نے لکھے ہیں۔ انہوں نے بعض جگہ دونوں عظیم رہنماؤں کی بے ادبی کی ہے۔ ہمارا جائزہ واقعات اور نتائج کے تحت ہے کہ جناب مثنیٰؓ زخموں سے نڈھال تھے اور اب وہ اپنے خالق حقیقی سے ملنے والے تھے۔ ایسے عظیم انسان کے دل میں سپہ سالاری کی خواہش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے سب کام اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لئے ہوتے ہیں۔ جناب سعدؓ خلیفہ کے احکام کو بجا لاتے ہوئے زرود میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جناب مثنیٰؓ بھی خلیفہ کے احکام کے تحت شراف میں ٹھہر کر "چھاپہ مار" کارروائیوں میں مشغول تھے۔ تیس ہزار کے لشکر کی جگہ، اس کی کفالت اور بحالی کوئی آسان کام نہ تھا۔ آگے کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ جناب مثنیٰؓ نہ صرف

آخری سانس تک جہاد میں مصروف رہے بلکہ آنے والے جہاد میں شرکت کے بانی مبانی رہے کہ آئندہ کیلئے تجاویز مرتب کر گئے تھے۔

جناب مثنیٰؓ کی آخری دو کاروائیاں

جناب مثنیٰؓ نے بستر مرگ پر تجاویز مرتب کیں کہ دریائے فرات کو پار نہ کیا جائے۔ افواج کو قادسیہ کے علاقہ میں تعین کیا جائے اور وہاں سے آگے بڑھ کر دریاؤں کے طاس اور سواد کے علاقوں پر صرف چھاپے مارے جائیں اور ایرانیوں کا ایسا ناک میں دم کیا جائے کہ وہ ہمارے ساتھ ہماری مرضی کی زمین پر دریائے فرات کے اس طرف جنگ پر مجبور ہو جائیں۔

اس کے بعد آپ نے عظیم صحابی جناب بشیرؓ بن الخصاصہ کو بلایا اور لشکر کی کمان اُن کے سپرد کی۔ ان کا وقت قریب آگیا تھا اور فرمایا کہ میری وفات کے دوسرے دن میرے بھائی معنیٰؓ اور میری بیوی سلمیٰ کو زرود میں جناب سالارِ لشکر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی خدمت میں بھیج دینا۔ وہاں پہنچ کر میرا بھائی جناب سعدؓ کو عراق کے سارے حالات سے آگاہ کرے گا۔ اور میری آئندہ کی تجاویز اور حکمتِ عملی سالارِ لشکر کے گوش گزار کرے گا۔ ساتھ ہی جناب سعدؓ کو عرض کرنا کہ عدت ختم ہونے کے بعد اگر وہ پسند کریں تو میری بیوی کے ساتھ نکاح کر کے اس کی عزت افزائی کریں۔ اور اگر جناب سعدؓ ایسا نہ کرنا چاہیں تو پھر میرا بھائی معنیٰؓ میری بیوی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ دوسرے دن جناب مثنیٰؓ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت معنیٰؓ اپنی بھاوج سلمیٰ کے ساتھ عراق کی طرف سے اسلام کے سپہ سالار کو حالات سے باخبر کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

تبصرہ

قارئین ذرا رک جائیے۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھئے۔ جب جناب معنیٰؓ اور ان کی نوجوان بھاوج جناب سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اور حضور پاکؐ کے عظیم رفیق جناب سعدؓ کے سامنے سب حالات بیان کئے ہوں گے تو جناب سعدؓ پر کیا گزری ہوگی اور آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سلمیٰ کی عزت افزائی ضرور تھی لیکن جناب سعدؓ کی عزت افزائی بھی ضرور تھی کہ جناب مثنیٰؓ نے ان کو اپنے بھائی پر بھی ترجیح دی۔ اور جناب سعدؓ نے آبدیدہ ہو کر جناب معنیٰؓ کی ہر بات کو تسلیم کیا۔

جناب سلمٰی کو نکاح میں لینے میں اپنی عزت افزائی بھی اور ان کے بطن سے جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ جناب سلمٰی کا تعلق بنو تغلب سے تھا۔ ویسے جناب سعدؓ نے متعدد قبائل میں شادیاں کیں۔ عمر بن معدیکربؓ جو بنو کندہ سے تھے، ان کی پوتی کے ساتھ بھی شادی کی۔ اور بنو ثعلبہ اور بنو بکر وغیرہ متعدد قبائل میں شادیاں کیں۔

بہر حال ہم جناب مثنیٰؓ کو سلام عرض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں جناب مثنیٰؓ جیسے غیرت مند اور بہادر لوگ پیدا کر کے ہم مادیت کے چکر سے نکلیں۔ اور ہماری ذلت کی گھڑیاں ختم ہوں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (اقبالؒ)

دینِ فطرت

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے ہاں بیوہ کی شادی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے اور غیروں کی نقالی میں ہم ایک شادی اور بیوہ کو ساری عمر بیوہ رکھنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہمارے رہنماؤں کی یہ حالت تھی کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کو شادی کی اجازت دے جاتے تھے اور سردار یا شہید کی بیوہ کے ساتھ شادی کر کے، بیوہ اور اس کے خاوند دونوں کی عزت کی جاتی تھی۔ جناب جعفر طیارؓ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ آپؓ کی زوجہ اسماؓ بنت عمیس تھیں جو حضرت امامہؓ بنتِ امیر حمزہؓ کی خالہ بھی تھیں اور جن کا ذکر جلال مصطفےٰؐ میں ہے کہ حضور پاکؐ نے امامہؓ کو ان کے سپرد کیا۔ جناب اسماؓ کے بطن سے جناب عبداللہؓ اور محمدؓ بن جعفرؓ پیدا ہوئے۔ جناب جعفرؓ کی شہادت کے بعد جناب صدیق اکبرؓ نے جناب اسماؓ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے محمدؓ بن ابو بکرؓ پیدا ہوئے اور جناب صدیقِ اکبرؓ کی وفات کے بعد ان کو غسل بھی جناب اسماؓ نے دیا۔ اس وقت تک جناب فاطمۃ الزہراؓ وفات پا چکی تھیں۔ تو جناب ابو بکرؓ کی وفات کے بعد جناب علی المرتضیٰؓ نے ان کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے بطن سے حضرت علیؓ کے دو بیٹے جناب یحییٰؓ اور جناب عونؓ پیدا ہوئے۔ اگر بنتِ رسولؐ جناب فاطمہؓ، حضرت علیؓ کے گھر نہ ہوتیں تو شاید حضرت علیؓ اپنی بھاوج کے

ساتھ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد ہی نکاح کر کے اپنے مرحوم بھائی اور بھاوج کی عزت افزائی کرتے۔ بہرحال جناب عبداللہؓ و محمدؓ پسران جعفرؓ اور جناب محمدؓ بن ابوبکرؓ کی پرورش بھی زیادہ تر جناب علیؓ کے گھر ہوئی کہ ان کی والدہ کو اللہ کے شیرؓ کی زوجیت کا فخر بھی حاصل ہو گیا۔ حضرت مثنیٰؓ کی بیوہ کے ساتھ حضرت سعدؓ کی شادی اور حضرت خالدؓ کی شادیوں پر غلط تبصروں کو ختم کرنے کے لئے یہ تمام حالات طبقات ابن سعدؒ کے مختلف ابواب سے اخذ کر کے قارئین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں کہ وہ دینِ فطرت کو سمجھیں اور تاریخِ اسلام کے بامقصد مطالعہ کے مدعا کو بھی سمجھیں۔ کہ اسلام نے جنسی تعلقات کو قانونی حیثیت دے کر معاشرہ سے زناء کی لعنت کو کم کیا۔ اور اگر محاذِ جنگ پر تو اگر ایسا نہ ہو تو اللہ ہی حافظ ہے۔

ماحصل

اِن تمام بیانات اور جائزوں کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ جناب سعدؓ اور جناب مثنیٰؓ کے درمیان نہ کوئی غلط فہمی تھی اور نہ کوئی رنجش۔ مسلمان کسی جھوٹے تفاخر سے نفرت کرتے تھے۔ سب کام کسی حکمتِ عملی کے تحت ہو رہا تھا۔ حضرت سعدؓ زرود میں جو دیر لگا رہے تھے وہ خلیفۂ دوم کے احکام کے مطابق تھا۔ اور محاذِ شام سے بھی فوجوں نے عراق کے محاذ پر آنا تھا۔ امید واثق ہے کہ اس کے بعد قارئین اختلافات کا وسعت نظری سے مطالعہ کریں گے اور دینِ اسلام کے باغ سے خوشبو کی تلاش کریں گے۔

حضرت عمرؓ کے احکام

حضرت سعدؓ جب زرود میں تین ماہ قیام کر چکے اور پندرہ ہزار کے قریب لشکر بھی اکٹھا ہو گیا تو پھر آپ نے خلیفہ دوم سے شراف کی طرف کوچ کی اجازت مانگی۔ حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو لکھا تھا کہ وہ ان کو تمام حالات سے باخبر رکھیں کہ اپنی فوج کی تعیناتی کیا ہے وہ کیسے چھاپے مار رہی ہے اور ایرانیوں کے ردِ عمل وغیرہ کیا ہیں۔ جناب سعدؓ نے خلیفہ دوم کو تمام تر تفصیل لکھی اور ساتھ ہی جناب مثنیٰؓ کے تجزیہ سے بھی آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے جناب مثنیٰؓ کے لئے دعا فرمائی اور ان کی دور رس نگاہوں کی تعریف کی۔ ساتھ

ہی جناب سعدؓ کو لکھا کہ حضور پاکؐ والا طریقہ نہ بھول جانا، اپنے لشکر کو اس طرح دہائیوں میں تقسیم کردو کہ ہر دس آدمی پر ایک امیر اور پھر دس امیروں پر یا سو آدمیوں پر ایک ایک امیر اعلیٰ۔ اس کے بعد ایک ہزار کا دستہ ہو جس پر ایک امیر ہو وغیرہ۔ چنانچہ اس طرح لشکر مکمل طور پر رابطوں میں باندھ دیا جائے، امارت کے لئے زیادہ موزوں صحابہ کرامؓ کو سمجھا جاتا تھا اور جناب سعدؓ کے لشکر میں تین سو صحابہ کبارؓ تھے جن میں ستر صحابہ کو جنگِ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ سات سو نوجوان مجاہدین وہ تھے جو صحابہ کرامؓ کے فرزندان تھے۔

حضرتِ عمرؓ کے مزید خطوط

چند دن بعد حضرت سعدؓ کو ایک اور خط ملا۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے ایک ساتھ دو خط لکھے ایک شام میں جناب ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ عراق سے جو فوج حضرت خالدؓ کے ساتھ شام گئی تھی، اس کو واپس کر دیا جائے۔ شام سے عراق کی افواج کی واپسی کی تاریخ اور سنہ ہجری کے سلسلہ میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جنگ قادسیہ اور جنگِ یرموک کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ اور شام کے معاملات میں تو بہت اختلاف ہے کہ آیا خالدؓ کو جنگِ یرموک سے پہلے سبکدوش کیا گیا یا جنگ کے دوران قاصد آیا۔ ان باتوں پر تفصیل سے بحث دوسری کتاب میں ہوگی اور اختلاف ایک چھوٹے سے نکتہ کی وجہ سے ہے۔ جس کی وضاحت ان حالات ہی میں بہتر رہے گی۔ فی الحال ہم یہ جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ آیا شام سے عراق کی فوج دو حصوں یعنی ایک حصہ پہلے اشعث بن قیس کے ماتحت آیا۔ ہمارا تجزیہ ہے کہ عراق کی فوج صرف ایک ہی حصہ میں آئی اور وہ جناب ہاشمؓ کے ماتحت آئی جس کے ہراول کا کام جناب قعقاعؓ کر رہے تھے اور وہ عین اس وقت پہنچے جب جنگِ قادسیہ شروع تھی اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اشعث بن قیس تو مدینہ شریف سے ایران کے محاذ پر آئے تھے۔

اشعث بن قیس والی بات ہمیں غلط نظر آتی ہے، کہ وہاں لکھا گیا ہے کہ عمر بن معدیکرب بھی اشعث بن قیس کے ساتھ تھا اور وہ جنگِ یرموک میں حصہ لینے کے بعد آئے۔ اشعث بن قیس شام کی جنگوں میں شریک تھے۔ مدینہ آئے ہوئے تھے۔ جناب جریرؓ کی طرح خلیفۂ دوم نے اُن کو بھی عراق کے محاذ پر بھیج دیا۔ انہی دنوں عمر بن معدیکرب کو معافی ملی اور اُن کو بھی جناب اشعث وغیرہ کے ساتھ

جناب عمرؓ نے عراق بھیج دیا۔ ہم یہ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا اختلاف اس چیز کا ہے، جنگِ یرموک پہلے ہوئی یا جنگِ قادسیہ۔ ہمارا جائزہ یہ ہے کہ جنگِ قادسیہ پہلے ہوئی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جنگِ یرموک کے بعد عراق کی فوج کو واپس کیا گیا ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جنگِ یرموک کی کہانی میں جناب قعقاعؓ یا کسی اور مجاہد کی کارروائی کا ذکر نہیں ہے جو بعد میں عراق آئے۔ پھر طبری کے لحاظ سے جنگِ قادسیہ محرم چودہ یا پندرہ ہجری میں ہوئی یعنی خود طبری میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ جنگِ قادسیہ محرم پندرہ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس پر البتہ سب متفق ہیں کہ جنگِ یرموک بھی پندرہ ہجری کے رجب کے مہینہ میں ہوئی تو ظاہر ہے کہ ہر حالت میں جنگِ قادسیہ، جنگِ یرموک سے پہلے ہوئی۔

بعد کے چند مبصرین نے جنگِ قادسیہ کو شوال یا ذی قعد پندرہ ہجری کا واقعہ قرار دے کر جنگِ یرموک کو جنگِ قادسیہ سے پہلے کا واقعہ قرار دیدیا۔ اس سارے تجزیہ کی بنیاد صرف ایک راوی کے ایک لفظ پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں سب سے پہلے یرموک کی فتح کی خبر سُنی۔ اصل میں یہ یرموک کی پہلی جنگ کی فتح تھی اور ایک حرف کی تبدیلی سے موّرخین نے تمام حالات کو خواہ مخواہ گڈمڈ کر دیا۔ درحقیقت یرموک تین دفعہ فتح ہوا، اس لئے بھی بیانات گڈمڈ ہو گئے۔ فی الحال ہم اس نکتہ پر قائم ہیں کہ جنگِ قادسیہ پہلے واقع ہوئی، اور جنگِ یرموک بعد میں کہ جنگِ یرموک کے بعد شام کو اہلِ روم نے الوداع کہہ دیا اور جنگِ یرموک اگر پہلے واقعہ ہو جاتی تو حضرت عمرؓ شام سے آدھی فوج کو عراق بھیج سکتے تھے۔

چند دن بعد حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ شراف روانہ ہو جائیں اور لکھا:

"کہ آپ کا ایسی قوم کے ساتھ واسطہ ہے جو بظاہر مضبوط ہے لیکن اندر سے کھوکھلی ہے۔ ان کے فریب سے بچ کر رہنا۔ جہاں مقابلہ ہو سختی کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی فوجوں کا تماشہ دیکھنے میں نہ محو ہو جانا۔ یہ لوگ بڑے فریبی اور مکار ہیں۔ ان کی چال بازیوں کا توڑ ضرور کرنا۔ قادسیہ عرصہ سے فارس کا دروازہ ہے۔ ان لوگوں کی تمام مادی ضروریات اسی دروازہ سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ نہایت شاداب، دلچسپ اور مستحکم مقام ہے جب وہاں پہنچو تو اپنی فوجی چوکیاں اس کی گھاٹیوں میں قائم کرنا اور باقی لشکر کا قیام پہاڑوں اور زرخیز زمین کے درمیان پانی کے چشموں پر ہونا چاہیئے۔ وہاں پہنچ جانے کے بعد کبھی پیچھے ہٹنے کے بارے میں بالکل نہ سوچنا۔ تمہارے وہاں پہنچنے

کے بعد دشمن میں ہل چل مچ جائے گی اور وہ مجبور ہو کر پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ کریں گے۔ آپ نے ثابت قدمی، استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا تو مجھے اللہ پر بھروسہ ہے کہ فتح آپ کی ہو گی اور اس کے بعد وہ کبھی بھی تمہارے مقابلہ میں نہ آسکیں گے۔ اگر خدانخواستہ مقابلہ میں ناکامی ہوئی تو پہاڑ اور ریگستان آپ کے عقب میں ہو گا۔ آپ ان علاقوں میں پناہ لے کر دوبارہ تیار ہو سکتے ہیں۔ دشمن کو ان علاقوں کی واقفیت نہیں ہے۔"

حضرت سعدؓ کا قادسیہ کی طرف کوچ

اس کے بعد جناب سعدؓ جس دن شراف سے قادسیہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے۔ اسی دن حضرت عمرؓ کا ایک اور خط آیا جس میں لکھا تھا "کہ جب فلاں دن آجائے تو اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہو جائیں اور عذیب الہجانات اور عذیب القوادس کے درمیان پہنچ کر وہاں مشرق اور مغرب کی طرف چھاپہ مار کاروائیاں شروع کی جائیں۔"

اس کے بعد جناب سعدؓ بمشکل منزل پر پہنچے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ کا ایک اور خط آیا جس میں لکھا تھا۔ "اپنے دل کو مضبوط رکھنا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا۔ کوئی خوف دل میں نہ لانا۔ لاحول ولا قوۃ کا اکثر ورد کرتا رہا کریں۔ مجھے دشمن کے بارے مکمل اطلاع دینا کہ اس کا سپہ سالار کون ہے؟ ان کی فوجیں آپ سے کتنی دور ہیں مجھے محل وقوع سے اس طرح واقف کرو کہ جیسے میں سب حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور ان حالات کو بھانپ لینے کے بعد اور ان کا جائزہ لینے کے بعد ہی اور ہدایات جاری کر سکتا ہوں۔" اور آخر میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔

حضرت سعدؓ کا جواب

حضرت سعدؓ کا جواب از خود آئندہ کے میدانِ جنگ کے زمینی حالات کا بڑا پر معنی اور مختصر جائزہ ہے۔ آپؓ نے لکھا "قادسیہ، خندق اور دریائے عتیق کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس کے بائیں جانب بحر احضر ہے، جس کا پھیلاؤ حیرہ تک دو راستوں کے درمیان سے نمودار ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک راستہ بلندی کی طرف جاتا ہے۔ اور دوسرا ایک نہر کے کنارے کنارے جاتا ہے جس کو الحصوص

کہتے ہیں۔ اس راستے سے گزرنے والا آدمی خوانق اور حیرہ کے درمیان میں پہنچتا ہے۔ اور قادسیہ کے دائیں جانب وہاں کے دریاؤں کی ایک ترائی ہے۔"

(نقشہ دہم قادسیہ کے محل وقوع کا کچھ خاکہ ظاہر کرتا ہے اور صف بندی بھی)

"سواد کے جن قبائل یا باشندوں نے پہلے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کی تھی، گو ان علاقوں سے ہمارے انخلا کے بعد بظاہر وہ اہلِ فارس کے طرفدار ہیں۔ مگر ہماری امداد کے لئے بھی تیار ہیں۔ ایرانی ہمارے مقابلہ پر رستم کو بھیج رہے ہیں۔ وہ ہمیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن انشاء اللہ ہم اُن کو ختم کر دیں گے۔"

حضرت عمرؓ کی مزید ہدایات

حضرت عمرؓ نے اُوپر والے خط کا جواب یہ دیا کہ "اِس علاقہ میں قائم دائم رہیں اور دشمن کو حرکت کرنے دیں۔ انشاء اللہ اسی علاقہ میں دشمن آپ کے ہاتھوں ایسا برباد ہو گا کہ تم کو شکست کے بعد آپ کو مدائن تک کوئی چیز نہ روک سکے گی۔"

بلکہ ایک خط میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو یہاں تک لکھا "کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آنے والی جنگ میں اہلِ اسلام کو ایک بہت بڑی فتح حاصل ہو گی۔"

اس کے علاوہ خلیفہ نے ہدایات دیں کہ چند مجاہدین کا ایک وفد ایران کے بادشاہ یزدجرد کے ہاں بھیجا جائے کہ ایک دفعہ اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔

قادسیہ کا میدانِ جنگ

اب جناب سعدؓ، خلیفۂ دوم کو باخبر رکھتے ہوئے اپنی چنی ہوئی زمین پر صف بندی کر رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت زہرہؓ کو جیش المقدم کے طور پر آگے بھیجا جنہوں نے پہلے عذیب الہجانات میں پڑاؤ کیا اور پھر آگے بڑھ کر عتیق اور خندق کے درمیان پل[1] کے سامنے صف بند ہو گئے۔ باقی لشکر جناب سعدؓ کی کمانڈ میں

---

[1] نقشہ دہم سے استفادہ کریں۔

پیچھے تھا۔ اس علاقے میں اس سے پہلے اہلِ اسلام کا کوئی اتنا بڑا لشکر اکٹھا نہیں ہوا تھا لیکن اب سوال یہ تھا کہ ایرانیوں کو اس میدانِ جنگ میں کیسے لایا جائے۔ اس لئے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ حضرت سعدؓ نے مختلف چھاپہ مار دستے متعین کئے جنھوں نے سواد کے علاقہ میں اودھم مچا دی۔ ان دستوں کی کمانڈ بڑے نڈر اور دلیر نوجوان کرتے تھے جو واسط سے لے کر انبار تک جگہ بجگہ ایرانی چوکیوں اور مال خانوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ خاص کر حضرت معنیؓ بن حارث، حضرت عاصمؓ بن عمر تو ریٹ گھوڑوں کی پیٹھوں پر سوار تھے اور ان کے دستے جگہ جگہ اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے پھرتے تھے۔

مسلمانوں کے چھاپوں کی وجہ سے حکومت کے کارندے یزدجرد کے دربار میں بار بار مسلمانوں سے بچاؤ کے لئے درخواست دے رہے تھے۔ ایرانی مجبور ہو رہے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کچھ کاروائی کریں۔

دوم اپنی سرحد پر اتنا بڑا لشکر کوئی ملک برداشت نہیں کر سکتا اور رستم کا خیال تھا کہ چھوٹے چھوٹے لشکر بھیج کر مسلمانوں کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑی جائیں لیکن نوجوان یزدجرد فیصلہ کن جنگ کا خواہاں تھا۔ وہ ایسا اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ سول انتظامیہ تباہ ہو رہی تھی چنانچہ حکومت کے جاگیردار اور مشیر سخت اور بھرپور فوجی کاروائی کے حق میں تھے

نتائج و اسباق

ہمارا اگلا باب اس باب کی کارروائیوں کے نتائج کے اثرات اور تدبیرات کو عملی جامہ پہنانے کی کارروائی ہے، کہ حکمتِ عملی کے تحت یا مقصدِ جنگ تانے بانے ملا کر پیش رفت کر رہی ہے جسمانوں نے دنیا کو ایسے آسانی کے ساتھ فتح نہ کر لیا تھا۔ ہماری تاریخ کی کتابیں نامکمل اور بے مقصد ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ کتنی سخت تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکمتِ عملی، تدبیرات اور تجاویز کو ڈھالنا آسان کام نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے جو حکمتِ عملی یا تجاویز مرتب کیں ان کو پرکھا، ان کے نتائج کا اندازہ لگایا اور نتائج کے اثرات کا بھی جائزہ لیا تو پھر لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ ہمارے ہاں آجکل جب اہلِ اسلام پر کوئی مصیبت آئے تو جہاد جہاد پکار اٹھتے ہیں کبھی اسلامی اُمت کی وحدت کے نعرے لگاتے ہیں اور کبھی اسلامی دولتِ مشترکہ کے۔ اور کبھی ملے جلے دفاع کی بات کرتے ہیں۔

یہ سب زبانی کلامی جمع تفریق ہے۔ جہاد ایک طرزِ زندگی ہے۔ اِس کو امن کے زمانے میں جاری و ساری کرنا پڑتا ہے۔ پوری قوم کو فنِ سپہ گری کو شدھ بدھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ساری قوم کو

اس طرح رابطوں میں باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ بنیان المرصوص بن جاتے ہیں۔ پیشہ ور فوج کی بنیاد ایسے ہی ڈھانچے پر ہوتی ہے، تو پھر جہاد بالسیف کی بات کر سکتے ہیں اور اسلامی ممالک تب اکٹھے ہو سکتے ہیں جب سب کا سیاسی فلسفہ اسلامی ہو۔ آج ہم بھان متی کا کنبہ ہیں، تو جہاد کیسے کریں۔

اب ذرا اس زمانے کے واقعات کا اپنے حالات سے موازنہ کریں۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی ذاتی خواہش اور دلچسپی تھی کہ اہلِ ایران کے ساتھ جنگ کی سپہ سالاری وہ خود فرمائیں۔ اور بڑی مشکل سے ان کو اس سے تب روکا جا سکا کہ عشرہ مبشرہ سے ایک صاحب اس کام کے لئے مل گئے۔ ہمارے ہاں یہ کہتے ہیں کہ حاکمِ اعلیٰ اور اس کے سب مشیر غیر فوجی یا سویلین ہونا چاہئیں۔

۲۔ حضرت سعدؓ جیسے عظیم صحابی کو ایران کی فتح کے لئے سپہ سالار بنایا اور مجاہدین کے دستے فوراً محاذ پر روانہ کر دیئے گئے۔ اور وہاں پر جناب مثنیٰؓ، مستعدی سے محاذ پر موجود تھے۔ ہم ۶ ستمبر ۶۵ء کو اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے اور لاہور، دستوں کے کئی سپہ سالار دن کے نو بجے محاذ پر پہنچے۔

۳۔ پوری قوم مجاہدین کی تھی۔ اور حضرت سعدؓ راستے میں مجاہد اکٹھے کرتے گئے۔ ہماری قوم فنِ جنگ سے نابلد ہے اور صرف نعرے لگا سکتی ہے۔

۴۔ علاقوں سے کمک اور خیمہ گاہ کے بارے کتنے خوبصورت فیصلے کئے۔ خیر اس سلسلہ میں ہماری افواج بھی بڑی ماہر ہیں۔

۵۔ محاذ پر جانے کے لئے حکمتِ عملی کے طریقِ کار، علاقے کا مطالعہ اور خلیفۂ وقت کی بروقت ہدایات۔ ہماری فوج کا یہ پہلو کافی اچھا ہے لیکن اس کو اور اسلامی بنانے کی ضرورت ہے۔

۶۔ حضرت مثنیٰؓ کی وصیت اور آئندہ کے حالات کے بارے سمجھ اور تجاویز۔ یہ معاملہ بڑا اہم ہے اور اس کارروائی میں ہم بڑے کمزور ہیں۔ قوم اور فوج کو اس سلسلہ میں اور تربیت کی ضرورت ہے۔

۷۔ حضرت سعدؓ کا خلیفۂ وقت کو ہر معاملہ سے آگاہ کرنا اور خلیفۂ وقت کی ہدایات۔ یہ پہلو اب ہر ملک میں ٹھیک ہی چل رہا ہے۔ صرف زیادہ سچائی کی ضرورت ہے۔ ہم کچھ دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔

۸۔ اپنی چنی ہوئی زمین پر صف بندی اور زمین کا مطالعہ، بڑا وسیع مضمون ہے۔ اور ہماری افواج کو ان پر اور زیادہ زور دینا چاہیئے۔ اور بہت زیادہ زور۔

۹. دشمن کے بارے خبر اور دشمن کو اپنی مرضی کی زمین پر لڑنے کے لئے مجبور کرنا بڑا اہم سبق ہے اور ہر سطح ہماری تدبیرات، فن اور ہنر کی بنیاد اس نظریہ پر ہونی چاہیئے۔

۱۰. اللہ اکبر کی صدا، لاحول ولا قوۃ کا ورد، اللہ کا ذکر۔ ہم ان باتوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اپنی فوج کو ان چیزوں پر زور دینا چاہیئے۔

۱۱. اسلامی تاریخ کے بامقصد مطالعہ میں ہمارے لئے لفظ لفظ میں سبق ہے۔ لشکر کی تنظیم، امراء کو مقرر کرنا، صحابہؓ کی شان، بدری صحابہؓ کی عزت، صحابہؓ کرام کے بیٹوں کی شرکت، سب پہلو بڑے اہم ہیں۔ یاد رہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہمارے کئی ارباب حکومت نے اپنے بیٹوں کو محاذِ جنگ پر نہ جانے دیا۔

۱۲۔ مسلمانوں کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے کردار سے سبق سیکھ کر اس دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہیئے۔ اور یہ ذلت کی زندگی ہمارا حصہ نہیں ہونا چاہیئے۔

اکیسواں باب
جنگِ قادسیہ اور طرفین کی تیاری

اہلِ اسلام اور ایرانی بادشاہت کے درمیان ایک فیصلہ کن اور بھرپور جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ صرف جگہ اور وقت کا تعین باقی تھا۔ دونوں طرف تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مسلمان ایک دفعہ حیرہ کو فتح کر چکے تھے۔ انبار تک ان کے قلمرو میں تھے۔ واسط تک وہ ایرانیوں کو شکست دے آئے تھے۔ بابل اور کئی اور مقامات میں دریائے فرات کے مشرق میں بھی مسلمان ایرانیوں کو شکست دے چکے تھے۔ لیکن مرکز سے حکمت عملی کے تحت وہ مدائن کی طرف اس وقت تک پیش قدمی کرنے کو تیار نہ تھے جب تک ایرانی فوج کو اپنی مرضی کے مقام پر تہس نہس نہ کر دیتے۔

مسلمانوں کو کوئی جلدی نہ تھی اور وہ اپنے لشکر کی بحالی اور کفالت کے لئے عراق کے زرخیز علاقوں سے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں پر جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰؓ کے زمانے میں جو فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کی وجہ سے ایران کی حکومت میں ہل چل مچ چکی تھی۔ ان کے نظم و نسق کے بخیے ادھیڑ دیئے گئے تھے اور اہل ایران کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔

ایرانیوں کا ردِّ عمل

ایرانی دور دور کے علاقے کے لوگوں یعنی کردستان، ترکستان، خراسان اور آرمینیا کے صوبہ جات کے باشندوں کو مدائن کے نزدیک ایک چھاؤنی ساباطؔ میں اکٹھا کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے لیکن رستم کسی فیصلہ کن جنگ سے کترا رہا تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول تو رستم کو علم نجوم پر دسترس تھی اور اس کو آگے کے حالات کچھ دھندلے نظر آ رہے تھے۔ دوم وہ ہمیشہ دوسروں کو قربانی کا بکرا بناتا رہا۔ سوم حکمت عملی کے لحاظ سے بھی رستم کا جائزہ درست تھا کہ ایک بڑی اور فیصلہ کن لڑائی میں شکست کو برداشت کرنے کی سکت اب ایرانی سلطنت میں ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ رستم ہر قسم کے داؤ اور فریب سے کام لے رہا تھا۔ اس نے یزدجرد کو صاف کہا کہ لڑائی تو ہوتی ہی مکر و فریب سے ہے۔ بہتر ہے مسلمانوں کے ساتھ داؤ اور مکر و فریب سے کام لیا جائے لیکن یزدجرد پر دور دراز کے علاقوں کے جاگیردار لگاتار دباؤ ڈال رہے تھے کہ انہیں مسلمانوں سے بچایا جائے۔

ؔ نقشہ نہم سے استفادہ کریں۔

اہلِ اسلام کا وفد

اِسی دوران خلیفۂ دوم کے احکام کے تحت حضرت سعدؓ نے چودہ ارکان پر مشتمل چند مدبّر جری اور وجیہہ مسلمانوں کا ایک وفد یزدجرد کے پاس بھیجا۔ ان میں کم از کم سات تو صحابہ کرامؓ تھے۔ البتہ نعمانؓ بن مقرنؓ مغیرہؓ بن شعبہ اور عاصمؓ بن عمرو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ چوتھے جناب معنیٰؓ تھے جو حضرت مثنیٰؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ باقیوں میں جناب اشعثؓ بن قیس، مغیرہؓ بن زرارہ اور الحارثؓ بن حسان کے بارے بھی خیال ہے کہ شاید آپ یا تو صحابی تھے یا اپنے قبیلے کے سردار۔ ان کے علاوہ عرب کے مشہور پہلوان عمر بن معدیکرب بھی تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور باقی مشہور مجاہد بھی تھے، جن میں بسرؓ بن ابی رحم۔ جبلہؓ بن جویۃ الکنانی، حنظلہؓ بن الربیع، فراتؓ بن حیان، عدیؓ بن سہیل اور عطاردؓ بن حاجب تھے۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے یہ چودہ مجاہدین بہت اونچے پایہ کے سردار تھے۔ بہادری میں تو سب اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔ لیکن تدبّر، بات چیت، مردانہ وجاہت، ثابت قدمی اور اسلامی فلسفۂ حیات کی مکمل پیروی کے سلسلہ میں ایک ایک صاحب پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے اکثر میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے، اور ایرانی ان کو جانتے تھے اور جو ایرانیوں کے لئے "نووارد" تھے وہ بھی اپنی شخصیت کی وجہ سے توجہ کے مرکز تھے۔

وفد کی یزدجرد کے ساتھ ملاقات

مسلمانوں کے وفد کی جب اہلِ مدائن کو اطلاع ملی تو وہاں کے لوگ جوق در جوق ان کو دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کی ظاہراً حالت یہ تھی کہ ان کے جُبّے پرانے اور بوسیدہ تھے۔ کاندھوں پر چادریں تھیں ہاتھوں میں باریک قسم کے کوڑے یعنی چابکوں کی بجائے عام قسم کے درختوں کی پتلی شاخیں تھیں جن کو "چھمک" کہتے ہیں۔ پاؤں پر موزے چڑھائے ہوئے تھے اور ان کے گھوڑوں کی پیٹھیں ننگی تھیں۔ گھوڑے البتہ بڑے چُست تھے۔ وہ ہنہنا رہے تھے اور ٹاپیں مار رہے تھے۔ ایرانی ان کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ عام قسم کے سادہ دیہاتی لوگ تھے لیکن ان کا رعب داب اتنا تھا کہ ان کو دیکھ کر ایرانی کانپ جاتے تھے۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ انگریزوں کی نقل میں اور رعب داب قائم رکھنے

کے لئے ہم سویلین لوگوں نے سوٹ اور نکٹائی پہنی ۔ فوجیوں نے رنگ برنگی وردیاں پہنیں ۔ یعنی میویٹ ڈل اور منکی جیکٹ وغیرہ ۔ لیکن یاد رہے کہ انسان کا رعب اُس کے کردار ، اصولوں ، شخصیت اور قومی تفاخر سے ہوتا ہے ۔

گرچہ ہے دلکشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گزر (اقبال)

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ وفد کا کوئی امیر نہ تھا ۔ آپس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرکے کوئی صاحب کچھ تقریر کر دیتے تھے ۔ یہ تبصرہ یا جائزہ غلط ہے ۔ طبری کے لحاظ سے نعمانؓ بن مقرنؓ امیر تھے ۔ اور ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ اگر دو ہو تو بھی ایک کو اپنا امیر بنالو بلکہ ہمارا جائزہ ہے کہ جناب عاصمؓ بن عمرو نائب امیر تھے ۔ ہاں ایک قسم کی سادگی کی وجہ سے ایرانیوں کو سمجھ نہ آرہی ہوگی کہ امیر کون ہے ۔

روایت ہے کہ یزدجرد وفد کے ساتھ ملاقات کے لئے تیار نہ تھا اور وہ اپنی بلندی کا اتنا قائل تھا کہ چاہتا تھا کہ یہ وفد اس کے دربار کے کسی اور امیر کے ساتھ ملاقات کرے لیکن مسلمان اس کے لئے تیار نہ تھے ۔ اس لئے یزدجرد مجبور ہو گیا اور وفد کو اپنے دربار میں آنے دیا ۔ لیکن وہاں بھی بڑی دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ وہ لوگ ان کے ملک میں کیوں گھس آئے تھے ۔ اور کچھ گیدڑ بھبکیاں بھی تھیں ۔

حضرت نعمانؓ کی تقریر

حضرت نعمانؓ جو وفد کے سربراہ تھے نے یزدجرد کے دربار میں جو تقریر کی مختصر طور پر ایک الفاظ یہ تھے : "اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے پاس اپنا رسولؐ بھیجا جنہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم دکھایا اور نیکی کے راستے پر لگایا اور اسی راہ پر چلنے سے دونوں جہاں حاصل ہوتے ہیں اور ہم یہی دعوت آپ اور آپ کے لوگوں کو دینے آئے ہیں ۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے ۔ تم اس کتاب کے مطابق احکام چلاؤ ۔ جب تک ایسا کرتے رہو گے تم اپنی جگہ قائم رکھے جاؤ گے ۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو جزیہ دو کہ اس رقم سے ہم اس علاقہ کے نظم و نسق کو چلائیں گے ۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر فیصلہ تلوار کرے گی ۔"

یزدجرد کا ردعمل اور وفد کی واپسی

یزدجرد یہ سن کر حیران رہ گیا لیکن اپنی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور پرانے زمانے کے ایران

کی عظمت اور عربوں کی جہالت کو زیر بحث لے آیا۔ پھر دونوں قوموں کی دولت اور عزت کا موازنہ کیا اور ہر طرح سے عربوں کو کم تر ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جناب مغیرہؓ بن زرارہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اپنے امیر کی اجازت سے بادشاہ کی فضول اور بے معنی تقریر کا بڑا سخت جواب دیا کہ بادشاہ آداب مہمانداری سے آگاہ نہیں ہے آپ نے عرب قبائل کی اسلام سے پہلے کی سخاوت، شرافت اور اصول پرستی کے واقعات کا ذکر کرکے بادشاہ کو خاموش کر دیا اور آگے کہا کہ "اب تو حالات بالکل ہی تبدیل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور ہم مسلمان ہیں دنیا کی کسی باطل تہذیب و تمدن یا فلسفہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور سب نظاموں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔"

بادشاہ یہ سن کر بھڑک اُٹھا اور ایک مٹی کا بھرا ہوا ٹوکرا منگوایا اور کہنے لگا کہ وہ تمام وفد کو قتل کر دیتا لیکن بین الاقوامی اصول کو مدِ نظر رکھتے ایسا نہیں کر رہا۔ لیکن کوئی تحفہ وفد کو نہ دے گا بلکہ ایک مٹی کا ٹوکرا ہے، یہ تمہاری گردن پر لاد دیا جائے گا اور تمہارا جو امیر ہے اس کو اٹھانا پڑے گا۔ یہ سن کر جناب عاصمؓ بن عمرو جو نائب امیر تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے یہ ٹوکرا اپنے سر پر اٹھا لیا کہ امیر نے کمانڈ کرنا ہوتی ہے اور اہل وفد تیزی سے وہاں سے واپس چل پڑے۔ وہ بڑے خوش تھے کہ جس سرزمین پر وہ اللہ اور اس کے حبیبؐ کا نام بلند کرنا چاہتے تھے۔ اس کی مٹی ان کو اسی ملک کے بادشاہ کے ہاتھوں سے پہلے ہی مل گئی اور وہ واپس رواں دواں تھے۔ رستم جو نجومی تھا دربار میں موجود نہ تھا۔ اس کو جب پتہ چلا کہ ان کے ملک کی مٹی اسلامی وفد لے جا رہا ہے تو اس نے اس کو برا شگون سمجھا۔ بادشاہ کو بتایا کہ اس نے غلطی کی تھی اور اس نے اسلامی وفد کے پیچھے تیز سوار دستے دوڑائے کہ مٹی واپس لے آئیں لیکن وہ اللہ کے ان مجاہدوں کو نہ پا سکے۔

رستم کا کوچ

رستم ہر طرح کے حیلے بہانے کر رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی فیصلہ کن جنگ سے بچ جائے۔ کیونکہ آنے والے حالات ایران کے لئے اچھے نہ تھے لیکن یزدجرد مُصر تھا کہ رستم جلد سے جلد مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑے۔ رستم نے مستعفی ہونے کی بھی دھمکی دی تو بادشاہ خود لشکر کی کمانڈ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس لئے رستم مجبور ہو گیا اور آخر اس نے مدائن سے حیرہ کی طرف کوچ شروع کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق ایرانی لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار بتائی گئی ہے! امام شعبیؒ کی المغازی میں ایرانیوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار۔ رستم نے چالیس ہزار فوج جالینوس کے ماتحت جیش المقدم کے طور پر بھیجی۔ ساٹھ ہزار اس کے اپنے ساتھ تھی اور بیس ہزار عقب میں تھی تو کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بن گئی۔

طرفین کا آمنا سامنا

رستم کے کوچ کرنے کے بعد اور خاص کر حیرہ پہنچنے کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے کے نزدیک اور آمنے سامنے آچکے تھے۔ صرف درمیان میں دریائے فرات کا چھوٹا معاون دریا عتیق تھا جس کے پل پر مسلمان قابض تھے۔ یہ حالات تو بڑے لشکروں تک محدود تھے لیکن مسلمانوں کے چھوٹے دستے متحرک تھے جضرت عاصمؓ بن عمرو، حضرت معنیؓ بن حارث اور حضرت قیسؓ بن ہبیرہ اپنے دستوں کے ساتھ دور دور تک دشمن پر وار پہ وار کر رہے تھے اور اب جو ٹڈی دل ایرانی لشکر قریب آ گیا تھا جو لمبے چوڑے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ اس پر وار کرنے کا مسلمانوں نے نیا طریقہ نکالا کہ ان کے مختلف پڑاؤ پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کام میں جناب طلیحہؓ اور عمرؓ بن معدیکرب نے بڑی مہارت دکھائی اور ایرانی لشکر کو بڑا تنگ کیا۔ خاص کر ایک دفعہ جناب طلیحہؓ نے ایران کے دو ہزار مردوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو قیدی بنا کر لے آئے۔

ویسے اب ایران اور عراق کے لوگوں میں پرانے تعلقات ختم ہو چکے تھے۔ حیرہ کے علاقے میں ایرانی سپاہی لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کے ساتھ دست درازی کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت لوٹ لیتے تھے وغیرہ۔ بوڑھا عبد المسیح اور ہمارے جناب شویلؓ کی کرامۃ کا باپ اس وقت تک زندہ تھا اور وہ شکایت لے کر رستم کے پاس گیا، لیکن اس سیدھی سادی بات کو رستم کے سامنے "ادبی زبان" میں پیش کیا۔ جس کو رستم کچھ دیر کے بعد سمجھا اور دونوں نے اپنی علم الکلام کی مہارت سے ایک دوسرے کو لاجواب کرنا چاہا۔ مبصّرین اور مورخین نے مزے لے لے کر اس گفتگو کو لکھا ہے لیکن ہم اس باطل ادب کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ باطل فلسفے والے لوگوں کی عزّت لوٹ رہے تھے۔ اور جن کی عزّت لوٹی جا رہی تھی وہ ادب اور فلسفہ کو اپنی ڈھال بنانا چاہتے تھے۔ عزت مند تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔

مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ
بندہ حر کے لئے نشترِ تقدیر ہے نوش ! (اقبالؒ)

رُستم کا جنگ سے گریز

رستم نجف پہنچ چکا تھا یہاں اس نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ نے اہلِ ایران کے تمام ہتھیاروں کو تالا لگا کر جا بی کسی عظیم بادشاہوں کے بادشاہ کو دی جس کے بارے میں رستم کو کسی نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر حضور پاکؐ تھے

اور انہوں نے یہ چابی حضرت عمرؓ کے سپرد کر دی۔ نجومیوں میں کچھ کا خیال تھا کہ ایران کا معاملہ ختم ہے اور کچھ امیدیں دلا رہے تھے کہ اگر جنگ نہ ہوئی تو پھر ایران بچ سکتا ہے۔ چنانچہ رستم نے جنگ سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ قاصد یا وفد بھیج کر صلح کی بات چیت کریں۔ جناب سعدؓ نے اس کام کے لئے سات مجاہدین کو نامزد کیا لیکن جناب الربیعؓ نے رائے دی کہ ایک وقت میں ایک قاصد بھی ان حالات میں کافی ہے۔ یہ بات جناب سعدؓ کو پسند آئی اور پہلے جناب ربیعؓ کو بھیجا۔ جناب الربیعؓ گھوڑے پر سوار ہو کر ہی رستم کے دربار کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور آدھے فاصلہ تک قالینوں کے اوپر ہی گھوڑے کو جا کر کھڑا کیا۔ رستم اور جناب الربیعؓ کی گفتگو یہ ہوئی:

رستم نے پوچھا، آپ کیا پیغام لائے ہیں؟

الربیعؓ نے فرمایا: وہی پیغام جو ہمارے آقاؐ لے کر آئے۔ وہ منظور کرو یا جزیہ دو ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔

رستم: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے عوض کیا دیتا ہے؟

الربیعؓ: شہیدوں کے لئے جنت اور زندہ رہے تو غازی۔

رستم لاجواب ہو گیا اور کئی دنوں کی مہلت مانگی کہ وہ بادشاہ کے ساتھ مشورہ کرے۔

تو جناب الربیعؓ نے فرمایا: "کہ ہمارے آقاؐ کا حکم ہے کہ تین دن سے زیادہ مہلت نہ دو۔"

رستم بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ان کے امیر ہو۔ الربیعؓ نے فرمایا: "نہیں ہم سب ایک جسم کی طرح ہیں۔ ذرا سی باتوں میں چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہیں۔

رستم پر اس کا گہرا اثر ہوا اور وہ ششدر رہ گیا کہ اس سادگی اور سچائی اور ایران کے جھوٹے تمدن میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اس لئے اس نے جناب سعدؓ کو کوئی دوسرا قاصد بھیجنے کی درخواست کی۔ اب جناب حذیفہؓ بن محصنؓ کی باری تھی۔ انہوں نے گھوڑے سے اترنے ہی سے انکار کر دیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہی تین شرطیں پیش کیں اور واپس چل پڑے کہ جواب بھجوا دینا۔

رستم حیران تھا اس نے کسی بہتر قاصد کے لئے درخواست کی اور اس دفعہ جناب سعدؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا۔ حضرت مغیرہؓ نہ صرف میدانِ جنگ کے شیر تھے بلکہ سفارتی کاموں یا سیاست کے معاملات میں آپ کا بہت اونچا مقام تھا۔ بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ ایرانی افسر مہمانداری نے ان کو پل کے پار خوش آمدید کہا اور آگے

---

[1] ذوقصہ کے گیارہ لشکروں میں سے ایک اور جناب عکاشہؓ کے بھائی تھے۔

کے ساتھ خاموشی سے چلتے گئے اور اسی طرح خاموشی سے رستم کے دربار میں پہنچ گئے اور جیسے رستم کے نزدیک پہنچے چھلانگ لگا کر رستم کے ساتھ اس کے تخت پر بیٹھ گئے۔ رستم اور ایرانیوں نے مجبوراً یہ سب برداشت کیا اور اس دفعہ رستم نے ایک لمبی چوڑی تقریر کر دی جس میں ایرانیوں کی عظمت کو خوب اُچھال کر بیان کیا۔

جواب میں حضرت مغیرہؓ نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی عظمت اور دینِ فطرت کے فلسفہ حیات پر جو تقریر کی اس سے سارا دربار سہم گیا اور پھر آپ نے وہی تین شرطیں پیش کر دیں۔

رستم بات کو ختم کرنا چاہتا تھا اور کہنے لگا اگر تم کو مار دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟

جناب مغیرہؓ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! ہمیں اور کیا چاہیئے۔ جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

اپنی فکر کرو کہ دوزخ منہ کھولے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

رستم کو سخت غصہ آیا اور کہنے لگا۔ تمہارے اور ہمارے درمیان کبھی امن نہیں ہو سکتا۔ میں تم سب کو ختم کر دوں گا۔

جناب مغیرہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ قرآن کے رو سے کوئی طاقت کچھ نہیں کر سکتی اور سب کچھ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔

رستم کو اب ہمت نہ رہی کہ کسی اور قاصد سے بات کرتا لیکن جناب سعدؓ نے اپنے آپ باقی چار مجاہدین کو بھی دوسرے دن وفد کے طور پر رستم کے پاس بھیج دیا۔ وفد کے ان مسلمانوں نے اپنی تلواریں چیتھڑوں میں لپیٹی ہوئی تھیں لیکن ان کی دھار بڑی تیز تھی۔ اور مسلمانوں نے پھر وہی تین شرائط دہرائیں۔ کہتے ہیں کہ ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ رستم اسلام کی طرف کچھ مائل بھی ہوا لیکن اپنی قوم سے ڈر گیا۔ ان مجاہدین میں کچھ مورخین کے مطابق مشہور صحابی عرفجہ بن ہرثمہؓ[1]، رسالہ کے مشہور افسر بسرؓ بن ابی رحم اور دیگر قبیلوں کے سردار جناب مذعورؓ بن عدی اور قرافہؓ بن زاہد ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ رستم کچھ خوش ہوا کہ شاید حالات اور معاملات میں کچھ تبدیلی آجائے۔ لیکن اس دفعہ وہ ایک اور ڈگر پر چل پڑا۔ ایران کی دولت اور عربوں کی پرانے زمانے کی خستہ حالی کا موازنہ کرتے ہوئے کئی کہانیاں سنا دیں۔ کبھی لومڑی کی کہانی کبھی مکھی اور چوہوں کی کہانی کہ یہ سب ہوس میں آ کر تھوڑے پر اکتفا نہیں کرتیں اور آخر اتنے موٹے ہو جاتے ہیں کہ

---

[1] گیارہ لشکروں میں سے آٹھویں کے کمانڈر۔ دوسرا باب دیکھیں۔

اپنے بل سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ساتھ ہی لالچ کے طور پر ہر امیر کو نقد انعام تحفہ کے طور پر دینے کی پیش کش کی۔ رستم ابھی تک کچھ اس خیال کا حامی تھا کہ غربت نے عربوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اور موجودہ زمانے کی مشہور کہاوت کہ جنگ HAVE NOT اور HAVES کے درمیان ہوتی ہے، کو رستم نے بھی کچھ سچ جانا۔ بلکہ بدقسمتی سے یورپ کا دانشور تو آج بھی اسی کلیہ کو لئے پھرتا ہے۔ اور مسٹر آرنلڈ کے حساب سے مسلمانوں کا عروج اسی وجہ سے ہوا کہ غریب اکٹھے ہو گئے۔

مسلمان اہلِ وفد مسکرائے، اور انہوں نے رستم کو کہا کہ تم ہماری آمد کے مقصد کو نہیں سمجھے۔ پہلے صرف قاصد آتا رہا۔ ایک آدمی کے الفاظ میں کچھ کمی رہ سکتی ہے۔ ہم آج اجتماعی طور پر تمہیں وہی تین شرائط پیش کرنے آئے ہیں جو مدائن میں پیش کر چکے ہیں، اور ہمارے قاصد بار بار دہرا چکے ہیں اور آج تین دن کا وعدہ بھی پورا ہو گیا ہے۔ ہم وفد کی شکل میں اس لئے آئے ہیں کہ ایک دوسرے پر گواہ ہوں اور یہ اسلامی طریقہ ہے۔ اور آخری بات سن لو، ہمارا مقصد ایران میں اللہ اور اس کی حاکمیت کو جاری و ساری کرنا ہے۔

رستم حیران تھا۔ اب اسے جنگ ناگزیر نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگا:۔

"آپ لوگ دریا پار کریں گے کہ ہم پار کریں۔"

مسلمانوں نے یک زبان جواب دیا:۔

"آپ لوگ پار کریں۔"

تبصرہ

قارئین کو نقشہ اور زمینی حالات کے ساتھ ضرور دلچسپی ہوگی۔ قادسیہ کے میدانِ جنگ کو نقشہ دہم میں دکھایا گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی صف بندی بھی دکھائی گئی ہے۔ کہ وہ کسی سکیل کے ساتھ نہیں ہے۔ گو علاقہ کا نقشہ سکیل کے ساتھ ہے۔ صف بندی محدود علاقے میں پل کے نیچے دریائے عتیق کے پار تھی۔ ایرانیوں کے پیچھے دریا تھا اور مسلمانوں کے عقب میں پرانی خندق۔ ایرانیوں کی صف بندی ایک لکیر کے ساتھ ظاہر کر دی گئی ہے۔ اور نقشہ پر ان کے دستے کے کمانڈروں کے نام نہیں لکھے گئے۔ اس زمانے میں زمین کا استعمال فرد کے لئے اتنا اہم نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ جارح کو متحرک رہنے دے زمین کا زیادہ استعمال حکمتِ عملی کے تحت ہوتا تھا۔ اس لئے ہم زمین کا بیان دوبارہ نہیں کر رہے

نقشہ دہم۔ قادسیہ کا محلِ وقوع اور
اسلامی لشکر کی صف بندی
صفحہ ۲۵۶ ا
شمال
نجف
دریائے عتیق
حیرہ
خرارہ
شرجیلؓ
پرانی خندق
رستم
عاصمؓ
قادسیہ
سعدؓ
ایرانی لشکر
زہرہؓ
عبداللہؓ
اسلامی لشکر
دریائے فرات
خفان
الیس
میل
میل
سکیل: ایک انچ = ۴ میل

اور اسی پر اکتفا کر رہے ہیں جو حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو خط میں لکھا. مسلمانوں کے لحاظ سے ریگستان ان کے پیچھے تھا اور خندق وقتی طور پر ان کے عقب کی حفاظت کے لئے اہم تھی. اہم پُل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور اس کو وہ کبھی ختم کرنے پر تیار نہ تھے. اہلِ ایران نے پُل حاصل کرنے کے لئے قاصد بھی بھیجا کہ انہیں دریا عبور کرنے کے لئے پل کے استعمال کی اجازت دی جائے. مسلمانوں نے کہلا بھیجا کہ ایک اور وقتی یا عارضی پل بنالو. اور ایسا ہی ہوا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی صفوں کو اور دائیں طرف کرنا پڑا. یعنی موجود ڈرل کے مطابق دائیں اور باہر کو قدم بڑھاتے گئے. نقشہ کی اہمیت اتنی ہی سرسری ضرورت کی ہے کہ اُس زمانے میں چھاتی کے زور اور جذبہ کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی.

لشکرِ اسلام کی صف بندی

جناب سعدؓ نے اپنے لشکر کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا. بازوؤں پر عبداللہؓ بن المعتم اور شرجیلؓ بن السمط تھے. درمیان میں جناب سعدؓ از خود تھے. آپ کے بائیں پر جناب عاصمؓ بن عمر تھے اور دائیں طرف جناب زہرہؓ بن الحویہ تھے. جناب سعدؓ خود تو معذور تھے. نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے کہ بدن پر سخت پھنسیاں اور پھوڑے نکل آئے تھے. لشکر کے درمیان میں اونچے مقام پر اوندھے منہ لیٹے ہوئے تھے اور چھاتی کے نیچے تکیہ رکھے ہوئے تھے. نیچے قاصد کھڑے تھے جن کے ذریعہ سے آپ زبانی یا لکھ کر احکام پہنچاتے تھے. اپنا نائب آپ نے جناب خالدؓ بن عرفطہ کو مقرر کیا اور وہ بھی احکام پہنچانے میں مددگار تھے اور گھوڑے پر سوار آپ کے سامنے موجود رہتے تھے. کم تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں کی گہرائی تین یا چار مجاہدین تک محدود تھی. لشکر میں کافی امیر تھے اور لشکر دس دس اور سو سو کی ٹولیوں میں بٹا ہوا تھا. یہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ لشکر کے امیر اپنے دستوں کے آگے حرکت یا چہل قدمی کرتے ہوئے تلوار کو اٹھائے قرآنِ پاک کی آیات کی تلاوت کر رہے تھے. مسلمانوں نے جنگ کے دوران یا جنگ کے شروع میں یہ طریقہ ہمیشہ اپنایا. اور عثمانیہ ترک اس طریقہ کو یورپ میں لے گئے. اٹھارھویں صدی کے جرمن بادشاہ فریڈرک نے جب موجودہ ڈرل کی طرح ڈالی تو اُس نے اِس طریقہ کی نقل پریڈ گراؤنڈ پر بھی عام کر دی اور آج کل بھی "ٹرپنگ دی کلر" کی پریڈ سے پہلے جو کمانڈر اپنی گاردوں کے سامنے چہل قدمی کرتے ہیں، یہ مسلمانوں کی جنگ کے اس

طریقہ کی نقل ہے۔

ایرانیوں کی صف بندی

رستم نے بھی اپنے لشکر کو پانچ بڑے حصوں میں بانٹا۔ درمیان میں وہ خود تھا اور ایک بہت بڑے تخت پر بادشاہ کی طرح بیٹھ گیا جس کو زمین سے اونچا رکھا گیا۔ اس تخت پر ایرانی بادشاہ کا جھنڈا درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ یہ جھنڈا اس سے پہلے بہمن جنگ جسر کے وقت بھی لے آیا تھا۔ رستم خود دوہری زرہ پہنے تھا۔ لشکر میں تیس کے قریب ہاتھی تھے جن میں نصف کے قریب درمیان میں اور باقی لشکر میں برابر بانٹے ہوئے تھے۔ صف بندی میں ایرانیوں کی گہرائی دس یا بارہ کے قریب تھی۔ جس سے امام شعبیؒ کا دونوں لشکروں کے بارے تعداد کا جائزہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایرانی لشکر کے درمیان پندرہ ہزار جوانوں نے سات سات یا دس دس ٹولیوں میں اپنے آپ کو زنجیروں کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ یہ ایک جدّت تھی کہ جنگ سلاسل کے مقابلہ میں تھوڑے لوگوں کو زنجیروں میں باندھا گیا۔ بہر حال یہ "مادی دیواریں" خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی اسلام کی "بنیان المرصوص" کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔

ایرانی لشکر کے امرا

ایرانی لشکر کے دائیں حصوں پر جالینوس اور ہرمزان تھے اور بائیں حصوں پر مہران اور بیرزان، عقب میں بہمن تھا۔ جالینوس اور بہمن کے ساتھ مسلمانوں کو واسطہ پڑ چکا تھا۔ اور یہ مہران کوئی نیا مہران تھا۔ ہرمزان اور بیرزان نئے تھے ایرانیوں کی پیغام رسانی کے طریقہ کو اس جنگ کے لئے ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس طریقہ پر یقین آجاتا ہے۔ کہ سارے راستہ پر پیغام رساں موجود تھے جو خبر کو جلدی آگے پیچھے پہنچا سکتے تھے۔ اور ایک چوکی یا مقام سے دوسری چوکی یا مقام تک لکھی ہوئی یا زبانی خبر پہنچانے کا بندوبست تھا۔ یہ بات قابلِ تسلیم ہے اور "انسانی وائرلیس" والا جھگڑا اب خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ وہ ذہنی اختراع یا لفاظی تھی۔

نتائج اور اسباق

یہ باب صرف جنگ کی تیاری کی باتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہمارے آقاؐ نے امن کے زمانے میں جنگ

کی تیاری کو جہادِ اکبر کا نام دیا ہے اور جنگ کو جہادِ اصغر۔ قادسیہ کی جنگ ایک فیصلہ کن جنگ ہے اور اس کی تیاری میں ہمارے لیے متعدد اسباق ہیں جن کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ یہ سب اسباق کارروائی کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں کہ میدانِ جنگ کی تیاری سے پہلے امن کے زمانے میں پوری قوم کی تیاری کو زیادہ وقعت حاصل ہے۔ میدانِ جنگ کی تیاری بھی جنگ کی کارروائی کا حصہ ہے کہ مسلمان اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تجویز کے تحت صف آرا تھے۔

بائیسواں باب

قادسیہ کی جنگ

بعض مؤرخین نے اس جنگ کو محرم ۱۴ ہجری کا واقعہ بتایا ہے اور بعض مؤرخین نے محرم ۱۵ ہجری کا۔ جنگ جسر رمضان ۱۳ ہجری میں ہوئی اور جنگ بویب ۱۴ ہجری میں، خود خلیفہ دوم ۱۴ ہجری کو مدینہ سے نکلے۔ اس کے بعد جناب سعدؓ کو بھیجنے میں ایک دو ماہ لگے ہوں گے۔ پھر جناب سعدؓ کا زرود میں قیام، شراف میں قیام، وفود کو مدائن بھیجنا، رستم کی پیش قدمی وغیرہ تو ظاہر ہے کہ جنگ قادسیہ محرم پندرہ ہجری کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جنگِ قادسیہ، جنگ یرموک کے بعد شوال ۱۵ ہجری میں ہوئی، ٹھیک نہیں۔ کچھ مؤرخین غلطی کر گئے۔ جنگِ یرموک کے بعد شام میں مکمل فتح ہو جانے کے بعد تو وہاں سے بے شمار کمک آ سکتی تھی، اور چونکہ تھوڑی امداد آئی تو ظاہر ہے کہ ابھی شام میں مکمل فتح نہ ہوئی تھی۔ دوسری کتاب میں زمان و مکان کا پورا جائزہ موجود ہے۔

اسلام کی فیصلہ کُن جنگ

ویسے تو جنگ قادسیہ دنیا کی تاریخ کی ایک مشہور ترین جنگ ہے لیکن ہم صرف اسی بات پر اکتفا کریں گے کہ ہماری عسکری تاریخ میں جنگِ قادسیہ کو اہم مقام حاصل ہے اور یہ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہے اس جنگ کے نتائج اثرات اتنے دوررس تھے کہ ان سے دنیا کا سیاسی نقشہ ہمیشہ کے لئے تبدیل ہو گیا۔ پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی صف بندی کسی وقتی دفاع یا مکمل انفعالی دفاع کے اصول کے تحت نہ ہوتی تھی اور اس جنگ میں مسلمانوں نے جو دریا پار نہ کیا، اس کا بھی یہ مطلب تھا کہ مسلمان متحرک دفاع میں یقین رکھتے تھے اور صف بندی صرف دشمن پر نظر رکھنے اور اپنی ترتیب کے لئے ہوتی تھی۔ اس لئے جناب سعدؓ نے بھی یہی حکم دیا کہ صف بندی کے ساتھ دشمن پر نگاہ رکھنا اور دشمن کو تھوڑا آگے بڑھنے دینا کہ اس کی صفوں میں کچھ بے ترتیبی آ جائے۔ آپ نے فرمایا: "وہ چار تکبیریں کہیں گے۔ پہلی دو تکبیریں تنبیہ اور تیاری کے لئے ہوں گی۔ تیسری تکبیر پر مبارزت طلب کر سکتے ہیں اور چوتھی تکبیر پر اپنے اپنے سامنے بھرپور حملہ کیا جائے گا۔"

مبارزتیں

ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعدؓ نے کچھ وقفہ دے کر دو تکبیر کہیں اور مجاہدین اپنی اپنی جگہ دیوار کی طرح جم گئے۔ بعد میں تیسری تکبیر کہی کہ مجاہدین مبارزت طلب کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے مسلمانوں کی صفوں سے دو صحابہ کرام جناب غالبؓ بن عبداللہ اور بائیں درمیانی دستہ کے کمانڈر اور اسلام کے عظیم فرزند جناب عاصمؓ بن عمرو نکلے۔ جناب غالبؓ کے مقابلہ کے لئے ہرمز آیا جو بابل کی جنگ میں حضرت مثنیٰؓ سے شکست کھا کر بھاگ گیا تھا جناب غالبؓ نے اس کو شکنجے میں لے کر قیدی بنا لیا۔ یہ جنگ کا پہلا قیدی تھا۔ لیکن جناب عاصمؓ کے سامنے آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور ظاہر ہو گیا کہ اہل ایران میں اب مسلمانوں کے ساتھ ذاتی مقابلہ کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ جناب عاصمؓ آگے بڑھتے گئے اور اس افراتفری میں کہ کون آگے بڑھ کر مقابلہ کرے۔ "اور تم آؤ اور وہ آئے" کے چکر میں ایرانیوں نے وہاں سے اپنی پوری صف ہی خالی کر دی۔ جناب عاصمؓ نے دیکھا کہ اس افراتفری میں وہ ایک خوبصورت خچر جو سامان سے لدا ہوا تھا اس کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ جناب عاصمؓ نے خچر کو پکڑ کر پیچھے اپنے دستے کی طرف موڑ دیا کہ اس کو سالارِ اعظم کے پاس لے جائیں اور خود میدانِ جنگ میں تلوار لہراتے رہے لیکن کوئی سامنے نہ آیا۔ جناب سعدؓ نے خچر کے سامان کا ملاحظہ کرایا تو دیکھا کہ خوشبودار اور اتنے قیمتی قسم کے کھانے اس پر لدے ہوئے تھے جو بادشاہ لوگ کھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ کھانے جناب عاصمؓ اور ان کے لشکر میں بانٹ دیئے جائیں۔"

اس کے بعد سامنے سے تو کسی ایرانی کو مبارزت کی ہمت نہ ہوئی لیکن مسلمانوں کے بائیں بازو کے سامنے سے ایک "ہزاری" آگے نکلا اور بڑے گھمنڈ کے ساتھ مبارزت طلب کی۔ ادھر عمروؓ بن معدیکرب کو بھی موقع مل گیا اور انہوں نے جا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ ایک ایرانی تیر انداز بدلہ لینے کے لئے تیزی سے آگے بڑھا لیکن عمروؓ بن معدیکرب کے شکنجے سے وہ بھی بچ کر نہ جا سکا۔

اب دونوں طرف افواج میں بے صبری پیدا ہو رہی تھی اور دونوں لشکروں میں سے خاص کر اسلامی لشکروں میں سے اکثر حملہ کے لئے بے چین تھے اور بڑی مشکل کے ساتھ لشکر کے نائب جناب خالدؓ بن عرفطہ نے ان کو روکا کہ اس وقت تک حضرت سعدؓ نے چوتھی تکبیر نہ کہی تھی۔

ایرانیوں کا حملہ

رستم کے لئے اب حملہ کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ اصل میں ابتداء میں وہ حملہ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھا۔ مانا کہ اس نے صف بندی کر لی تھی اور صف بندی کی تجویز دریا کو پار کرنے سے پہلے بنائی ہو گی۔ لیکن اتنی بڑی فوج کو دریا پار کرنے میں کافی وقت لگا تھا اور باقاعدہ صف بندی میں ضرور دیر ہو گئی ہو گی لیکن اب وہ تیار تھا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ مسلمانوں کے دونوں بازوؤں پر بھرپور حملہ کرے اور ان کی صفوں کو تباہ و برباد کر کے وہ پورے لشکر کو گھیرے میں لے لے۔ رستم کے لشکر کی تعداد اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی تھی اور یہ بڑی اچھی تجویز تھی۔ ہاں برابر یا تعداد میں تھوڑی برتری کے ساتھ ایسی تجویز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

رستم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام اسلامی لشکر اور خاص کر دونوں بازوؤں والے حصوں کو تیروں سے چھلنی کر دیا جائے۔ اس زمانے میں تیر ہی دور مار ہتھیار تھے اور ایرانیوں نے تیر کا خوب استعمال کیا۔ مسلمانوں نے بھی تیروں سے جواب دیا لیکن مسلمانوں کے ہتھیار ہلکے تھے اور ایرانیوں کی نسبت تیروں کے اثرات کم تھے۔ رستم بھانپ گیا کہ تیر اسلامی لشکر کا کافی نقصان کر رہے ہیں۔ چنانچہ درمیان والے حصوں کو چھوڑ دیتے ہوئے رستم نے مسلمانوں کے دونوں بازوؤں پر حملہ کر دیا۔

دائیں بازو پر حملہ کے اثرات

مسلمانوں کے دائیں بازو کے کمانڈر جناب عبداللہؓ تھے لیکن ان کے لشکر کے حصہ کے جس دستہ پر حملہ کا بہت زور پڑا وہ دستہ جناب جریرؓ بن عبداللہ کے بجیلہ قبیلہ کا تھا۔ آپ عظیم صحابی ہیں اور آپ نے اپنے قبیلہ کو خوب جوش دلا کر بڑا سخت مقابلہ کیا لیکن آپ کے سات یا آٹھ سو کے دستہ پر سات آٹھ ہزار ایرانی حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے جناب سعدؓ نے جلدی کمک روانہ کر دی۔ یہ کمک عقب یا ریزرو سے نہ تھی بلکہ لشکر کے درمیان سے چھوٹے دستے بھیجے جن کی کمانڈ جناب اشعث بن قیس، حمال اور طلیحہؓ کر رہے تھے۔ طلیحہؓ نے آگے بڑھ کر اس ایرانی پہلوان کا کام تمام کر دیا جو پیش قدمی کی خوشی میں مبارزت طلب کرتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اس طرح ایرانیوں کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے اور جریرؓ بن عبداللہ نے پھر اپنی صفوں کو بحال کر لیا۔

بائیں بازو پر اثرات

ایرانیوں کا مسلمانوں کے بائیں بازو پر حملہ بھی بڑا شدید تھا۔ اس بازو کے کمانڈر جناب شرحبیلؓ تھے لیکن ایرانیوں

کے حملہ کا زور اس دستہ پر پڑا جس کی کمانڈ عمروؓ بن معدیکرب کے ہاتھ تھی۔ یہ تر نوالہ نہ تھے جیسے ایرانی دستہ آگے بڑھے جناب عمروؓ نے مولی گاجر کی طرح ان کو کاٹ کے رکھ دیا اور اُس کے دستہ نے بھی ایرانیوں کو بری طرح مار دی۔ جناب سعدؓ نے حضرت عاصمؓ کو حکم دیا کہ بائیں بازو کی مدد کریں۔ جناب عاصمؓ نے آگے بڑھ کر ہاتھیوں کے ہودوں کے رسّے کاٹ دیئے اور یہ ہودے دھڑام سے نیچے گر گئے۔ اب ایرانی لشکر کے لئے تماشہ بن گیا۔ اور وہ اپنے زخموں کو چاٹ رہے تھے۔

چوتھی تکبیر

عصر کی نماز کے وقت تک ایرانی حملوں کی شدت کم ہو چکی تھی اور حضرت سعدؓ نے چوتھی تکبیر کہہ دی۔ مسلمانوں نے تمام محاذ پر بھرپور حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں گھس گئے اور ایک مقام پر ایرانی صفوں میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ رستم کو تخت سے اتر کر اپنی حفاظت کے لئے جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ مسلمان متحرک دفاع کی طرز کو اپنائے ہوئے یہ حملہ کر رہے تھے لیکن یہ ضروری نہ تھا اور نہ مسلمانوں کو یہ اُمید تھی کہ اس ایک ہی حملہ سے کچھ فیصلہ کن نتائج نکل آئیں گے۔ یہ ان کی بنیادی جارحانہ کاروائی تھی کہ آگے بڑھ کر دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچائی جائے اور دشمن کو سخت جانی نقصان پہنچایا جائے۔ اس کے لئے مسلمانوں نے ایک عجیب وغریب طریق کار اپنایا ہوا تھا اور تلوار زنی اور نیزوں کے زور سے یہ محدود پیش قدمی چھوٹی سطح پر اپنے قسم کی ایک بڑی تیز متحرک کاروائی تھی۔

پہلے دن کی جنگ کا زیادہ زور بجیلہ قبیلہ پر پڑا لیکن شہادت زیادہ ترطلیحہؓ کے قبیلہ جواسد کو نصیب ہوئی جو بجیلہ قبیلہ کی مدد کے لئے گئے تھے اور انہوں نے متحرک ہو کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کے بجیلہ قبیلہ کی بروقت مدد کی۔ اس لئے جنگ قادسیہ کا پہلا دن عام طور پر بنو اسد کا دن مانا جاتا ہے۔ گو حضرت عاصمؓ کا قبیلہ تمیم یا قبیلہ بجیلہ از خود اور عمروؓ معدیکرب کا قبیلہ کندہ اور ازد وغیرہ کسی سے کم نہ تھے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے کہ کوئی دن کسی کو نصیب کر دیتا ہے۔ بہرحال پہلے دن کی جنگ میں شام ہونے تک حالات تقریباً وہی تھے جو جنگ کے شروع ہوتے وقت تھے اور کافی اندھیرا ہو جاتے تک بھی لڑائی جاری رہی۔

دوسرا دن

پہلے دن کی جنگ میں اور کامیابیوں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بڑی کامیابی یہ تھی کہ کافی ہاتھیوں کو بھی میدان

جنگ سے زخمی کر کے فرار کرا دیا۔ رات کو اطمینان کے ساتھ مسلمانوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور شہدا کو دفن کیا جن کی قبریں اب بھی وہاں موجود ہیں اور ایرانیوں کی بے پناہ تعداد کے بارے میں مسلمان زیادہ فکرمند نہ تھے اور ان کو اپنی فتح کا یقین ہو چلا۔ ادھر رستم کی رات بڑی خراب گذری اس کو کچھ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جناب فاروق اعظمؓ نے اس کے کلیجہ کو پھاڑ دیا ہے۔

دوسرے دن سورج جب کچھ اوپر آگیا تو پھر مبارزت کا سلسلہ شروع ہوا۔ دونوں طرف سے بہادر لوگ آگے بڑھ رہے تھے اور یہ مقابلے زوروں پر تھے کہ ایرانی فوج کے ایک حصہ کا کمانڈر جالینوس بھی آگے بڑھا اور مبارزت طلب کی اس کے سامنے طلیحہؓ تھے اور وہ تلوار لے کر آگے بڑھے۔ جالینوس ایرانی فوج میں مانا ہوا بہادر تھا لیکن طلیحہؓ کی شمشیرزنی کے سامنے اس کے قدم اُکھڑ گئے اور اس نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ باقی مبارزتوں میں بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن ایک مبارزت میں ابن قطیبہؓ شہید ہو گئے لیکن شہادت سے پہلے اپنے مدِمقابل ایرانی کمانڈر شہریار کا سر قلم کر دیا۔

دو معجزے

جنگ کے دوسرے دن دو معجزے بھی رونما ہوئے جس نے مسلمان لشکریوں کو حیران کر دیا۔ پہلا معجزہ جناب قعقاعؓ بن عمرو کی شام سے آمد تھی اور دوسرا معجزہ ابو محجنؓ نے دکھایا۔ شام سے تقریباً چھ ہزار کے لشکر نے واپس آنا تھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جناب عمرؓ نے شام میں جناب ابو عبیدہؓ کو خط لکھ دیا تھا۔ یہ لشکر دو حصوں میں کوچ کر رہا تھا اور جیش المقدم جس کی کمانڈ جناب قعقاعؓ کر رہے تھے وہ اپنے باقی لشکر سے ایک دن کی مسافت پر آگے تھا۔ ان کو جنگ کے بارے میں کچھ علم تھا اور ویسے وہ علاقہ کے چپہ چپہ سے واقف تھے اور جناب خالدؓ کے ساتھ کاظمہ سے لے کر مضیخ تک جنگوں میں حصہ بھی لیا تھا اور حیرہ میں ان کے نائب کا کام بھی کیا تھا۔ آپ رومیوں کو جنگ اجنادین میں اور دمشق کی پہلی فتح تک اپنے ہاتھ بھی دکھا چکے تھے۔ ان کو قادسیہ میں داخل ہونے سے پہلے جنگ کی بو آ گئی اور ان کی دوررس نگاہ بھانپ گئی کہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اس لئے میدان جنگ سے تھوڑا پیچھے انہوں نے اپنے لشکر کو ٹکڑیوں میں بانٹا اور ہر حصہ میں پندرہ بیس مجاہد شامل کئے اور حکم دیا کہ پہلے حصہ کے ساتھ جس طرح نعرۂ تکبیر کے ساتھ وہ خود داخل ہوں گے۔ اسی طرح باقی مجاہدین باری باری نعرۂ تکبیر کے ساتھ وقفے وقفے کے بعد میدانِ جنگ میں داخل ہوتے رہیں گے۔

اس کارروائی کے اثرات کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ جن لوگوں نے میدانِ جنگ میں وقت گزارا ہے اُن کو

معلوم ہے کہ ایک مجاہد کی کمک تمام دستے کو ہشاش بشاش کر دیتی ہے اور یہ طریقِ کار مُردہ دلوں میں بھی جان ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل کی جنگ میں بھی سمجھدار کمانڈر کمک یا عارضی طور پر میدانِ جنگ میں داخل ہونے والوں کو ہدایت دیتے ہیں کہ نعرۂ تکبیر سے میدانِ جنگ میں داخل ہوں۔ اور اگر واپس جانا ہو تو ایسے آہستہ سے اور چھپ کر نکلو کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ بہرحال قعقاعؓ کی آمد نے میدانِ جنگ کا نقشہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا۔ لیکن جناب قعقاعؓ کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ قعقاعؓ کی آمد کے بعد مورخین نے اپنی قلم کا رخ ہی ان کی طرف موڑ دیا۔ اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں۔ قعقاعؓ بن عمرو اور عاصمؓ بن عمرو کی وجہ سے ان کے قبیلے کا نام بھی تاریخِ اسلام میں سنہری الفاظ سے لکھا ہوا ہے اور دنیا میں ایسے ماں باپ بہت ہی کم ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قعقاعؓ اور عاصمؓ جیسے فرزند عطا کئے۔

جناب قعقاعؓ میدانِ جنگ میں

جناب قعقاعؓ میدانِ جنگ میں اپنی پہلی ٹولی کے ساتھ داخل ہوئے اور صفوں سے آگے نکلتے ہوئے مبارزت طلب کی۔ قعقاعؓ اور مسلمانوں کی خوش قسمتی کہ ایرانیوں نے اُن کو کوئی "نووارد" اور جنگ کا نابلد جوشیلا سمجھ لیا۔ اور آگے سے بہمن جاوذیہ نکلا جو جسر کی جنگ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ بہمن بہت زیادہ عمر کا تھا اور نوشیروان عادل کے زمانے سے فوج میں تھا۔ اس نے سمجھا کہ "ناتجربہ کار" نووارد جوان کے ساتھ وہ کوئی داؤ کھیل سکے گا۔ لیکن قعقاعؓ ملک شام میں بہمن اور جسر کی جنگ کے واقعات سے واقف ہو چکے تھے۔ وہ پکار اُٹھے۔ خبردار! آج میں جناب ابوعبیدؓ اور عظیم بدری صحابی سلیطؓ کا بدلہ لئے بغیر نہیں رہ سکتا اور چند لمحوں کے بعد بہمن زمین پر تڑپ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بریزان ایک محافظ کے ساتھ آگے نکلا کہ شاید بہمن کی عمر کی زیادتی نے اس نووارد کو یہ موقع دیا ہے اور اس کو جانے نہ دیا جائے۔ جنابِ قعقاعؓ کے ساتھ بھی ایک مجاہد شامل ہو گیا، اور دونوں نے مل کر دونوں ایرانیوں کا صفایا کر دیا۔ ایرانی ششدر رہ گئے۔ لحظہ بھر میں ان کے دو جرنیل زمین پر تڑپ رہے تھے۔ اور مسلمانوں نے اس خوشی میں ایک بھرپور حملہ بھی کر دیا۔ لیکن ایرانیوں کی تعداد ان کے آڑے آئی اور وہ بہادری کے ساتھ لڑے بھی۔ مسلمانوں کو کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور مسلمان حملہ روک کر کچھ سستانے لگے۔

لیکن جناب قعقاعؓ کو آرام نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے سپہ سالار کو جا کر سلام کیا۔ اپنے ساتھیوں کو اپنے بھائی جناب عاصمؓ کے لشکر کا ایک حصہ بنانے کی اجازت چاہی ۔ اور خود سپہ سالار کی اجازت سے ایک داؤ تیار کیا۔ ایک اونٹ پر ایک بہت بڑی جھول ڈالی اور ساتھ کچھ ایسی لکڑیاں باندھیں کہ اونٹ، ہاتھی سے بھی زیادہ خطرناک جانور نظر آنے لگا۔ ایرانی فوجیوں پر تو اس جھلاوے کا اثر نہ ہوا لیکن یہ جھلا '' بردادٔ اس لحاظ سے بڑا کامیاب رہا کہ ایرانی لشکر کے گھوڑے اس کو دیکھ کر بدک گئے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایک اور زوردار حملہ کیا جس سے ایرانیوں کی صفوں میں شگاف پڑ گئے۔ بلکہ جناب قعقاعؓ اپنے قبیلہ بنو تمیم کے چند مجاہدوں کو لیکر رستم کے قریب پہنچ گئے اور رستم کو ایک بار پھر تخت سے اترنا پڑا۔ لیکن سورج غروب ہونے والا تھا اور رستم دوسری دفعہ بچ نکلا۔

ابو محجن

دوسرے دن کی جنگ ختم ہونے سے پہلے البتہ مسلمان مجاہدین دوسرے معجزے سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ اسلامی لشکر میں ایک شاعر تھے، جنہوں نے شراب کی تعریف میں کوئی شعر کہہ دیا۔ ان کا نام ابو محجن تھا۔ وہ اس مکان میں بیڑیاں پہنے قید تھے جہاں جناب سعدؓ کی زوجہ سلمیٰ بھی تھیں۔ جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے بار بار آہیں بھرتے تھے۔ جناب سلمیٰ سے نہ رہا گیا۔ اور پوچھا کہ افسوس کس بات کا کر رہے ہو۔ تو ابو محجن نے عرض کی کہ آپ اگر میری بیڑیاں کھول دیں تو یہ آہیں ختم ہو جائیں گی۔ مجھے بھی تلوار چلا کر جو سرور آئے گا، تو ندامت میں کچھ کمی آجائے گی۔ جناب سلمیٰ کو ترس آگیا اور انہوں نے ابو محجن کو وعدہ پر آزاد کر دیا۔ آپ نے سپہ سالار کا گھوڑا لیا اور اس پر سوار ہو کر دشمن کی صفوں پر اتنے حملے کئے جن کی تعداد ہی بے شمار تھی۔ اِدھر سے اُدھر دشمن کی صفوں کو تہس نہس کر رہے تھے۔ اور جو آگے آتا تھا اس کو ڈھیر کر جاتے تھے۔ مسلمان حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گھوڑا، سپہ سالار کا تھا۔ اُن کو خیال ہوا کہ سپہ سالار اُن کے حملوں سے ناخوش ہیں اور بیماری کے باوجود جنگ میں شریک ہوگئے ہیں اور دشمن کو ہاتھ دکھا رہے ہیں۔ اس ندامت سے مسلمان مجاہدین نے بھی دشمن پر بھرپور حملے کر کے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ کچھ لوگوں نے سمجھا کہ شام

سے ہاشمؓ پہنچ گئے ہیں۔ جناب ابو محجن جب تھک گئے اور ان کی تلوار کی دھار کچھ کند ہوئی۔ تو واپس آگئے اور پاؤں میں بیڑیاں پہن کر پھر اپنے آپ کو قید کر لیا۔

جناب سعدؓ کو جب حالات کا پتہ چلا تو اُن کو بلا کر کہا کہ "تمہاری اس بہادری کے بعد تمہاری سزا کو قائم رکھنے سے ان کو بڑی ندامت آرہی ہے۔" تو ابو محجن نے عرض کی۔ "اے سالار مجھے بھی وہ شعر کہنے سے بڑی ندامت آرہی ہے۔ اللہ کی قسم آج سے شراب کی تعریف سے توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف فرمائے۔"

جناب فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے انعامات

دوسرے دن کی جنگ تھمنے ہی والی تھی کہ خلیفۂ دوم کا قاصد پہنچ گیا۔ اس کے پاس چار تلواریں اور چار گھوڑے تھے اور حکم تھا کہ جو لوگ بہتر طور پر ان چیزوں کا حق ادا کر رہے تھے اُن کو یہ انعامات دیئے جائیں۔ جناب سعدؓ کے لئے فیصلہ مشکل تھا اور اس کا اعلان بھی ضرور کیا ہوگا۔ بہرحال تلواریں جناب عاصمؓ بن عمر، طلیحہؓ بن خویلد اور اشعث بن قیس کو عطا ہوئیں اور گھوڑے جناب قعقاعؓ اور بنو تیم کے تین سواروں کو جو ان کے ساتھ شام سے آئے تھے۔ پہلا دن اگر بنو اسد کا تھا تو ان کے کمانڈر طلیحہؓ کو تلوار پیش کی گئی۔ دوسرا دن واقعی بنو تیم کا تھا۔ دو بھائی اور تین سوار انعامات حاصل کر گئے۔

جنگ کا تیسرا دن

تیسرے دن مسلمان مجاہدین فتح کے لئے بڑے پُر امید تھے کہ ہاتھی جو پہلے دن میدانِ جنگ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ دوسرے دن بھی میدانِ جنگ میں نظر نہ آئے لیکن تیسرے دن ہاتھی پھر میدانِ جنگ میں آکر موجود ہو گئے۔ ان کی مرہم پٹی کر دی گئی اور نیا طریقہ یہ نکالا کہ ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو ہاتھیوں کے گرد رہتا تھا۔ ہاتھی جب آگے حرکت کرتے تو بھی یہ دستہ ساتھ ہالہ بنا کر آگے پیچھے ہوتا۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی نزدیک سے ہاتھیوں کو زخمی نہ کر دے یا ہودوں کے رسے نہ کاٹ دے۔ یہ دیکھ کر مسلمان کچھ فکرمند ضرور ہوتے۔ لیکن جناب قعقاعؓ نے ان کی دلجوئی کے لئے سامان پیدا کر دیا۔ انہوں نے بنو تیم کے کچھ لوگوں کو رات کے وقت لشکر کے پیچھے بھیج دیا اور حکم دیا کہ صبح کے وقت سے وہ میدانِ جنگ میں بالکل اسی طرح داخل ہوتے رہیں جسطرح نئی کمک کے طور پر کل کے دن وہ خود داخل ہوئے تھے۔

ساتھ ہی ہاشمؓ بن عتبہ کو پیغام بھیجا کہ جنگ شروع ہے اور وہ بھی میدان جنگ میں اسی ترتیب سے داخل ہو جس طرح قعقاعؓ داخل ہوئے تھے۔ ہاشمؓ بھی باخبر ہو چکے تھے اور یہ طریقہ اپنانے سے سارا دن مسلمانوں کو کمک کے طور پر ٹولیاں پہنچتی رہیں۔

مؤرخین کا اختلاف

شام سے کمک کی نفری کے سلسلہ میں اختلاف ہے اور کچھ مؤرخین یہ تعداد صرف بارہ سو بتاتے ہیں۔ طبری نے بھی یہ تعداد کم ہی بتائی۔ لیکن پہلے مورخین یعنی ابن اسحٰق وغیرہ کے لحاظ سے کمک پانچ یا چھ ہزار تھی۔ اور اس تعداد کو اکثر بعد کے مورخین نے صحیح مانا۔ اور ہم بھی اِس کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ اتنی دُور سے کمک جب آئے تو تعداد کافی ہونا چاہیئے تھی۔

رستم کی ڈھارس

جنگ کے تیسرے دن رستم کو کچھ ڈھارس بندھ رہی تھی۔ ہاتھی میدان جنگ میں ٹھہر گئے تھے اور رستم پہلا ایرانی سپہ سالار تھا کہ سلمانوں کے مقابلہ میں اتنے دن ٹھہر گیا تھا۔ ایرانی فوج میں بھی کچھ بھروسہ پیدا ہونے لگا کہ مسلمانوں کے اتنے سخت حملوں کو وہ برداشت کر گئے تھے۔ ان کا رسالہ جو اونٹوں سے کچھ ڈر گیا تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے کوئی طریقہ ضرور کیا کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر اپنے گھوڑوں کا ڈر اس "جھلاوے" کے لئے ختم کر دیا کہ جنگ کے تیسرے دن ان بناوٹی "جھلاوں" کا گھوڑوں پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا اور ایرانی رسالہ نے پیش قدمی کر کے درمیان سے سلمانوں کی صفوں کو اس طرح تتر بتر کر دیا کہ ان کے چند شاہسوار جناب سعدؓ کے نزدیک بھی پہنچ گئے لیکن مسلمان مجاہدوں نے ان کو مار بھگایا۔ جناب سعدؓ نے چند مسلم ایرانی افسروں کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہاتھی کی کمزور جگہ کون ہے تو معلوم ہوا کہ آنکھ اور سونڈ۔ چنانچہ سعدؓ نے چند بہادر مسلمانوں کو بلا کر یا پیغام کے ذریعے کہلا بھیجا کہ وہ ہاتھیوں کے سونڈ کاٹ کر یا ان کو اندھا کر کے میدانِ جنگ سے بھگا دینے کا بندوبست کریں۔ مسلمان مجاہدین تیار ہو گئے اور اس کی بسم اللہ جناب عاصمؓ اور قعقاعؓ دونوں بھائیوں نے مل کر کی۔ ان کے سامنے بڑا سفید ہاتھی تھا۔ انہوں نے یک لخت حملہ کر کے ہاتھی کو اندھا بھی کر دیا اور اس کی سونڈ بھی کاٹ دی۔ اب ہاتھی "بے ہتھیار" ہو گیا۔ صرف پاؤں تلے روندنے کا کام کر سکتا تھا لیکن اندھا تھا۔ اپنے پرائے کی تمیز نہ تھی۔ اپنے اوپر سے ہودوں اور سواریوں کو گرا

دیا اور بے مہار میدانِ جنگ میں بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حمال اور اس کے دستہ نے اپنے سامنے والے اور عمرؓو بن معدیکرب اور اس کے دستہ نے اپنے سامنے والے ہاتھیوں کا بھی حال کیا۔ اب میدانِ جنگ میں ایک تماشا بن چکا تھا۔ ہاتھی "شتر بے مہار" ہو گئے اور اپنے ہودوں کو اپنی فوج کے اوپر گرایا اور اپنی ہی فوج کو روند ڈالا۔

ہاتھیوں کے میدانِ جنگ خالی کر دینے کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا لیکن کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

جنگ کی آخری رات لیلتہ الہریر

قادسیہ کی جنگ کے ہر دن اور رات کے الگ الگ نام ہیں۔ پہلے دن کو یوم ارمات کہتے ہیں کہ کچھ بدنظمی رہی۔ دوسرے دن کو یوم اغواث کہتے ہیں کہ کچھ راحت ملی کہ شام سے کمک پہنچ گئی تھی۔ تیسرے دن کو یوم عماس کہتے ہیں کہ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور بہت سخت کام کرنا پڑا بلکہ رات کو بھی جنگ جاری رہی اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت زور سے بات نہ کرتے تھے بلکہ آہستہ گفتگو کرتے تھے۔ اس لئے اس کا نام لیلتہ الہریر پڑ گیا۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد جنگ کی شدت میں ضرور کمی آ گئی لیکن چاندنی رات تھی اور جنگ ختم نہ ہوئی۔ میدانِ جنگ میں اپنے لشکروں پر سپہ سالاروں کا زیادہ کنٹرول نہ تھا اور یہ سب کچھ مسلمانوں کو چھوٹے دستوں کے جوشِ جہاد کی وجہ سے تھا کہ وہ اپنے امیروں کے تحت رات کو بھی حملہ پر حملہ کر رہے تھے۔ جناب سعدؓ کو صرف یہ خبر ملتی تھی کہ اب فلاں قبیلہ یا فلاں امیر یا فلاں دستہ آگے جا کر حملہ کر رہا ہے اور جناب سعدؓ اوپر ہاتھ اٹھا کر ان مجاہدین کے لئے اللہ کی رحمت اور فتح مندی کی دعا مانگتے تھے۔ مؤرخین نے اس سلسلہ میں تقریباً سب قبائل کا ذکر کیا ہے لیکن امراء میں زیادہ شہرت جناب قعقاعؓ، عمرؓو بن معدیکرب، طلیحہؓ، اشعث بن قیسؓ، قیسؓ بن ابی یغوث اور قیسؓ بن ہبیرہ کو حاصل ہوئی۔ قیسؓ بن ابی یغوثؓ جنگ میں نوواردتھے وہ شام کے محاذ پر جنگ لڑنے گئے اور جنگ لڑے بغیر عراق کی فوج کی کمک کے لئے جناب ہاشمؓ بن عتبہ کے ساتھ جنگ کے تیسرے دن پہنچے اور اسی رات کو شہرت حاصل کر لی۔

چوتھا دن

چوتھے دن جب قادسیہ کی افق پر سورج نمودار ہونے سے پہلے روشنی ہوئی تو طرفین ایک لمحہ کے لئے رک گئے کہ

رات کی کاروائی کے بعد وہ کہاں تھے۔ یہ قدرتی امر ہے۔ میدان جنگ کے دن اور رات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ رات کیسے گذری وہ رڑتے لڑتے یا جیسے بھی ہو گزر جاتی ہے۔ لیکن رات کے کئی نتیجے صبح روشنی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں پہلے سے سمجھ ہوتی ہے۔ اور کچھ آدمی کو حیران کر دیتے ہیں اور ایرانیوں کے ساتھ یہی ہوا۔ مسلمان چوکنے تھے اور وہ رات کے حملوں سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ ایرانی تھک کر چور ہو چکے تھے اور مسلمانوں کا سپہ سالار جانتا تھا کہ مسلمان اور سختی برداشت کر لیں گے۔ اس لئے اس نے رات کے عطیات اور ثمرات کا فائدہ اٹھانے کے لئے یلغار کا حکم دے دیا کہ اشارہ پر یہ کام ہو گا۔

رستم حیران تھا کہ اس کا لشکر رات کیسے خیریت میں گذار گیا۔ اس لئے اس نے کچھ شگاف پُر تو کئے لیکن اس نے سمجھا کہ مسلمان بھی تھک چکے ہوں گے اور جلدی کسی حملہ کی اس کو امید نہ تھی۔ یہ اس کی بڑی غلطی تھی بلکہ سب ایرانی امرا سستی کر رہے تھے کہ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر کے تحت پورے محاذ پر یلغار کر دی۔ قعقاعؓ اپنے دستے کے ساتھ رستم کے نزدیک پہنچ گئے۔ رستم نے ہاتھیوں کی طرح بھاگ کر دریا میں پناہ لینا چاہی لیکن ہلالؓ نامی ایک شخص نے رستم کو پہچان لیا اور اس کی ٹانگ پکڑ کر اس کو باہر کھینچا اور پھر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد رستم کے تخت پر آ کر کھڑا ہو گیا اور اعلان کر دیا کہ رستم کو اس نے قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایرانیوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

ایرانی جنرل جالینوس نے وہ کرنا چاہا جو حضرت مثنیٰؓ نے ایسے حالات میں جسر کی جنگ میں کیا تھا۔ لیکن وہاں مسلمان ربط و ضبط کے ساتھ دریا کی دوسری طرف ایک دفاعی لائن بنا رہے تھے اور یہاں ایرانی شتر بے مہار کی طرح تتر بتر ہو رہے تھے۔ اس لئے جالینوس کی کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ گو جالینوس اور اس کے ساتھی بہادری سے لڑے اور ریئر گارڈ کا اچھا کام کیا لیکن جلدی سے حضرت زہرہؓ نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اب ایرانی بے ترتیبی سے بھاگ رہے تھے۔ اپنی فوج سے ان کی مدد صرف وہ لوگ مجبوراً کر رہے تھے جو پابہ زنجیر تھے۔ پندرہ ہزار ایرانی زنجیروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی زنجیریں کاٹنا شروع کر دیں کیونکہ مسلمان ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اس سارے خونی ڈرامے میں جو دیر لگ رہی تھی۔ اس لئے ایرانی امراء اور رسالہ والوں کو جو اونچے درجے کے سپاہی ہوتے تھے، ان کو بھاگنے کا کچھ موقع مل گیا۔

---

(۱) قارئین کو شاید عجیب معلوم ہو گا کہ ہلال کو باقی مجاہدین کی طرح کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ یہ بدقسمت انسان خلیفہ سوم اور چہارم کے عہدوں میں شر پسندوں میں شامل ہو گیا تھا۔ شاید رستم کو قتل کرنے میں تکبر کیا اور رذاتی تفاخر پیدا ہوا۔ عبرت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اپنے نیک خاتمہ کی دعا کرنا چاہیئے۔

ایرانی بھاگنے والوں کا پیچھا جناب قعقاعؓ، شرجیلؓ اور زہرہؓ نے کیا اور بڑی دور دور تک ان کو پکڑتے مارتے گئے۔ یہ تعاقب اتنا لمبا تھا کہ کئی تعاقب کرنے والے دوسرے دن واپس قادسیہ پہنچے جب کہ مسلمانوں کے بچے اور عورتیں بھی میدان جنگ میں پہنچ چکے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا مجاہد ہو جو زخمی نہ ہوا ہو۔ مسلمان شہداء کی تعداد بھی تقریباً پانچ اور چھ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ آج تک کسی جگہ میں اتنے مسلمانوں نے شہادت نہ پائی تھی۔ البتہ دشمن کا نقصان پانچ گنا زیادہ تھا۔ شاید زیادہ مرے ہوں کیونکہ پندرہ ہزار تو وہ تھے جو "پا بہ زنجیر" تھے۔ (لفظ "پا بہ زنجیر" یہ غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے کہ ان کے پاؤں زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ نہیں بات یہ نہ تھی۔ وہ کمر سے ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ لفظ "پا بہ زنجیر" ہماری اپنی جدت ہے۔ کہ ان مبصروں سے اتفاق نہیں ہے جو اس طریق کار کو بہادری سمجھتے ہیں۔ چونکہ وہ زیادہ متحرک نہ تھے اور اس سے ان کی حربی خوبی محدود ہو کر رہ گئی تو لفظ "پا بہ زنجیر" استعمال کر دیا گیا)

فتح کی خوشخبری

حضرت سعدؓ نے مال غنیمت کو اسلامی طریقہ کے مطابق فوج میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ مدینہ شریف بھیجا لیکن اس سے پہلے ایک تیز رفتار قاصد کو فتح کی خوشخبری کے لئے مدینہ بھیجا۔ یہ قاصد بنو فزارہ کے سعدؓ بن عمیلہ تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو نہ جانتے تھے۔ ابھی یہ قاصد مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے تو امیرالمومنین سے ملاقات ہو گئی کیونکہ حضرت عمرؓ ہر روز فتح کی خوشخبری سننے کے لئے مدینہ سے چند میل باہر آجاتے تھے۔ شتر سوار کو امیرالمومنین نے پہچان تو لیا کہ قاصد ہے اور اس سے ایران کے حالات پوچھے جس نے قادسیہ کی خوشخبری سنائی۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ اس اونٹنی سوار کے ساتھ ساتھ شہر کی طرف دوڑتے رہے اور اس سے فتح کی باتیں سنتے رہے۔ قاصد بھی تیزی میں تھا وہ باتیں سناتا رہا اور حضرت عمرؓ دعائیں دیتے اور کہتے "اے اللہ کے بندے اور سناؤ، اور سناؤ۔" اور خوشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اسی حالت میں مدینہ پہنچے۔

اسباق

جنگ قادسیہ سے مندرجہ ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

و - ترجیحات پہلے مقرر کر دی جائیں اور ان پر قائم رہا جائے۔

ب - اپنی چنی ہوئی زمین پر دشمن کو جنگ کے لئے مجبور کیا جائے۔

ج - اسلامی فلسفہ حیات کی جنگ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ ہر وقت اس پر عمل کیا جائے۔

د - لڑائی کی نبض شناسی اور بروقت کاروائی اہم ضروریات ہیں۔

ر - ولولہ اور جذبہ کی بے حد ضرورت ہے۔

س - بہادروں کو بروقت انعامات اور عطیات ضرور دیئے جائیں۔

ص - دشمن کا تعاقب ضرور کیا جائے۔

ض - نتائج کے اثرات یا ثمرات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

جنگ قادسیہ، دنیا کی ایک فیصلہ کن جنگ مانی جاتی ہے، جس نے ایران کے دروازے اسلام کے لئے کھول دیئے۔ لیکن مسلمانوں نے فوراً تعاقب نہ کیا، صرف محدود تعاقب کیا۔ کہ مدائن پر قبضہ کرنے کا وقت نہ آیا تھا کہ اب دوسرے محاذ یعنی شام میں بھر پور جنگ ہونا تھی، جس کو جنگ یرموک کہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر دوسری کتاب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے نو ماہ بعد یعنی شعبان پندرہ ہجری میں مدائن کی طرف پیش قدمی کی گئی۔

تینتسواں باب

مدائن پر قبضہ

حضرت سعدؓ نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں بانٹ دیا اور اس طرح آپ نے شعبان کے مہینہ میں مدائن کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ نقشہ یازدہم حالات کو اور واضح کرے گا۔ ساری کارروائی جناب زہرہؓ بن الحویہ کے جیش المقدم نے کی باقی لشکر کے چار حصوں میں سے دو کمانڈر تو قادسیہ والے پرانے کمانڈر جناب عبداللہؓ اور شرحبیلؓ تھے اور دو نئے کمانڈروں میں قادسیہ کے نائب سالار جناب خالدؓ بن عرفطہ اور شام سے کمک والی فوج کے کمانڈر اور جناب سعدؓ کے بھتیجے ہاشمؓ بن عتبہ تھے۔ جناب سعدؓ کا سارا لشکر کوئی بیس یا پچیس ہزار رہ گیا تھا۔ کچھ دستے حیرہ کے گردونواح میں بھی چھوڑ دیئے گئے تھے۔

ایرانیوں کا طریق کار

رستم کے شکست سے پہلے ہی یزدجرد جنرل نخیرجان کو کمک کے طور پر بھیج چکا تھا۔ یہ یزدجرد کے دادا خسرو پرویز کے ساتھ بھی کام کر چکا تھا۔ آگے جنگ نہاوند کے بعد اس کے خزانہ کے سلسلہ میں کچھ دلچسپ قصے بھی سامنے آئیں گے۔ راستے میں اسے قادسیہ کی جنگ کے بھگوڑے مل گئے اور اسے حالات سے باخبر کیا۔ اس نے تمام بھگوڑوں کو روک کر بابل[1] کے مقام پر ایک دفاعی پوزیشن تیار کی اور کچھ دستوں کو بابل سے آگے برس کے مقام پر بھی متعین کیا۔ اسی دوران یزدجرد کو رستم کی تباہی و بربادی کی خبر مل گئی تو اس نے رستم کے رقیب اور حریف فیرزان کو بلا کر سپہ سالار اعظم مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کی کسی متوقع پیش قدمی کو روکا جائے۔

فیرزان نے آگے بڑھ کر جگہ جگہ لشکر مقرر کیے۔ یہ سب کچھ ایک جنگ کی بجائے ایک جنگی مشق نظر آتی تھی جیسے ہم ایڈوانس ٹو کنٹیکٹ کی کوئی جنگی مشق بریگیڈ یا ڈویژن کی سطح پر تیار کریں۔ جو خواہ پوری فوج کے ساتھ ہو یا سگنل ایکسر سائز ہو۔ ہاں اگر کسی جگہ امپائر اور کنٹرول سٹاف سخت ہو تو وہ الگ بات ہے کہ وہ "پیش قدمی" کو کچھ کنٹرول کریں۔ جنگ میں ایسا تماشہ دوسری جنگ عظیم میں پہلے ۱۹۴۰ء میں ہوا جب فرانس کی نیمبنٹ لائن ٹوٹی اور جرمن فوجوں نے پیرس کی طرف اس طرح پیش قدمی کی یا ۱۹۴۴ء میں اتحادیوں نے جب یورپ میں حزیزیا نا میٹرگ میں دوسرا محاذ کھولا

---

[1] نقشہ یازدہم سے استفادہ کریں۔

اور وہاں پر دو تین ماہ کی سخت لڑائی کے بعد جب جرمنوں کے دفاع میں شگاف پڑا تو اتحادی فوجیں پیرس کی طرف اسی
طرح روانہ ہوئیں۔

جھڑپیں

مسلمانوں اور ایرانیوں میں پہلی جھڑپ برس کے مقام پر ہوئی۔ ایرانی کمانڈر مبارزت طلب کر کے حضرت زہرہؓ کے
مقابلے میں آیا اور زخمی ہونے کے بعد اس نے بھاگ کر بابل میں پناہ لی۔ اس کے بعد برس کے سولین حاکموں نے مسلمانوں کی
باجگذاری اختیار کی اور چند دن بعد مسلمانوں کے باقی چار لشکر بھی وہاں پہنچ گئے۔ اسکے بعد فیرزان نے بابل کے مقام پر مسلمانوں
کو روکنے کی کوشش کی اور کچھ مؤرخین نے اسکو بابل کی دوسری جنگ کا نام بھی دیدیا ہے لیکن ہمارا جائزہ یہ ہے کہ تعاقب جاری تھا اور ایک
جھڑپ تھی کہ صرف جناب زہرہؓ کے لشکر کے ساتھ دو دو ہاتھ ہوئے تھے اور جلد ہی ایرانی کمانڈ مدائن کی طرف بھاگنے کی بجائے
اہواز اور خوزستان کی طرف بھاگ گیا۔ یہ قادسیہ کا بھگوڑا جنرل ہرمزان تھا اور اس کے ساتھ اب ہمیں اکثر واسطہ
پڑتا رہے گا۔ البتہ ایرانی لشکر کا کچھ حصہ کوثی کی طرف بھاگ گیا۔

کوثی سے آگے سورا اور ذیر کعب کے مقام پر بھی فیرزان نے کچھ دستے تعین کئے ہوئے تھے۔ سورا کے مقام پر
بالکل معمولی جھڑپ ہوئی اور ایرانی بھاگ گئے۔ البتہ ذیر کعب کے مقام پر نخیر جان جو ایک مضبوط پوزیشن اختیار کئے ہوئے
تھا۔ وہ خود تو پہلی مبارزت میں ہلاک ہو گیا۔ گو نخیر جان اور اس کے خزانہ اور خوبصورت بیوی کی کہانی ابھی باقی ہے
لیکن اس کے لشکر نے سخت مقابلہ کیا۔ جناب زہرہؓ کے حکم پر عظیم صحابی جناب جریرؓ نے ایک دستہ کے ساتھ بائیں
بازو سے آگے بڑھ کر ایرانی پوزیشن کو اکھیڑ دیا اور اس کے بعد تمام ایرانی کوثی کی طرف بھاگ گئے۔

فیرزاں کا تجزیہ

فیرزاں فرار ہونے کی کاروائی میں حق بجانب تھا وہ اپنی شکست خوردہ فوج سے کافی کام لے رہا تھا کہ اس
کو مدائن کا دفاع مضبوط کرنیکا وقت مل رہا تھا۔ وہ پُر امید تھا کہ دریا کی وجہ سے مدائن کا قلعہ بند دفاع بڑا مضبوط تھا
اور چند سال پہلے اہل روم کی افواج مدائن تک پہنچ گئی تھیں۔ لیکن مدائن کے دفاع میں شگاف نہ کر سکی تھیں اور
پھر مسلمانوں کے پاس تو محاصرہ توڑنے والا سامان بھی نہ تھا۔ علاوہ ازیں مسلمان تیراک بھی نہ تھے اور دریائی جنگ یا
کشتیوں کے استعمال سے بھی نابلد تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اتنی دیر روک لینے سے وہ مدائن کے دفاع کو کافی مضبوط
کر چکا تھا اور پھر کچھ سر پھرے فوجیوں کو باقی مقامات پر چھوڑ کر خود مدائن پہنچ گیا جہاں پر اپنی تمام تر توجہ مدائن کے

دفاع پر دینی شروع کردی۔

ایک ایسا ہی سرپھرا شہریار تھا جس کو خیال تھا کہ مبارزت میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ کوثیٰ کے دفاع کا ذمہ دار تھا اور جیسے ہی اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو بڑے ہتک آمیز لہجہ میں مبارزت طلب کی۔ کہنے لگا کہ وہ عام آدمی کے ساتھ مبارزت نہیں کرتا اگر لشکر میں کوئی سردار موجود ہے تو آگے آئے۔ عام طور پر مبارزت کے لئے جناب زہرہؓ خود جاتے تھے لیکن یہ بات ان کو پسند نہ آئی اور فرمایا کہ ہمارے ہاں سب سردار ہیں اور جناب نائل بن جوشم کو آگے بھیجا کہ یہ ہمارے سردار ہیں۔ یہ مقابلہ بڑا دلچسپ رہا اور ایک وقت آیا کہ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون بہتر وار کر رہا ہے اور آخر میں دونوں گتھم گتھا بھی ہو گئے۔ لیکن اللہ کے فضل سے جناب نائل نے شہریار کو چاروں شانے چت گرایا اور اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ایرانی فوج وہاں سے بھاگ گئی اور کوثیٰ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ کوثیٰ وہ جگہ ہے جہاں کسی زمانے میں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو قید رکھا تھا۔ مسلمان لشکریوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ ان مقامات کی زیارت کی اور جناب سعدؓ سمیت اہل لشکر نے وہاں نوافل ادا کئے۔ اور جناب سعدؓ سمیت تمام اہلِ لشکر نے جناب ابراہیمؑ اور حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیجا۔ اور خدا کے فضل سے ہم ہر نماز میں ایسا التحیات میں کرتے ہیں۔

مدائن اور کوثیٰ کے درمیان صرف ایک پڑاؤ کا فاصلہ تھا جس کو ساباط کہتے ہیں۔ یہ جگہ دراصل مدائن کی فوجی چھاؤنی تھی، فیرزان تو مدائن چلا گیا۔ یہاں پر شیرزاد کو چھوڑ گیا تھا۔ یہ شیرزاد وہی تھا جس نے انبار کے مقام پر حضرت خالدؓ کے زمانے میں مسلمانوں کو بڑے قریب سے دیکھا تھا اور جان کی امان طلب کر کے بھاگ گیا تھا۔ اس لئے یہاں پر بھی جلد صلح اور باجگذاری کے لئے تیار ہو گیا اور اس کے بعد اسلامی لشکر مدائن کی طرف بڑھ گیا۔

مدائن

مدائن کو مقین بھی کہتے تھے اور اہل یونان سٹیفن کہتے ہیں۔ یہ مقام اہلِ ایران کا مینجوڈارڈ، ٹیکسلا یا ہڑپہ ہے۔ موجودہ ادیبوں اور دانشوروں نے پرانی تہذیب و تمدن کی تمام کہانیوں کو اس شہر کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور گو بابل کی تہذیب اس سے پرانی ہے لیکن اس شہر کے ساتھ اہلِ ایران کا کچھ زیادہ ہی تعلق رہا ہے اور اس کے بارے میں بہت تحقیق ہوئی ہے کہ اس کی بنیاد کب رکھی گئی؟ دروازے کتنے تھے؟ اور سکندر یونانی نے بھی اس کی ایک دیوار بنائی۔ سلوکس نے شہر کا مغربی حصہ بنایا تھا اور پارتھیوں نے یہ کیا اور نوشیروان نے وہ کیا، وغیرہ۔ لیکن اہلِ اسلام کو ایسی تاریخوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ سب باطل تہذیبوں کی نشانیاں ہیں۔ ہمیں تو ان

سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ وہ سب تہذیب و تمدن مٹ گئے جو غیر اسلامی تھے۔

یہ مدائن دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ مغرب کی طرف سے اسلامی لشکر جب مدائن کے قریب پہنچا تو اس طرف جو شہر آباد تھا اس کے دفاع کے لئے ایرانیوں نے شہر کے آگے ایک خندق کھودی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے حکم دیا کہ منجنیقیں تیار کی جائیں اور خود شہر کا محاصرہ کر لیا۔ گو مدائن کے لوگوں کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہ تھی کہ کشتیوں کے ساتھ ان کا دجلہ کے پار دوسرے مدائن کے ساتھ رابطہ تھا لیکن مسلمانوں نے جگہ جگہ منجنیقیں نصب کر دیں اور دن رات شہر پر پتھر یا آگ وغیرہ برسائی جانی شروع کر دی اور مکمل دو ماہ کے محاصرہ کے بعد ایرانی تنگ آگئے اور سارے لوگ اس طرف والے مدائن کو چھوڑ کر دریائے دجلہ کے پار والے مدائن میں چلے گئے لیکن دریا کے اس طرف کوئی کشتی نہ چھوڑ گئے۔

مدائن پر قبضہ

بادشاہ یزدجرد دارالحکومت میں موجود تھا۔ یزدجرد مدائن کے دفاع پر کافی زور دے رہا تھا لیکن وہ سمجھ چکا تھا کہ اسلام کا سیلاب آسانی سے نہیں تھم سکتا اور جلد اس کو مدائن سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہونے والی تھی کہ اس کے دادا نے حضور پاکؐ کے خط کو پھاڑ دیا تھا اور حضور پاکؐ نے فرما دیا کہ ایرانی سلطنت اسی طرح پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہ وقت آچکا تھا۔ یزدجرد اپنے خزانہ کو خچروں پر لاد کر حلوان اور باقی پہاڑی علاقوں میں منتقل کر رہا تھا۔

اب مسلمانوں کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ دریا پر کوئی پل نہ تھا اور تمام کشتیاں دوسری طرف تھیں۔ لیکن دریا کی ایک ہی جگہ تھی جہاں سے دریا کو پیدل چل کر یا گھوڑوں پر سوار ہو کر پار کیا جا سکتا تھا۔ حضرت سعدؓ نے خواب میں دیکھا کہ وہ دریائے دجلہ کو پار کر رہے ہیں۔ عظیم صحابی حضرت سلمان فارسیؓ بھی انہی دنوں جناب سعدؓ کے پاس مشیر کے طور پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے غلاموں کے لئے خشکی کو مسخر کر دیا ہے۔ اسی طرح دریا بھی مسخر ہیں۔ لہٰذا سعدؓ کے لشکر نے بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے۔ جیش المقدم کا کام جناب عاصمؓ بن عمرو کر رہے تھے اور ایرانیوں نے جب دریا کی دوسری طرف یہ دیکھا تو ان کی فوج بھی دریا میں کود گئی اور دریا کے بیچ و بیچ لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ عجیب و غریب قسم کی لڑائی شاید دنیا میں پہلی بار ہوئی ہو گی۔ بہرحال حضرت عاصمؓ کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی اور ایرانیوں نے بری طرح مار کھائی۔

اسی دوران بادشاہ یزدجرد نے مدائن چھوڑ دیا۔ دراصل وہ تیار بیٹھا تھا جب اس کو مسلمانوں کے دریا میں کود

جانے کی خبر ملی تو اس نے بھاگنے ہی میں خیریت سمجھی۔ ایرانی فوجوں کو جب یہ پتہ چلا تو وہ بھی دل چھوڑ گئے کہ خواہ مخواہ لڑائی کیوں لڑیں۔ اتنے میں مسلمان دستے کچھ دریا کے پار پہنچ گئے تو اس کنارے سے کشتیاں پکڑ کر مسلمانوں کے لئے دوسری طرف بھجوادیں اور اسلامی لشکر نے جلدی سے دریا پار کر لیا اور اسلامی لشکر ایرانی دارالحکومت میں داخل ہو گیا۔

تعاقب کرنے والی اسلامی فوج بادشاہ کو تو نہ گرفتار کر سکی لیکن اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور قیمتی سامان سے لدے ہوئے خچر اور سونے کی اشرفیوں سے لدے ہوئے ٹٹو سب مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ مال غنیمت اہل لشکر میں بانٹا گیا اور ہر مجاہد کے حصہ میں بے پناہ دولت آئی خمس یعنی پانچواں حصہ اور خاص قسم کی اشیاء کو مدینہ شریف بھیجا گیا جس میں ایک تیس گز لمبا چوڑا قالین بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ پر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو عظیم صحابہ میں بانٹ دیا۔ اس کے ایک ٹکڑے کی قیمت بھی بے بہا تھی۔

مبصرین کے تبصرے

کچھ مبصروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر وہ قالین باقی بچتا تو آج وہ کسی میوزیم کی شان ہوتا۔ یہ افسوسناک پہلو ہے۔ اسلام میں میوزیم اور مادی چیزوں کی نمائش کو پسند نہیں کیا گیا۔ لیکن غیروں کی نقالی میں یہی مال و دولت والی چیزیں آگے چل کر ہمارے زوال کا باعث بنیں اور ایسے ہی مال و دولت نے مسلمانوں کو دنیا میں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ جہاں دولت ہو وہاں شرارت ہوتی ہے اور اسلام قناعت کا دعوے دار ہے اور زندگی میں میانہ روی چاہتا ہے کہیں ہوتا یہ رہا کہ دولت، علم، عقل سب چیزوں کی ریل پیل ہوئی تو ہم زوالِ بغداد سے نہ بچ سکے۔ دولت نے ہمیں کئی دفعہ آسان زندگی کی طرف مائل کیا اور ہمارے اوپر ذلت کی گھڑیاں مسلط کیں۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کسی جگہ مجاہد کھڑے ہوتے تھے اور اللہ کے نام پر تلوار اٹھا کر عزت بحال کر دیتے ہیں۔ اسلام کے لحاظ سے وہ علم جس میں حضور پاکؐ کا عشق اور عسکریت نہ ہو وہ ایک خالی نیام کی طرح ہے اور دولت کے ساتھ محبت، اور موت سے کراہت پیدا کرتا ہے۔ اس فتح کے بعد مسلمانوں نے مدائن میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔

چوبیسواں باب

فتوحات کے اثرات اور جلولہ و تکریت کی لڑائیاں وغیرہ

کسی ملک کے دارالخلافہ پر قبضہ کرنا بڑے دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ دین فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ اہل اسلام جہاں گئے، وہاں چونکہ ملک فتح کرنے کی بجائے وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے تھے، تو اسلام ہر اس جگہ قائم و دائم ہے جہاں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے جا کر اسلام کے جھنڈے گاڑے۔ چنانچہ مدائن پر قبضہ کرنے کے بعد اہل ایران نے اسلام کی آغوش میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی تبلیغ کچھ زیادہ ہی پُر اثر تھی۔ اس لئے کئی ایرانی نومسلم مجاہدوں کی صفوں میں بھی شامل ہو گئے اور مجاہدین اسلام جب باری باری گھروں میں چھٹی جاتے تو تب ہی ہر جگہ لشکرِ اسلام کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

مسلمان کسی ملک میں جا کر کوئی شاہانہ زندگی بسر کرنے کی طرح نہ ڈالتے تھے بلکہ وہاں کا نظام وہاں ہی کے لوگوں کی مدد سے چلاتے تھے اور فوج کو ضرورت کے مطابق الگ جگہوں پر چھاؤنیوں میں رکھتے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ مدائن پر قبضہ کے بعد پہلی ضرورت یہ تھی کہ دارالخلافہ کے گرد و نواح کے علاقہ میں کافی دور دور تک ایرانی مخالفت کا صفایا کیا جائے۔ مدائن پر قبضہ کے بعد میں جلولہ، تکریت اور موصل[1] تھے۔ جہاں پر ایرانی فوج ابھی کافی تھی۔ دوسری طرف وسطی ایران میں ہمدان، قم، نہاوند اور رے[2] وغیرہ کے علاقے تھے۔ جنوب میں ڈیلٹا یا اہواز اور خرستان[3] کا علاقہ تھا۔

ایران پر مکمل قبضہ کے لئے ان علاقوں میں دشمن کی مکمل سرکوبی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے شمالی علاقوں کے دشمن کی سرکوبی کی گئی۔ اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ ایران اور روم کے حکام مل کر مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

---

(۱) ان مقامات کے محل وقوع کے لئے پندرھویں نقشے (نقشہ پانزدہم) سے استفادہ کریں۔

(۲) نقشہ سہ ازدہم اور پانزدہم (۳) نقشہ دوازدہم

جیسا کہ الفراض کے مقام پر جناب خالدؓ کے خلاف ایرانی اور رومی لشکر متحد ہو گئے تھے اس لئے جناب سعدؓ نے اپنے بھتیجے ہاشمؓ بن عتبہ کے ماتحت بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور ان کو جلولہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔

جلولہ کی جنگ

جلولہ دریائے دجلہ کے کنارے مدائن کے شمال میں واقع ہے۔ ایرانیوں نے جلولہ کے مقام کا بہتر دفاع کیا ہوا تھا۔ شہر سے ایک میل آگے ایک خندق کھودی ہوئی تھی۔ خندق کے ایک طرف دریا تھا اور اسے پانی سے بھر لیا تھا۔ اس کی دوسری طرف دلدل تھی۔ جگہ جگہ پھندے، کنڈیاں اور داؤ لگے ہوئے تھے۔ اس لئے جناب ہاشمؓ اس شہر کو جلد فتح نہ کر سکے۔ ایرانی فوج کی کمانڈ مہران کے ہاتھ میں تھی۔ یہ وہی مہران تھا جس نے مسلمانوں کی مدائن میں پیش قدمی روکنے میں بھی کام کیا اور مدائن کے دفاع میں بھی رستم کے بھائی کا ساتھ دیا۔ یزدجرد حلوان سے مہران کو ہر طرح کی کمک بھیج رہا تھا تاکہ مسلمان لشکر جلولہ کا محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں۔ یہ جنگ طوالت کے لحاظ سے تمام جنگوں پر سبقت لے گئی اور پورے چھ ماہ مسلمان جلولہ کے ایک طرف صف بند رہے بلکہ ان چھ ماہ میں ایرانیوں نے کئی دفعہ خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر [illegible] بھی کئے جن کی تعداد کئی مبصرین نے سو کے قریب بھی بتائی ہے لیکن یہ زیادتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ [illegible] ہر دوسرے روز حملہ کرتے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ اسلامی لشکر میں تجربہ کار امرا کی کمی تھی۔ جناب قعقاعؓ کے بغیر کوئی نامور کمانڈر موجود نہ تھا۔ قیسؓ بن ہبیرہ، طلیحہؓ اور عمروؓ بن معدیکرب چھٹی گئے ہوئے تھے اور کافی دیر کے بعد جلولہ پہنچے۔

اور ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ ایرانی اتنے باہمت ہو گئے تھے کہ اس طرح حملے کرتے۔ دراصل مسلمان تاڑ چکے تھے کہ ایرانی شہر کو سر کرنا مشکل کام ہے اور جلولہ کی قدرتی اور بناوٹی دفاع کو کچھ اس طرح شیر و شکر کر دیا گیا تھا، کہ اس کو سر کرنے کے لئے بے پناہ وقت کی ضرورت تھی، کہ جلولہ دریا کے کنارے ایک اہم مقام تھا۔

ویسے حکمت عملی کے لحاظ سے یہ کوئی اہم مقام نہ تھا لیکن وہاں پر اتنی زیادہ ایرانی فوج کو چھوڑ کر آگے تکریت یا موصل کی طرف پیش قدمی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں مسلمان لشکر والے ایرانیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ وہ باہر نکلیں۔ مسلمانوں نے کئی دفعہ کمزوری کا اظہار بھی کیا۔ مسلمان ایک بڑی "کنڈی" اور داؤ لگا کر ایرانیوں کو پھانسنا چاہتے تھے۔ مسلمان اس دن کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے جس دن زیادہ سے زیادہ ایرانی باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔

آخر ایرانی اس حوصلہ افزائی کے چکر میں آ گئے اور باہر نکل کر پورے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا حضرت ہاشمؓ تیار تھے اور انہوں نے ایرانیوں کے ساتھ وہی کیا جو خالدؓ ایرانیوں کے ساتھ ولجہ کے مقام پر کر چکے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ولجہ کے مقام پر حرکت کی گنجائش تھی اور پیچھے جانے کی کارروائی چھپ کر کی گئی۔ رسالہ کا استعمال کیا اور کارروائی دونوں بازوؤں پر کی گئی۔ یہاں پر چھاتی کے زور سے آگے بڑھ کر صرف یک بازو پر پیدل دستوں کی مدد سے کارروائی کر کے دشمن کو گھیرے میں لے لیا گیا اور اس کا سہرا جناب قعقاعؓ کے سر ہے۔ سامنے سے جناب ہاشمؓ نے بھرپور حملہ کیا۔ جنگ قادسیہ کے چوتھے دن کی لڑائی کی طرح یہاں پھر اللہ تعالیٰ نے آندھی سے مسلمانوں کی مدد کی کہ ایرانیوں کے سامنے سے آندھی چلنے لگی۔ ایرانی فوج ضرور بہادری سے لڑی اور گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن ایرانیوں کے پاس پسپائی کے بغیر چارہ نہ تھا اور ایسی پسپائی اب قلعہ کے اندر کر کے بھی کوئی افادیت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے میدانِ جنگ سے تتر بتر ہو جانے کو ترجیح دی اور جو بچ گئے۔ انہوں نے حلوان وغیرہ کی راہ لی۔ بہر اِن بھی فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ طبری نے اس جنگ میں دشمن کا نقصان ایک لاکھ بتایا ہے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس یا تیس ہزار ہو سکتی ہے۔

اس لئے لاکھ والی بات تو بے شمار کیلئے ہے۔ ممکن ہے آدھا دشمن کھیت رہا ہو۔ فوجی اور عسکری نقطۂ نظر سے یہ جنگ ہنی بالؔ کی کنائی (CANNAE) کی جنگ سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا اور دولت کی ریل پیل ہو گئی اور یہی دولت کچھ نزول کے بعد مسلمانوں کی حرکت میں ٹھہراؤ پیدا کر دے گی لیکن یہ چیز تیسری اور چوتھی کتاب میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ دولت حب الدنیا اور کراہت الموت کی بنیاد بنتی ہے اور اسی سے آقاؐ کو یہی فکر تھا۔

ؔ ہنی بال واحد غیر یورپین جنرل ہے جس کی فوجی بصیرت کو یورپ کے عسکری تاریخ کے مبصروں نے کچھ مقام دیا ہے۔ آپ کا تعلق موجودہ ٹیونس سے تھا اور قبل از مسیح اہل روم کے ساتھ کافی جنگیں لڑیں۔ یورپ والوں کی اسی "فراخدلی" کے پیچھے اہل روم کے ساتھ ان کی اپنی کدورتیں ہیں۔

تکریت اور موصل پر چڑھائی

جلولہ سے شمال کی طرف تکریت اور موصل کے علاقوں میں بھی ایرانی افواج موجود تھیں بلکہ موصل کا ایرانی کمانڈر اب تک کسی اور دنیا میں رہ رہا تھا اور اپنی طاقت پر اُسے کچھ زیادہ ہی بھروسہ تھا کہ اس نے موصل سے نکل کر تکریت پہنچ کر وہاں سے مسلمانوں پر یلغار کرنے کی تجویز بنائی۔ حضرت سعدؓ نے جناب عبداللہؓ بن معتم کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس ایرانی کمانڈر کا نام عیتق تھا اور تکریت سے کچھ عرب قبائل خاص کر بنو تغلب وغیرہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لیکن حالات تبدیل ہو رہے تھے اور جب عرب قبائل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے خفیہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ پیام رسانی شروع کر کے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ اور اس طرح سے یہ ایرانی کوشش بہت جلد خس و خاشاک ہو گئی اور پوری ایرانی فوج کو گھیرے میں لے کر تہس نہس کر دیا گیا۔ جناب عبداللہؓ نے پہلے تو جناب ربعیؓ کے ماتحت ایک دستہ کو موصل بھیج دیا لیکن بھرپور لشکر کو لے کر آپ نے از خود موصل تک حربی مظاہرہ کیا اور موصل تک کے علاقوں کو مسلمانوں نے اپنی باجگذاری میں لے لیا۔

متعدد کاروائیاں

حضرت سعدؓ نے مسلمان فوجیوں کے کئی دستے بنا کر دیگر اطراف میں بھی بھیجے۔ شمالی علاقوں کے علاوہ نزدیک کے وسطی علاقوں اور ساتھ کے پہاڑی علاقوں میں بھی کچھ دستے حربی مظاہروں کے لئے بھیجے گئے۔ یہ دستے خانقین، قصر شیریں اور حلوان کے علاقوں تک گئے۔ وہاں پر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی اور کئی جھڑپیں بھی ہوئیں اور ایسی ہی ایک جھڑپ میں قادسیہ، مدائن اور جلولہ کا بھگوڑا جنرل مہران بھی ہلاک ہو گیا۔ یہ کاروائیاں اس سلسلہ کی کڑیاں تھیں کہ جناب سعدؓ یزدجرد کا پیچھا کر کے ایرانی شہنشاہیت کو پاش پاش کر دینا چاہتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کاروائیوں کو محدود کرنے کے احکام دیئے، ان کے خیال کے مطابق اس کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ عراق کے جتنے علاقہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس کے سولین نظم و نسق کو بحال کرنے کی ضرورت تھی اور اسے فوجی طور پر مضبوط کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ کے تجزیہ کو پیش کرنے سے پہلے ایک اور دلچسپ بیان ضروری ہے۔

قصرِ شیریں

مسلمان اب قصرِ شیریں تک پہنچ گئے تھے۔ شیریں اور فرہاد کا قصہ ہمارے علاقہ کی لوک کہانیوں میں مشہور ہے اور شیریں کے وجود کا تو تاریخی ثبوت موجود ہے کہ وہ یزدجرد کی دادی تھی اور خسرو پرویز کی تین ہزار بیگمات میں سے بڑی چہیتی تھی۔ اس نے یزدجرد کے باپ کی اپنے خاوند سے چوری اور خفیہ طور پر شادی کرا دی تھی کہ یزدجرد گمنامی میں پیدا ہوا۔ اس ملکہ کا محل ہی قصرِ شیریں کے نام سے مشہور ہوا اور بادشاہ نے اس کو سردیوں کے لئے بنوا کر دیا تھا۔ اس محل کی تعمیر کے وقت نوجوان انجینیر فرہاد کی نظر شیریں پر پڑ گئی اور لٹو ہو گیا۔ شیریں نے بھی آگے سے کچھ محبت کا اظہار کیا اور بادشاہ کی اجازت سے فرہاد کو ایک بڑی چٹان پھاڑ کر محل میں پانی پہنچانے کا کام سونپا گیا کہ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو شیریں اس کو مل جائے گی۔ فرہاد چٹان کو پھاڑنے میں تو کامیاب رہا لیکن شیریں کو حاصل نہ کر سکا کہ اس کا وہی حشر ہوا جو ہر "عاشق" یا پتنگ کا ہوتا ہے لیکن تاریخی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیریں نے بھی عاشق کے ساتھ ہمدردی میں جان دے دی۔ اس لئے کئی لوگ فرہاد کے وجود کے بارے میں بھی شک کرتے ہیں اور پورے واقعہ کو بناوٹی کہانی کا نام دیتے ہیں۔ پرانے ادب میں ایسی قصہ گوئیوں کے لئے جگہ اور زمانے یا کسی ایک آدھی تاریخی شخصیت کو قصہ میں ضرور شامل کیا جاتا تھا کہ کہانی سچی نظر آئے۔ اسلام اسی وجہ سے قصہ گوئی کے خلاف ہے کہ اس میں جھوٹ ہوتا ہے اور ہم ہیں کہ عورت اور مرد کے عشق کی ہر کہانی پر لٹو ہو رہے ہیں۔ خواہ یہ کہانی عرب سے لیلیٰ مجنوں کی ہو یا ایران سے شیریں فرہاد کی۔ بلکہ کسی عاشق کو بلخ و بخارا سے چناب کے کنارے لے آئے ہیں اور کسی کو ستیاں سے سندھ کے ریگستانوں میں اور اپنے ہیر رانجھا میں غیر تمند کیدو کی جس طرح مٹی پلید کی ہے اور اسلامی معاشرے کا مذاق اڑایا ہے تو توبہ بھلی ہے۔

"ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ۔ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار" اقبال

حضرت عمرؓ کا تجزیہ

جناب فاروقِ اعظمؓ ان وسیع علاقوں کی فتوحات کی وجہ سے بہت مصروف تھے۔ فتوحاتِ شام

اور ایران دونوں ملکوں میں ہو رہی تھیں۔ اول زبان کا مسئلہ تھا اور ان کے خیال کے مطابق عالم اسلام کی زبان عربی ہونا چاہیئے تھی کہ وحدت فکر میں آسانی ہے۔ مغرب میں یہ معاملہ کافی کامیاب رہا جس کا ذکر تیسری کتاب میں ہے۔ مشرق میں کامیاب ہونے کے بعد عباسیوں، مسلم خراسانی اور برمکیوں نے اس چیز کو ختم کیا اور رہی سہی کسر منگولوں کے زمانے میں نکل گئی۔ اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ ورنہ لسانی وحدت بھی بڑی کام کی چیز ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ زر اور زمین کا تھا۔ بلکہ زن کا بھی تھا۔ زن کے معاملہ میں اسلام میں سختی نہ تھی اور مجاہدین نے غیر ملکوں میں شادیاں کیں اور گو خلیفہ دوم نے اس سلسلہ میں کوئی بندش کے احکام نہ دیئے لیکن اس کی کثرت کو پسند نہ فرمایا، آپ اس کام کو آہستہ آہستہ کرنے کے حق میں تھے۔ آپ کو ڈر یہ تھا کہ غیروں کے ساتھ زیادہ شادیوں سے غیروں کے باطل فلسفہ کے معاشرتی رسم و رواج مسلمانوں کے تمدن میں داخل ہو جائیں گے اور آگے یہی ہوا کہ مسلمانوں نے غیروں کے تمدن کو اپنا لیا بلکہ اکبر بادشاہ جیسے لوگ آدھے ہندو ہو گئے اور پھر کافر ہو کر مرے۔

زر و زمین والا مسئلہ بھی اہم تھا کہ مجاہدین نے جائیدادیں حاصل کر کے زرخیز علاقوں میں بڑھنا شروع کر دیا اور دولت کی ریل پیل نے جہاد کے ولولہ اور جذبہ میں کمی پیدا کرنا شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن یہ بڑے مشکل مسائل تھے اور صحابہ کرامؓ میں بھی کئی ایسے تھے جو ان معاملات کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ جیسے عظیم صحابہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن باقی عظیم صحابہؓ میں سے کئی ایک رزق حلال کی زیادتی کو کوئی غلط بات نہ سمجھتے تھے اور اصولی طور پر تو بات صحیح ہے۔ لیکن اس کے اثرات میں شاید بہت لوگ نہ گئے۔ پھر دولت کی ریل پیل کی یہ حالت ہو گئی کہ صدقہ یا خیرات لینے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔

ان تمام معاملات کے بارے خلیفہ دوم نے ہدایات جاری کیں کہ یہ چیزیں ہمارے مقصد زندگی کو خراب نہ کریں اور فوری طور پر فوجی چھاؤنیاں بنانے کے احکامات جاری کئے کہ مجاہدین ذرا الگ تھلگ رہیں۔ گو اسلام کے لحاظ سے پوری قوم اللہ کی فوج ہے لیکن ساری باجگذار رعایا اس وقت تک ابھی اللہ کی فوج نہ تھی اس لئے مجاہدین کو الگ رکھنا ضروری تھا اور پھر اتنی بڑی حکومت کے لئے پیشہ ور فوج کی بھی ضرورت تھی۔

حضرت سعدؓ نے پہلے انبار کو چھاؤنی بنایا لیکن وہاں مکھیوں کی زیادتی کی وجہ سے مجاہدین تنگ آ گئے اور آخر

بوڑھے عبدالمسیح بن بقیلہ جو جناب شویلؓ والی کرامہ کے والد تھے اس کے مشورہ سے کوفہ کو چھاؤنی بنایا جنوبی علاقوں میں ابلہ سے آگے بصرہ کو چھاؤنی بنایا گیا۔ کیونکہ وسطی ایران میں کسی کاروائی سے پہلے خلیفہ دوم جنوبی علاقوں پر مسلمانوں کے تسلط کو مضبوط کرنا چاہتے تھے کہ اب ان علاقوں کی اہمیت مسلمانوں کو بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ایرانی بادشاہت کا باہر کے ملکوں سے مکمل طور پر رابطہ توڑ دیا جائے اور ہمارا اگلا باب انہی علاقوں کی مہمات کے بارے ہے۔

نتائج واسباق

۱۔ نتائج حکمت عمل کی تجاویز کے مطابق عیاں ہوئے۔ شمالی علاقوں پر قبضہ کرکے ایران اور ملک شام کے درمیانی علاقوں پر مسلمان چھا گئے۔

۲۔ سویلین نظم ونسق اور فوجی نظام کو بہتر بنایا گیا اور چھاؤنیوں کی بنیاد ڈالی گئی۔

۳۔ جنوبی علاقوں کو اسلام کی آغوش میں لانے کے لئے حکمت عمل تعین کی گئی۔

۴۔ وسطی علاقوں میں محدود حربی مظاہرے جاری رکھے گئے اور ابھی ایرانی شہنشاہیت کے مکمل خاتمہ کے وقت کا تعین باقی تھا۔

۵۔ اسباق عیاں ہیں کہ دل کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری ۔۔۔ مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک ۔۔۔ نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اقبالؒ

پچیسواں باب

خوزستان اور فارس کے صوبوں کی مہمات

ایران اور عراق کی سرحد پر اہواز کا نام اکثر سننے میں آتا ہے۔ اس کے ارد گرد کے علاقہ کو صوبہ خوزستان یا صوبہ اہواز کہا جاتا ہے اور یہاں سے جنوب کی طرف خلیج فارس کے ساتھ ساتھ صوبہ فارس ہے۔ نقشہ دوازدہم دیکھیں کہ اس علاقہ کا یہ ایک خاکہ ہے۔ ہمارے پرانے مؤرخین اور مبصرین نے اس علاقہ کی اسلامی لشکروں کی مہمات کو ایک دوسرے کے بیچ ملا دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکروں کے کئی امیر ہوئے جنہوں نے محدود علاقوں میں پیش قدمی کی یا حربی مظاہرے کئے۔ یہ کاروائیاں مدینہ شریف سے سیدھے احکام کے طور پر خود مختار طور پر کی گئیں اور عراق و ایران کے سپہ سالار کے احکام کے تحت بھی کاروائیاں محدود ہوتی تھیں کہ حکمت عملی کے تحت اس علاقہ کی باری دیر میں آئی۔ گو واسطہ جنگ کاظمہ کے بعد ہی پڑ گیا تھا۔ اس لئے معاملات لمبے ہو گئے زمین مسلمانوں کو فوجی لحاظ سے پسند نہ تھی۔ ڈیلٹا، جگہ جگہ ندیاں، سمندر، پانی، کیچڑ اور دلدل وغیرہ ۔ اس لئے معاملات ہر طرح سے محدود رہے اور طول پکڑتے رہے۔ پچھلے تمام بیانات میں سرسری طور پر اس علاقہ کے بارے ہم اشارہ کرتے آئے ہیں۔ اب مختصر طور پر تمام واقعات کو مہمات کے نام دے کر آپ کے سامنے کس ترتیب اور سلسلہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

پہلی مہم

کاظمہ کی جنگ سے پہلے اور بعد بھی ابلہ اور بصرہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ آٹھویں باب میں ذکر ہے کہ ایک گشتی دستہ جناب معقلؓ بن مقرنؓ کے تحت ابلہ کی طرف بھیجا گیا۔ پھر نویں باب میں ذکر ہے کہ جناب سویدؓ بن مقرنؓ کو ان علاقوں کا فوجی گورنر بنا کر حفیر کے مقام پر تعینات کیا گیا۔ لیکن ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ حیرہ کی طرف پیش قدمی کی تو اس علاقہ سے اپنے عاملوں کو واپس بلا لیا گیا تھا کہ اتنے بڑے علاقہ کا انتظام ان حالات میں سنبھالنا مشکل تھا۔ در اصل یہ پہلو پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے۔ یہ

علاقے گو ایرانیوں کے لئے اہم تھے لیکن مسلمانوں کے لئے اس وقت تک اتنے اہم نہ تھے اور نباج سے حفیر والے راستے کے بجائے مسلمان نباج سے زرود اور شراف کے راستے سیدھے حیرہ پہنچ جاتے تھے۔

بے شک یہ علاقے مسلمانوں کی سرحد کے نزدیک تھے لیکن مسلمان بین الاقوامی طور پر سمندروں میں داخل نہ ہوئے تھے اور اس وقت تک ان کے لئے سمندروں کے کنٹرول میں اُلجھ جانا ٹھیک بھی نہ تھا۔ دوم ان علاقوں کی زمین کے بارے اوپر تجزیہ کر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے فوجی لحاظ سے ناپسندیدہ تھی۔ سوم ان علاقوں میں ایرانی رؤسا کی جاگیریں تھیں اور ہر جگہ ذاتی مفاد کے تحت مسلمانوں کے ساتھ سخت مقابلہ ہوتا اور بادشاہت اس وقت تک قائم تھی وہ ان جاگیرداروں کی خوب امداد بھی مہیا ہو رہی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی یہ حکمت عملی تھی کہ پہلے ایرانی حکومت اور اس کی فوج کے بڑے حصے کو برباد کیا جائے اور صرف ان علاقوں پر قبضہ رکھا جائے جو اس سلسلہ میں مددگار ہوں۔ ان علاقوں پر قبضہ سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے پہلی مہم کے بعد ان علاقوں میں معاملات کو "دیکھ بھال" تک محدود رکھا گیا۔

دوسری مہم

لیکن مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اس علاقے سے مکمل طور پر بے فکر ہو جانے کے بڑے نقصانات تھے۔ ایرانی اس طرف سے کوئی بڑی پیش قدمی کر کے مسلمانوں کے ذرائع آمد و رفت میں خلل ڈالتے۔ گو مسلمانوں کی "بندوبستی دَم" نہیں ہوتی تھی لیکن عارضی طور پر ایرانی کچھ خلل انداز ہو سکتے تھے۔ اس لئے جن دنوں خلیفہ دوم نے حضرت ابوعبیدؓ کو جناب مثنیٰؓ کی جگہ عراق کا سپہ سالار مقرر کیا۔ انہی دنوں جناب عتبہؓ بن غزوان کو دو ہزار کے لشکر کے ساتھ ابلہ کے علاقہ میں بھیجا گیا کہ وہاں یہ گشتی کارروائیاں اور حربی مظاہرے جاری رکھے جائیں لیکن حضرت ابوعبیدؓ کی شہادت کے بعد جب عراق کی سپہ سالاری جناب سعدؓ کو سونپی گئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ کو حکم دیا کہ سات یا آٹھ سو سواروں کا دستہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے ماتحت جناب سعدؓ کی مدد کو بھیجیں اور خود اپنے علاقہ کی مہمات کو محدود رکھیں یعنی حربی مظاہرے یا دیکھ بھال سے آگے نہ بڑھائیں۔ اس چیز کا ذکر پچھلے ابواب میں جناب سعدؓ کو کمک کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے اور اس وجہ سے دوسری مہم بھی محدود ہو گئی۔

صفحہ ۲۹۰ ا

نقشہ دوازدہم۔
جنوبی علاقے۔ فارس اور خوزستان کے صوبے

سکیل — RF ۱/۴,۰۰۰,۰۰۰
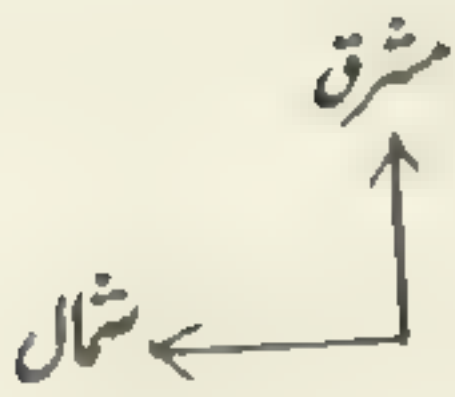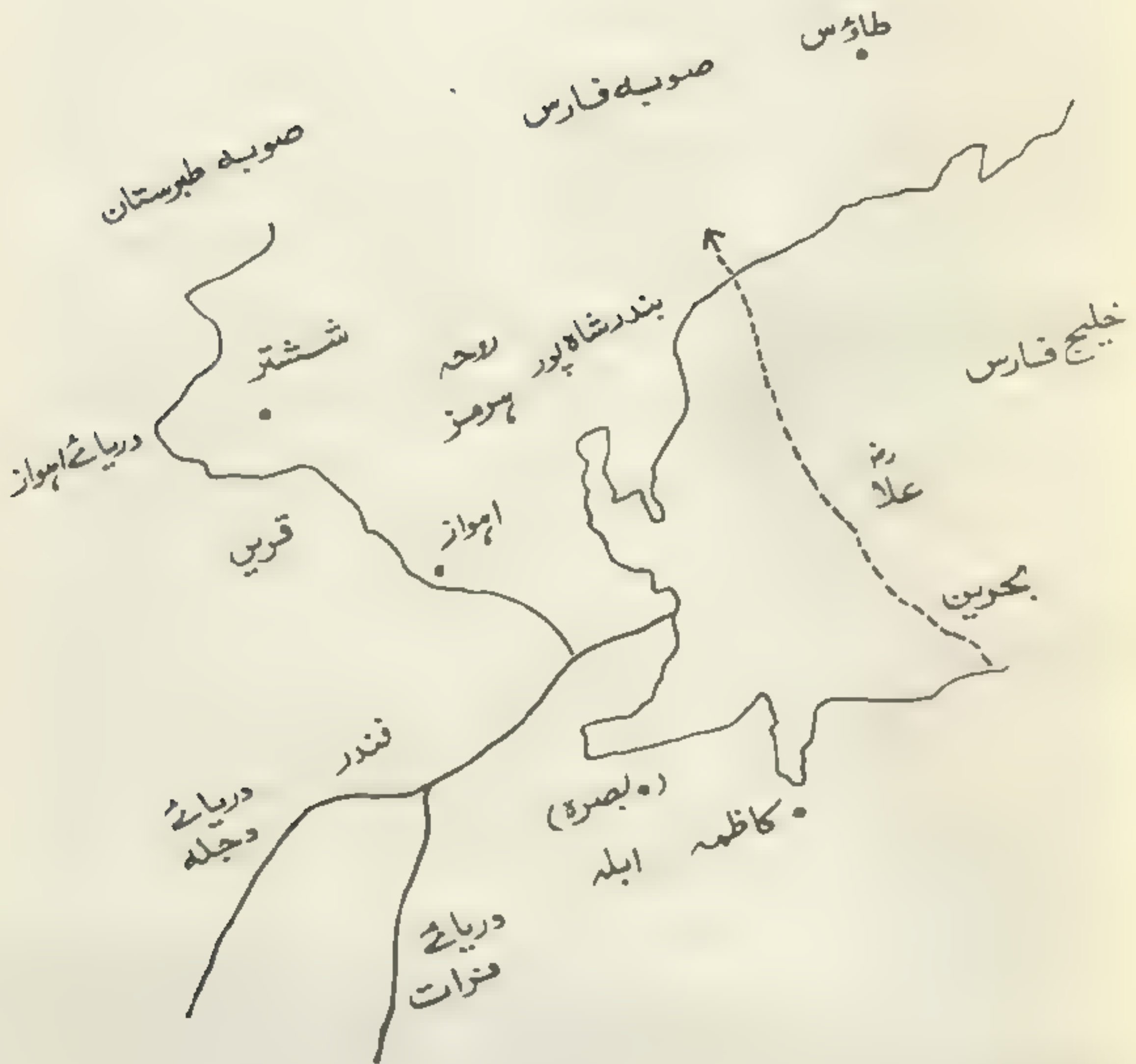
تیسری مہم

مدائن کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو آٹھ سو سواروں سمیت ابلہ کے علاقہ میں جناب عتبہؓ بن غزوان کے پاس واپس بھیج دیں۔ ہمارے کئی مبصر یہاں پر جناب مغیرہؓ کی بجائے حضرت عتبہؓ کو آٹھ سو سواروں کا کمانڈر لکھ گئے جس نے معاملات کو اور گڈمڈ کر دیا۔ لیکن ہمارا تجزیہ یہ ہے اور مختلف مؤرخین کے بیان کی چھان بین کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت عتبہؓ کو نومسلم قبائل سے اور مجاہدین کی بھرتی کا حکم بھی ملا اور جناب مغیرہؓ کے سواروں کو ملا کر ان کے پاس چھ ہزار کا لشکر ہو گیا اور انہوں نے خلیفہ کے حکم پر آگے پیش قدمی کی۔ آگے سے مقابلہ ہرمزان سے ہوا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جب مسلمان مدائن کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ کہ بابل کے مقام پر جو جھڑپ ہوئی تو قادسیہ کی جنگ کا بھگوڑا ہرمزان بابل کے مقام سے بھاگ کر خوزستان چلا گیا۔ اس علاقے میں اس کی جائیداد تھی۔ اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکا لیکن ہر مقام پر شکست کھائی اور مسلمانوں نے دونوں دریاؤں دجلہ اور فرات کے سنگم تک کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں یزدجرد دارالخلافہ چھوڑ چکا تھا اور ایرانی جنرل کچھ خود مختار تھے۔ اس لئے ہرمزان نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔ مسلمان خود ابھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ زیادہ آگے پیش قدمی کرتے۔

چوتھی مہم

اس علاقے کی چوتھی مہم کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ کسی حکمت عملی کا نتیجہ تھی یا جناب علاءؓ بن الحضرمی کی ذاتی تجویز یا خواہش کے تحت ہوئی۔ بہرحال اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ جناب علاءؓ بھی کسی کامیابی کے خواہشمند تھے اور یہ ان کی اپنی تجویز تھی۔ جناب علاءؓ حضور پاکؐ کے زمانے سے بحرین کے عامل تھے اور اس کا ذکر جلالِ مصطفٰیؐ میں موجود ہے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت جناب علاءؓ بھی مدینہ میں تھے۔ دوسرے اور چوتھے باب میں جناب علاءؓ کی بحرین کی مہم کے لئے نامزدگی اور کارروائی کو مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سعدؓ کی کامیابیوں کو سن کر جناب علاءؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ وہ بھی کچھ علاقے فتح کریں اور انہوں نے سمندری راستہ سے صوبہ فارس پر حملہ کی تجویز

بنائی جس کی نشاندہی نقشہ دو ازدہم پر کردی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ اس وقت تک کسی سمندری جنگ کے حق میں نہ تھے۔ جس کو مؤرخین نے غلط رنگ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ سمندری جنگ سے نفرت کرتے تھے اور ان کو کراہیت تھی وغیرہ۔ یہ سب اضافی باتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ پہلے سمندر کو سمجھا جائے، اس کو استعمال کرنے کا طریقہ سیکھا جائے۔ تو پھر سمندری جنگ کے بارے سوچا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسلام کو خشکی تک کیسے محدود کر سکتے تھے لیکن ان کے لحاظ سے وہ وقت اس کام کے لئے یعنی سمندری جنگ کے لئے موزوں نہ تھا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علاؓ کی یہ کارروائی خلیفہ دوم کی اجازت کے بغیر تھی۔

بہر حال جناب علاؓ نے بحرین کے نزدیک کے ساحل سے پار علاقوں کے نومسلم عرب قبائل کو شامل کر کے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ بحرین اور کچھ ساحل علاقوں کے لوگ سمندر میں کشتیوں کو چلانے کے کام سے واقف تھے اور خلیج فارس میں تو ہر طرح کی کشتیاں آسانی سے چلتی تھیں۔ پانی میں کافی ٹھہراؤ تھا یا اس موسم میں ٹھہراؤ تھا۔ چنانچہ تینوں لشکر صوبہ فارس میں کشتیوں کے ذریعے سے طاؤس کے علاقے میں اتر گئے لیکن ایرانی چوکنے تھے اور سمندری جنگ کو سمجھتے تھے۔ ساحلی علاقوں کی جنگ کو بھی وہ زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ اس لئے اسلامی لشکر کے تینوں دستوں کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ دو لشکروں کے سردار اور ان کے لڑکے بھی جنگوں اور جھڑپوں میں شہید ہو گئے۔ اب مسلمان مجاہدین ان علاقوں میں پھنس کر رہ گئے۔ انہوں نے ہتھیار تو نہ ڈالے لیکن جنگلوں اور بیابانوں میں گذارا کرنا شروع کر دیا کیونکہ ساحل پر ایرانیوں کا کنٹرول تھا۔ یہ مجاہدین واپس بحرین بھی نہیں جا سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ردِ عمل اور پانچویں مہم

حضرت عمرؓ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے جناب علاؓ کو معزول کر دیا لیکن ساتھ ہی حضرت عتبہؓ بن غزوان کو حکم دیا کہ خشکی کے راستے سے آگے بڑھ کر ان مسلمانوں کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور ان سب علاقوں کو اسلام کی علمبرداری میں شامل کریں۔ خلیفہ دوم کے حکم پر حضرت سعدؓ نے عتبہؓ کی امداد کے لئے جناب نعمانؓ بن مقرنؓ کے ماتحت ایک دستہ فوج کا بھیجا اور مدینہ سے حضرت سلمہؓ کے ماتحت بھی ایک دستہ آچکا تھا۔ جناب عتبہؓ نے آگے پیش قدمی کی اور ہرمزان کے لشکروں کو کئی مقامات پر شکست دی اور ہرمزان ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح کر چکا تھا اور اپنے آپ کو اس علاقہ کا خود مختار حاکم کہتا تھا لیکن اندرونی طور پر وہ یزدجرد سے ملا ہوا تھا اور وہاں سے کمک حاصل

کرتا رہتا تھا۔ ان حالات میں حضرت عتبہؓ اگر اور زیادہ آگے بڑھتے تو خطرہ یہ تھا کہ ہرمزان ان کے پچھلی طرف کے راستوں کو مسدود کر دیتا اور یہ لشکر بھی گھیرے میں آ جاتے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ سے اور مدد مانگی انہوں نے جناب عاصمؓ بن عمرو کے ماتحت ایک لشکر جناب عتبہؓ کی مدد کے لیے بھیجا۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد دس بارہ ہزار کے قریب ہو گئی۔ جناب عتبہؓ نے خود چند دستوں کے ساتھ بائیں جانب کے علاقوں کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی اور جناب ابو رحمؓ کو ایک لشکر کے ساتھ سمندر کے ساتھ ساتھ آگے روانہ کیا اور ان مجاہدین کو ایرانیوں کے گھیرے سے نکالا گیا۔ بہرحال اس طرح ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن شمال کی طرف ابھی خوزستان اور فارس کے کافی علاقوں پر ایرانیوں کا ہی قبضہ تھا۔

چھٹی مہم

کچھ عرصہ بعد حضرت عتبہؓ حج سے واپس آتے وقت اونٹ سے گر کر زخمی ہو گئے اور بعد میں وفات پا گئے اور جناب فاروقِ اعظمؓ نے جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا اور آپ نے اس محاذ کے حربی مظاہروں میں اور جان ڈال دی لیکن جناب مغیرہؓ کے خلاف ایک زنا کا مقدمہ دائر ہو گیا جس کا فیصلہ خلیفہ دوم نے کرنا تھا۔ جناب مغیرہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ جاری حد رکھتے ہوئے آپ نے اسّی کے قریب شادیاں کیں۔ آپ زیادہ وجیہ تو نہ تھے لیکن ان کی شخصیت میں عورتوں کے لئے بے حد جاذبیت تھی۔ اس لئے ایک دفعہ کچھ مخالفین کو غلط فہمی ہوئی یا کچھ بات تھی کہ انہوں نے مقدمہ کر دیا کہ فلاں عورت بھی جناب مغیرہؓ کے بالاخانے میں اس حالت میں دیکھی گئی۔ چار گواہوں میں زیاد ابن سمیہ بھی تھا۔ جس کا آگے چوتھی کتاب میں ذکر آئے گا۔ اس نے عورت کی پہچان کے بارے شکوک ظاہر کئے تو جناب مغیرہؓ کافی عرصہ کے بعد اس مقدمہ سے بری ہوئے۔

آپ کی جگہ جناب ابو موسیٰؓ[۱] اشعری کو بصرہ کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں ہرمزان نے ایک صلح نامے کو توڑ کر مسلمانوں کو دکھ پہنچایا تو جناب ابو موسیٰؓ نے آگے بڑھ کر اہواز پر قبضہ کر لیا۔ اور ایرانیوں کو شکست دی اور وہ بھاگ گئے۔ ہرمزان بھی بھگوڑا ہو گیا اور جناب ابو موسیٰؓ نے دور دور

۱۔ جناب ابو موسیٰ اشعریؓ عظیم صحابی ہیں۔ جلال مصطفےٰؐ میں کثرت کے ساتھ آپ کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں آگے اور تیسری و چوتھی جلد میں بھی آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔

تک تعاقب کیا۔ مسلمانوں نے ان سب علاقوں کو بصرہ کے صوبہ کا حصہ بنا لیا اور موجودہ صوبہ خوزستان
پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور مسلمانوں نے علاقہ میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کر دیں اور تمام امن و امان ہو گیا
اس کے بعد اضافی یا فالتو لشکر کو لے کر جناب نعمانؓ بن مقرنؓ کوفہ چلے گئے۔

کوفہ میں تبدیلیاں اور ساتویں مہم

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ سے تنگ آ کر ایک دفعہ فرمایا تھا کہ عجیب لوگ ہیں۔ جب کہ ان پر کوئی
مضبوط آدمی مقرر کرتا ہوں تو اس کے خلاف دروغگوئی شروع کر دیتے ہیں اور جب کسی معتدل اور نیک
آدمی کو ان پر مقرر کرتا ہوں تو اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس لئے ان چند سالوں میں حضرت عمرؓ
کوفہ میں کئی تبدیلیاں کیں لیکن یہ معاملات مکمل طور پر قابو میں نہ آ سکے اور واقعہ کربلا تک بلکہ اس سے
کئی سال بعد بھی کوفہ میں کوئی نہ کوئی سازش جنم لیتی رہی۔ یہاں پر ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے صرف
اشارہ کافی ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی بددعا ہے کہ انہوں نے
جناب سعدؓ جیسے بزرگ صحابی کو بھی معاف نہ کیا اور ان کے خلاف الزام لگائے۔ خلیفہ وقت نے ان
کی جگہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو مقرر کیا جو بڑے معتدل اور چوٹی کے صحابی تھے لیکن اہل کوفہ ان کو خاطر
میں نہ لاتے تھے اور فتنہ و فساد کرتے رہے۔ حضرت عمارؓ کچھ عرصہ کے لئے خوزستان کی مہم پر چلے گئے
تو ان کے نائب جناب عبداللہؓ بن مسعود کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا۔ ان ہی دنوں جناب مغیرہؓ بن شعبہ
کے خلاف الزامات ثابت نہ ہوئے تو پھر ان کو کوفہ کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین اور مبصرین
نے ان تبدیلیوں کی آڑ میں ان سب عظیم صحابہ کرام کے واقعات کے جائزے لے کر جو الفاظ استعمال
کئے ہیں ایسی ہمت اللہ تعالیٰ ہماری قلم کو کبھی بھی نہ دے۔ ہمارے لئے سب صحابہ کرام بہت
عظیم ہیں۔

۱؎ جناب عبداللہؓ بن مسعود اور عمارؓ بن یاسرؓ ان خوش نصیبوں میں ہیں جو مکہ کے اولین مسلمانوں میں
شامل ہیں اور اسلام لانے کی وجہ سے بڑی مصیبتیں سہیں۔ عمارؓ ان کے والدؓ اور ان کی والدہؓ سب نے اسلام
کے لئے تکلیفات برداشت کیں۔ عبداللہؓ بن مسعود اسلام کے عظیم عالم اور حنفی فقہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں
آپ کا ذکر جلال مصطفےٰ میں کئی جگہ پر ہے۔

بہر حال جن دنوں میں جناب عمارؓ بن یاسرؓ کوفہ کے فوجی گورنر اور سپہ سالار تھے۔ اس زمانے میں یزدجرد کی شہ پر ہرمزان نے اربق کے گردونواح میں ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے موقع کی تلاش شروع کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے یہ خبر مدینہ بھیجی تو جناب عمرؓ نے جناب عمارؓ کو حکم دیا کہ ایک لشکر بصرہ بھیجیں۔ جناب عمارؓ نے حضرت نعمانؓ بن مقرنؓ کو دوبارہ ایک لشکر کے ساتھ ادھر بھیج دیا جنہوں نے ابوموسیٰؓ کے حکم پر اور ان سے امداد لے کر آگے پیش قدمی کی اور ہرمزان کو اربق کے مقام پر شکست دی۔

لیکن یہ ہرمزان کی کچھ شرارت بھی تھی وہ مسلمانوں کو کم نفری کے ساتھ آگے بڑھنے کی شہ دینا چاہتا تھا کہ ششتر کے مقام پر اس نے لاؤ لشکر اکٹھا کر دیا۔ ابوموسیٰؓ نے مدینہ شریف اطلاع بھیجی اور حضرت عمارؓ نے جناب جریرؓ کو ایک ہزار کا لشکر دے کر ابوموسیٰؓ کی مدد کے لئے بھیجا۔ لیکن اسی دوران خلیفہ دوم کے احکام آگئے کہ تمام تر کوشش کے ساتھ جنوبی علاقوں سے ایرانی بادشاہت کے فتنہ کو ختم کر دو۔ چنانچہ حضرت عمارؓ نے نصف لشکر جناب عبداللہؓ بن مسعود کے ماتحت کوفہ چھوڑا اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے وہ خود باقی لشکر کے ساتھ خوزستان کی طرف چل پڑے۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے ششتر کے علاقہ میں ہرمزان کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور آخر ہرمزان قید ہوا اور اس کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ جہاں پر حیلہ و بہانہ سے اس نے اپنی جان بچالی ورنہ کئی دفعہ کی عہد شکنی کے بعد اس کا سر قلم ہونا چاہیئے تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کو شہید کرنے والے ایرانی فیروز کو بھڑکانے والا بھی یہی ہرمزان تھا کہ اس نے اس کے بعد مدینہ شریف ہی میں رہائش رکھی ہوئی تھی اور دل سے مسلمان نہ ہوا تھا۔ یہ ذکر تیسری کتاب کے تیسرے باب میں ہے۔

بہر حال حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے بڑی کامیابی کے ساتھ خوزستان اور فارس کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر کے ان علاقوں کو ابوموسیٰؓ کے حوالے کیا اور خود واپس کوفہ آ کر اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ جس پر کچھ عرصہ اور قائم رہے۔ جناب ابوموسیٰؓ کے لئے اب صرف "صفائی" کا کام باقی رہ گیا تھا اور انہوں نے شوش کے علاقوں تک پیش قدمی کر کے ان سب جگہوں کو اسلام کی آغوش میں دے دیا۔ شوش میں حضرت دانیال پیغمبر کی قبر ہے جو کچھ دریا برد ہونے والی تھی۔ مسلمانوں نے قبر کو صحیح حالت میں اور اس کو دریا برد ہونے سے بچایا اور اس مقام کے تقدس کو بحال کر دیا جو آج تک قائم ہے۔

نتائج واسباق

یہاں حکمت عملی ایک واضح شکل اختیار کر جاتی ہے۔ شمال میں قبضہ کے بعد اب جنوب میں اہل ایران کا سمندروں سے جو باقی دنیا کے ساتھ رابطہ تھا اس کو بھی کاٹ دیا گیا۔ اب درمیانی علاقے باقی تھی اور ظاہر ہے مسلمان اب آخری کلہاڑا چلانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ جس کا ذکر اگلے باب میں ہے اور یہی اس باب کی کاروائی کا بڑا نتیجہ تھا۔ مسلمان کتنے چوکنے تھے۔ کس طرح پہل کاری کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔ کس طرح بروقت سوجھ بوجھ کے ساتھ کاروائی کی سب پہلو مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ابواب فوجی حکمت عملی کے بحث و مباحثہ اور عسکری تاریخ کے مبصروں کے لئے نکتوں کی وضاحت کے لئے بڑی اچھی فوجی مشقیں بنائی جا سکتی ہیں۔

ان میں کئی اسباق ہیں جس میں خاص کر زمین کا مطالعہ۔ ڈیلٹا کی جنگ میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور ریگستانی علاقہ کے لوگوں کا ڈیلٹا میں اس وقت مکمل کاروائی کرنا جب وہ اس علاقہ کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ ہر پہلو کا مطالعہ کافی دلچسپ ہے۔ لیکن وہ لوگ زندہ تھے۔ ہماری طرح ان کے دل مردہ نہ ہو چکے تھے وہ غیر متمدن تھے اور سب کچھ اللہ اور رسولؐ کے لئے کرتے تھے۔ ایرانیوں کا علم نجوم ان کو نہ سمجھ سکا۔

"تیرے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں"
اقبالؒ

چھبیسواں باب

معرکۂ نہاوند کے لئے طرفین کی تیاری

یہ ایرانی سلطنت کے آخری دن تھے۔ لیکن اتنی بڑی سلطنت جس کا صدیوں سے دنیا میں طوطی بولتا رہا ہو۔ اس پر ایک آخری بھرپور وار کی ضرورت تھی جس کا موقع خود ایرانیوں نے فراہم کر دیا تھا جن صوبوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا ان کے متعدد جوان لشکروں کی بھگدڑ کے ساتھ ایران کے دور دراز علاقوں میں چلے گئے تھے اور وہ اپنے علاقوں میں واپسی کے خواہاں تھے اس لئے اہل ایران ان علاقوں میں جب بھی کوئی لشکر تیار کرتے جہاں پر ان کی حکومت تھی تو ایسے لشکر میں شمولیت کے لئے یہ بھگوڑے بے تاب ہوتے تھے کہ شاید فتح کی صورت میں ان کو واپس اپنے علاقوں میں جانے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ جس زمانے میں مسلمان لشکر خزستان اور فارس کے صوبوں میں پیش قدمی کر رہے تھے اس زمانے میں نہاوند کے مقام پر اہل ایران مسلمانوں کے ساتھ ایک اور جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ کچھ صوبوں میں مثلاً آذر بائیجان، قیس، اصفہان، مرو، رے اور طبرستان وغیرہ کے علاقوں میں ایرانی حکومت قائم دائم تھی۔ ان سب جگہوں سے افواج نہاوند میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئیں اور طبری کے مطابق اس جگہ تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار کے قریب ایرانی جوان اکٹھے ہو گئے۔ ممکن ہے تعداد زیادہ نہ ہو لیکن اتنی تعداد ضرور تھی جس نے مسلمانوں کو فکرمند کیا۔

فتح و قریب

مسلمان چوکیوں نے اس اجتماع کی خبر جناب عمارؓ بن یاسرؓ کو کوفہ میں دی جو اس وقت کوفہ میں سپہ سالار اور فوجی گورنر تھے۔ آپ نے وہاں سے جس قاصد کو یہ خبر دے کر مدینہ بھیجا اس کا نام قریب تھا اور اس کے والد کا نام ظفر تھا۔ اس سے اہل مدینہ نے یہ شگون لیا کہ ظفر یا فتح قریب یا نزدیک ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اب ذہنی طور پر تیار تھے۔ اس لئے انہوں نے مشاورت طلب کی اور خود کوفہ جانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا کہ وہاں سے وہ ساری مہم کو آگے اپنی نگرانی میں چلائیں گے۔ صحابہ کرامؓ پر دشمن کی تعداد کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ کئی عظیم صحابہ نے مشورہ دیا کہ ملک شام، حجاز اور یمن سے تمام اسلامی فوج کو ایران بھیج دیا جائے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حالات اتنے بھیانک نہیں ہیں۔ ویسے بھی فتوحات اللہ تعالیٰ کی مدد سے نصیب ہو رہی ہیں اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کیا جائے۔ ایران کے علاقے میں اتنے مجاہدین موجود

ہیں کہ وہ اکٹھے ہو کر تمام حالات پر قابو پا سکتے تھے۔ حضرت علیؓ جو اس سے پہلے دو دفعہ حضرت عمرؓ کے باہر جانے
کے حق میں تھے اور حضرت عمرؓ بیت المقدس ہو بھی آئے تھے۔ اس دفعہ بالکل مختلف رائے دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ
اس سے بڑے متاثر ہوئے اور جناب علیؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔

نعمانؓ بن مقرنؓ کا تقرر

گو عراق و ایران میں متعدد چوٹی کے صحابہ موجود تھے لیکن جناب صدیق اکبرؓ کے طریقہ پر اس دفعہ جناب
فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو اس نئی مہم کے لئے سپہ سالار مقرر کیا۔ آپ جناب مقرنؓ کے عظیم فرزند نعمانؓ
تھے اور حضرت عمرؓ نے جناب عمارؓ بن یاسرؓ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ ہی میں رہ کر جناب نعمانؓ کی ہر طرح مدد
کریں گے اور ان کے لشکر کی تیاری میں مدد دیں گے۔ جناب نعمانؓ کسی تعارف کے محتاج نہیں اور روایت ہے
کہ آپ ان تین نوعمر لڑکوں میں شامل تھے جن کو جنگِ احد میں شرکت کی اجازت ملی۔ آپ کے والد مقرنؓ
صحابہ بدر میں سے ہیں اور ان کا اور ان کے دس بیٹوں کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔ بہرحال حضرت
نعمانؓ کی مہم کے لئے خلیفہ دوم نے مندرجہ ذیل احکامات بھی جاری کئے :

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ میں اپنے نائب کو چھوڑیں گے اور خود بصرہ سے لشکر کا تیسرا حصہ
ساتھ لے کر جناب نعمانؓ کو رپورٹ کریں گے۔

۲۔ مدائن سے حضرت حذیفہؓ بن الیمان کا ایک لشکر بھی جناب نعمانؓ کے ساتھ شامل ہوگا۔

۳۔ مدینہ سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو اس وقت مقدمے سے بری ہو چکے تھے وہ ایک لشکر تیار کر کے
حضرت نعمانؓ کے پاس جلد جلد پہنچ جائیں گے اور اس لشکر میں متعدد صحابہؓ کو شرکت کی دعوت دی گئی
اور جناب عبداللہؓ بن عمرؓ سمیت کئی صحابہ کبارؓ لشکر میں شامل تھے۔

۴۔ خلیفہ دوم نے یہ حکم بھی دیا کہ بصرہ سے جناب ابوموسیٰ اشعریؓ کے جانشین تسلی کریں گے کہ
خزستان کے علاقوں سے کوئی ایرانی نہاوند کی طرف تو نہیں جاتا کہ ممکن ہے کچھ لوگ کسی بہانے سے خزستان
سے نکل کر نہاوند میں جا کر ایرانی لشکر میں شامل ہو جائیں۔

۵۔ جناب فاروق اعظمؓ نے حکم دیا کہ اگر جناب نعمانؓ شہید ہو جائیں تو اس کے بعد سپہ سالاری کے لئے جانشینی
یہ ترجیحات ہوں گی۔ اول جناب حذیفہؓ، پھر جناب جریرؓ بن عبداللہ اور آخر میں جناب مغیرہؓ بن شعبہ۔

نقشہ سیزدہم

نہاوند کا محل وقوع اور اس طرف پیش قدمی

حضرت نعمانؓ کی پیش قدمی

جناب نعمانؓ نے بصرہ، مدینہ اور کوفہ کے لشکروں کو کوفہ ہی کے مقام پر اکٹھا کیا اور پھر مدائن پہنچ گئے۔ مدائن سے جناب حذیفہؓ کے لشکر کو ساتھ شامل کر کے قصر شیریں کے راستے کرمان شاہ کی طرف پیش قدمی کی۔ نقشہ نیاز دہم سے اس سلسلہ میں راہنمائی حاصل کریں۔ قصر شیریں تک بلکہ اس سے آگے تک مسلمانوں کی چوکیاں موجود تھیں۔ آپ نے اپنے لشکروں کے اجتماع کے لئے تزار کے مقام کو چنا۔ آپ بصرہ سے صوبہ خوزستان میں اہواز کے راستے بھی پیش قدمی کر سکتے تھے لیکن فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے اوپر والا راستہ اختیار کیا گو علاقہ پہاڑی تھا لیکن دیکھ بھال اور پھیلاؤ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے اس راستے کو پسند کیا۔ سردی کا موسم آنے والا تھا اور مسلمان کچھ جلدی میں تھے اہل ایران تو سردی برداشت کر سکتے تھے لیکن گرم علاقے کے مسلمان زیادہ سردی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے تزار پہنچنے کے بعد جناب نعمانؓ نے اپنے بھائی نعیمؓ کو جیش المقدم پر مقرر کر کے حکم دیا وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور نہاوند سے گیارہ میل پیچھے جس جگہ کو آج کل سعد وقاص کہتے ہیں وہاں رکنے کا حکم دیا۔ آپ بھی پیچھے رواں دواں تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد کوئی تیس یا چالیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے اور آگے ایرانی فوج ایرانی جنرل مردان شاہ کے ماتحت کوئی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ مسلمانوں نے حسب دستور صلح کی ایک کوشش کی اور جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا لیکن معاملہ بالکل اسی طرح رہا جو کچھ رستم اور جناب مغیرہؓ کے درمیان قادسیہ کے مقام پر ہوا تھا۔ بلکہ ایرانی اس بار کچھ زیادہ ہی پر امید تھے۔ اب لڑائی بالکل ناگزیر ہو گئی تھی۔ اور مسلمان تیار تھے۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا ۔۔۔ خبر میں نظر میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو ۔۔۔ وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں

اقبالؒ

ستائیسواں باب

جنگ نہاوند۔ محرم ۲۱ ہجری

نہاوند کی جنگ دنیا کی ایک مشہور ترین جنگ ہے۔ اس جنگ کے بعد ایران کی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا اور ایران فارس کے لوگ اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے اور مسلمان کی حیثیت سے ان خطوں کے مسلمانوں نے علمی اور عسکری میدانوں میں عظیم کام کئے۔ قادسیہ کی جنگ کی طرح یہ بھی ایک فیصلہ کن جنگ تھی اور اسلام کی عسکری تاریخ میں ان دونوں جنگوں کو بہت بلند مقامات حاصل ہیں۔

نہاوند کا علاقہ سطح مرتفع ہے اور سطح سمندر سے اور تقریباً تین ہزار فٹ بلند ہے۔ ویسے چھوٹی چھوٹی ندیاں اور وادیاں کثرت سے موجود ہیں۔ نہاوند کا میدان جنگ ایرانیوں کا چنیدہ تھا۔ انہوں نے پوزیشن ندی کے کنارے کچھ اونچی زمین پر لی ہوئی تھی اور ایرانی پوزیشن پر حملہ کرنے کے لئے اس ندی کو پار کرنا پڑتا تھا۔ نقشہ چہاردہم کا خاکہ میدان جنگ اور فوجوں کی صف بندی کو سمجھنے کے سلسلہ میں کچھ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ایرانی فوج کے دایاں اور بایاں بازو دونوں ٹیلوں پر تھے۔ اس لئے مسلمان کوئی متحرک طرز جنگ اختیار کر کے دشمن کو بازو سے اکھیڑنے کی کاروائی بھی نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ مسلمان صرف ندی کو پار کر کے سامنے ہی سے حملہ کر سکتے تھے۔ لشکروں کی صف بندی ہو چکی تھی۔ حضرت نعمانؓ نے بازوؤں پر جناب حذیفہؓ اور اپنے بھائی نعیمؓ کو مقرر کیا اور خود درمیان میں تھے۔ جناب قعقاعؓ رسالہ کے افسر تھے لیکن آگے ہر لشکر تقریباً دس حصوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر ہزار مجاہدین پر صحابہ کرامؓ یا اور نامور مجاہدین امیر تھے۔ ایرانیوں کے لشکر کے بھی تین بڑے حصے تھے۔ مردان شاہ درمیان میں تھا اور بازوؤں پر بہمن اور زادق تھے۔ یہ کوئی نیا بہمن تھا۔ ایرانی فوج کے عقب میں انوشق تھا۔

یہ ایرانیوں کا اپنا علاقہ تھا اور ان کے پاس رسد و رسائی کی کوئی کمی نہ تھی۔ مسلمانوں کا رسد کا بڑا ذریعہ مدائن تھا جس پر چند سال پہلے قبضہ کیا تھا اور وہ کافی دور تھا۔ باقی علاقہ جو مسلمانوں کے عقب میں تھا وہ اتنا آباد نہ تھا۔ سردی کا موسم آ رہا تھا اور مسلمان جلدی میں تھے۔ ایرانیوں کو کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ اپنی چنی ہوئی زمین پر ایک لاؤ لشکر کے ساتھ آرام سے بیٹھے تھے۔ مدافع کے انتظار والے تمام فوائد ان کے حق میں تھے۔ زیادہ سردی اور خوراک میں کمی کی وجہ سے

بعد میں اگر اسلامی لشکر پسپائی اختیار کرتا تو ایرانی مسلمانوں پر جگہ جگہ حملے کرتے یا پسپائی کے راستوں کو مسدود کرتے پھر یہ ایرانی فوج پہلی بھاری بھر کم ایرانی فوجوں سے مختلف تھی۔ یہ لوگ نسبتاً ہلکے پھلکے اور متحرک تھے۔

لڑائی کا پہلا دن

چنانچہ مسلمانوں کے پاس ندی پار کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اور ساری ایران کی مہمات میں جسر کی جنگ کو چھوڑ کر یہ پہلی جنگ تھی جہاں پر مسلمان مجبور ہو کر دشمن کی چُنی ہوئی زمین پر اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ صف آرائی وہی رہی اور ندی بھی دوپہر تک پار کر لی گئی لیکن لڑائی کا تیسرا نعرۂ "اللہ اکبر" ظہر کی نماز کے بعد دیا گیا جس کو سننے کے بعد اسلامی لشکر نے بھرپور حملہ کر دیا۔ اول اوپر چڑھ کر آگے بڑھنا تھا اور پھر ایرانیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ اس لئے مسلمانوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ لیکن کافی مسلمان مجاہد بھی شہید ہو گئے۔

لڑائی کا دوسرا دن

دوسرے دن بھی معاملات ویسے ہی رہے۔ بازو کی طرف سے کوئی چھوٹی موٹی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے سورج کے چڑھنے کے بعد مسلمانوں نے سامنے سے ایک اور بھرپور اور سخت مقابلہ کیا اور نتائج بالکل پہلے ہی دن کی طرح تھے۔ دشمن بے جگری سے لڑا۔ اس کی لاشوں سے میدانِ جنگ پٹ گیا لیکن مجاہدین اس کی صفوں میں کوئی برائے نام شگاف بھی نہ بنا سکے۔

جنگ میں التوا

اگلے دو دن جنگ خود بخود ہی تھم گئی۔ مسلمانوں نے کوئی زوردار حملہ نہ کیا اور ایرانی بھی دیکھ بھال میں مصروف رہے لیکن ایرانی بہتر حالات میں تھے۔ میدانِ جنگ ان کی مرضی کا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے یعنی ایرانیوں کی جنگ کچھ بامقصد تھی۔ پہلے وہ بادشاہ کی سلطنت کی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے اور اب اپنی بقا کے لئے لڑ رہے تھے۔

حضرت نعمانؓ کا صلاح و مشورہ

ان حالات میں حضرت نعمانؓ نے میدانِ جنگ کے چیدہ اور تجربہ کار سرداروں کو اکٹھا کیا اور آئندہ کے طریق کار
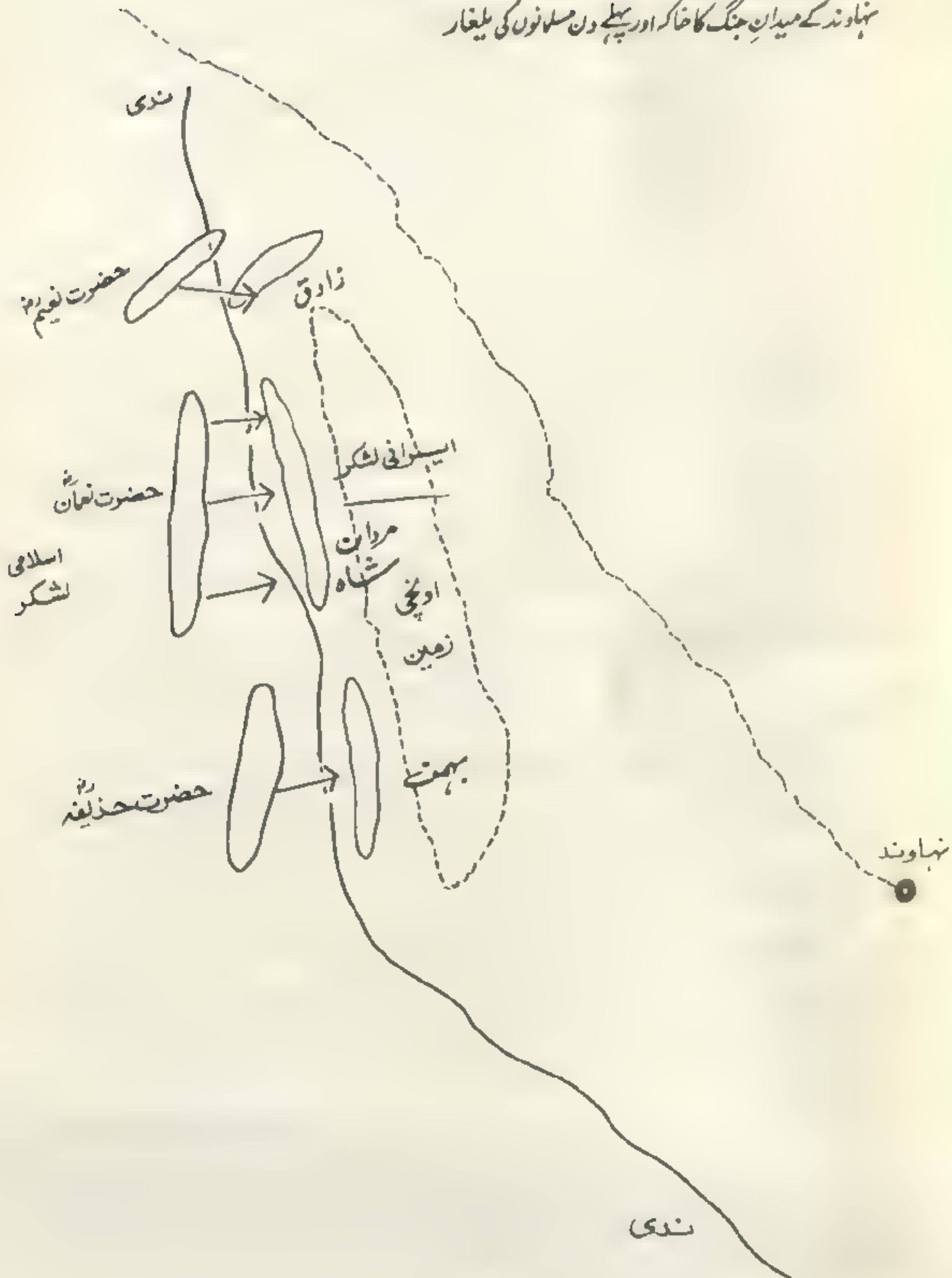
کے بارے میں مشاورت طلب کی. سرداروں کی آرا کو مؤرخین نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے. آخر جناب طلیحہؓ اور عمروؓ بن معدیکرب کی رائے سے ایک ملی جلی تجویز بنائی گئی کہ دشمن کے چھوٹے چھوٹے حملوں کے سامنے کچھ پسپائی اختیار کی جائے اور جب دشمن ہمت کر کے خوب آگے بڑھے تو دونوں بازوؤں سے اس کو گھیر لیا جائے. اس وقت تک دشمن ایسی زمین پر آگیا ہوگا جو مسلمانوں کی مرضی کی ہوگی. اس کے لئے پسپائی کافی زیادہ اور بائیں بازو کی طرف اختیار کرنا پڑتی تھی کہ مدائن کو راستہ ایسی ہی سمت سے جاتا تھا.

مسلمانوں کا نئی تجویز پر عمل

ویسے مسلمانوں نے اپنے لشکر میں کچھ یہ بھی مشہور کر دیا کہ خلیفۂ وقت وفات پا گئے. ندی کے پار سے آگے والی چوکیوں کو رات کے اندھیرے میں واپس لایا گیا. جمعہ کی صبح اور لڑائی کے پانچویں دن ایرانی کمانڈروں کو مسلمانوں کی "کمزوری" پر کوئی شک نہ رہا اور انہوں نے ندی کو پار کرنا شروع کر دیا. مردان شاہ ندی کو پار کر کے پہلے صف بندی کرنا چاہتا تھا اور پھر بھرپور حملہ کرنا چاہتا تھا مسلمانوں نے بھی ایرانیوں کے سامنے اپنی صف بندی کو کچھ قائم رکھا کہ ایرانیوں کو کسی دھوکے کا شک نہ پڑ جائے اور مسلمان بالکل لڑائی قدرتی طریقہ پر لڑ کر پسپائی اختیار کر رہے تھے. ایرانیوں کو مسلمانوں کی کمزوری کا پکا یقین ہو گیا اور ان کو فتح نظر آنے لگی. مسلمانوں نے کچھ تبدیلی یہ کر دی کہ جناب قعقاعؓ کے رسالہ کو بھی کافی پچھلی اور بائیں طرف ہٹا لیا گیا اور جناب نعیمؓ کو بازوؤں سے ہٹا کر لشکر کے درمیان میں رکھا گیا اور ان کی جگہ جناب مغیرہؓ اور اشعث کو بھیجا گیا. جناب سویدؓ کو بھی درمیان میں لایا گیا.

ایرانی فوج نے یہ سب دیکھ کر ندی کو کچھ بے ترتیبی سے پار کرنا شروع کر دیا کہ فتح کی خوشی میں ان کی صف بندی میں ہر جگہ کچھ بے ترتیبی آگئی. جناب مغیرہؓ بن شعبہ جو حربی کاروائی میں ماہر مانے جاتے تھے وہ یہ سب کچھ دیکھ کر اس خیال کے حامی ہو گئے کہ ایرانیوں پر اسی وقت جوابی حملہ کر دیا جائے وہ گھوڑے پر سوار تھے. انہوں نے سرپٹ گھوڑا دوڑایا اور جناب نعمانؓ کے پاس آئے اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ جوابی حملہ کا بہترین وقت تھا. جناب نعمانؓ بھی گھوڑے پر سوار تھے اور کفن کی طرح کا سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور نہایت صبر کے ساتھ اس گھڑی کے منتظر تھے. جس گھڑی بعد دوپہر حضور پاکؐ جوابی حملہ کیا کرتے تھے. حضرت مغیرہؓ کے علاوہ کئی اور سرداروں نے بھی جلدی حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ دیا بلکہ کچھ نے ذرا سخت الفاظ استعمال کئے لیکن حضرت نعمانؓ مسکرا دیتے تھے. وہ بڑی دھیمی آواز میں جواب دیتے تھے اور فرماتے تھے "اللہ تعالیٰ ہماری عزت رکھے گا اور جو کچھ آپ جلدی

میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہی انشاءاللہ انتظار اور صبر سے حاصل ہو جائے گا۔" اس کے بعد آپ نے دونوں
اوپر اُٹھائے اور یہ عرض کی۔ "اے میرے رب میری آنکھوں کو فتح سے ٹھنڈک پہنچا۔ ایسی فتح جس سے اہل اسلام
عزت دو بالا ہو جائے اور پھر مجھے شہادت نصیب کر دینا۔"

تبصرہ

کچھ مبصروں کا خیال ہے کہ جناب مغیرہؓ بن شعبہ کا مشورہ صحیح تھا بلکہ کئی لوگ یہاں تک بھی چلے گ
کہ اگر حضور پاکؐ اس وقت وہاں پر موجود ہوتے تو وہ وہی کچھ کرتے جو مغیرہؓ بن شعبہ سوچ رہے تھے
حضور پاکؐ کیا کرتے ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہاں ہمیں معلوم ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ مسلمانو
جوابی حملہ بعد دوپہر کے کیا کرو کہ یہ وقت اس کام کے لئے اچھا ہوتا ہے اور آپ نے اکثر حالات میں
جوابی کاروائی بعد دوپہر کو ہی کی۔ اس میں حکمت بھی پنہاں ہے کہ جب دشمن سویرے کے وقت کوئی کار
شروع کرتا ہے تو دوپہر تک اپنا پورا زور لگا چکا ہوتا ہے اور اس وقت تک کافی تھک چکا ہوتا ہے۔ اگر جلد
ہی جوابی کاروائی کی جائے تو دشمن اپنی تجویز کو تبدیل بھی کر سکتا ہے یا اپنی کامیابی کو روک کر ادھر تازہ دم
مقابلہ شروع کر سکتا ہے۔ بعد دوپہر جوابی کاروائی سے دشمن کے پاس ردعمل کا وقت تھوڑا رہ جاتا ہے۔
بہرحال جناب نعمانؓ کے سامنے صرف یہ بات تھی کہ حضور پاکؐ نے کیا کیا اور اس کا جواب یہ تھا
کہ حضور پاکؐ نے بعد دوپہر جوابی کاروائی کی۔ جناب نعمانؓ اپنی ساری کاروائی کو حضور پاکؐ کے فرمان
اور عمل پر قربان کرنے کو تیار تھے اور اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق تمام حکمت عملیاں، تدبیرات، سلیقے
فن، ہنر اور حربی خوبیاں یا دنیا کا کوئی کام اس چیز کے تابع کر دینا چاہئے تھے جو حضور پاکؐ نے کیا اور
اسی میں اسلام کی بڑائی کا راز پنہاں ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسؔ وہی طٰہٰ
اقبالؒ

جناب نعمانؓ عشق کے انتہائی مقام پر پہنچ چکے تھے۔ معاملات کو جس طرح وہ سمجھتے تھے اس
کو دنیاوی بودے پیمانے کیسے ناپ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب مغیرہؓ خاموشی سے واپس چلے گئے

عقلی اور فوجی لحاظ سے بھی جناب نعمانؓ کا تجزیہ صحیح تھا۔ شروع میں دشمن کی بے ترتیب صفوں پر حملہ کیا جاتا تو دشمن ندی کو پار کر کے واپس چلا جاتا اور ادھر ہی بیٹھ جاتا اور معاملہ ادھر کا ادھر ہی رہتا۔ دشمن پر جوابی حملہ اس وقت کیا گیا کہ وہ مکمل طور پر الجھ چکا تھا اور واپس جانے کے قابل نہ تھا اور ایسی شکست سے دشمن کو دوچار ہونا پڑا کہ ایرانی سلطنت ہی ختم ہو گئی۔ اگر جلدی جوابی حملہ کر دیا جاتا تو دشمن شاید آدھی نفری کو بچا کر پسپائی اختیار کر لیتا اور پھر کہیں اور لڑائی لڑتا۔ یعنی اس کو نہاوند میں شکست ہوتی۔ شکستِ فاش نہ ہوتی۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ

ایرانی آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی تمام تر فوج مسلمانوں کے ساتھ گتھم گتھا ہو چکی تھی کہ بعد دوپہر اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر دیا تو ایرانی حیران ہو گئے۔ دوپہر سے پہلے وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور مسلمان صبر سے ان کے حملے برداشت کر رہے تھے بلکہ ایک بازو سے جناب قعقاعؓ کا رسالہ ایرانیوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرے بازو سے مسلمان پیدل فوج قعقاعؓ کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ سامنے والی ایرانی فوج پھر بھی معاملات کو نہ سمجھ سکی۔ ان کو خیال تھا کہ مسلمان کسی بڑی پسپائی کی تجویز کو چھپانے یا زیادہ سے زیادہ لشکر کو دشمن کے چنگل سے چھڑانے کے لئے ریئر گارڈ کی سخت کارروائی کر رہے ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں کی چال کو سمجھ جاتے اور جلدی پسپائی اختیار کر لیتے تو شاید فوج کا کچھ حصہ بچ کر نکل سکتا۔ لیکن ان کی غلط فہمی قائم رہی اور وہ جال میں پھنس چکے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو اپنا اختلاف بھول چکا تھا اور جناب اشعثؓ طلیحہؓ اور عمرؓ بن معدیکرب وغیرہ کے ساتھ مل کر دشمن کی فوجوں کو دہ مولی گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے۔

حضرت نعمانؓ کی یلغار

حضرت نعمانؓ یلغار کا حکم دے چکے تھے اور فرما چکے تھے کہ اب جذبۂ جہاد اور جعاتی کے زور سے اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی جائے اور کسی اور حکم کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی تو آپ خود آگے بڑھ کر دشمن کو تہس نہس کر رہے تھے۔ آپ کے دونوں بھائی سویدؓ اور نعیمؓ جان چکے تھے کہ ان کا عظیم بھائی آج اپنے خاندان، انصار، مدینہ اور اہل اسلام کے نام کو چار چاند لگانے پر تلا ہوا ہے اور شہادت کی خوشبو ان کی رگ رگ میں بس چکی تھی۔ دشمن پر وار کے بعد مخمور

آنکھوں سے وہ اپنے دونوں بھائیوں کو دیکھتے تھے اور شاید اسی لئے جناب نعیمؓ کو بازو سے ہٹا کر درمیان میں
آئے تھے کہ ضرورت کے وقت وہ ان کو سنبھالا دیں اور پھر وہ وقت آگیا کہ جناب نعمانؓ کو اتنے زخم آچکے تھے کہ
اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے۔ جناب نعیمؓ ان کے ہم شکل بھی تھے اور انہوں نے لشکر پر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ سپہ سالار
آخری دم پر ہے وہ خود "نعمان" بن گئے اور جناب سویدؓ نے اپنے عظیم بھائی کو زمین پر لٹا دیا اور منہ کو چادر
ڈھانپ دیا اور خود جہاد میں مصروف ہو گئے۔

ایرانیوں نے غلطی یہ کی تھی کہ ندی پار کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا یا اور
والوں کے حکم سے "پابہ زنجیر" کر دیئے گئے اور جناب نعمانؓ کا دل بے تاب اس وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ جب ایرا
بندھ جائیں تو پھر جوابی حملہ ہو۔ آدھے یا اس سے کچھ کم باندھ دیئے گئے اور باقی آدھے جب مسلمانوں کے جوابی حملہ کی
تاب نہ لاسکے اور پیچھے مڑے تو اوندھے منہ ان بندھے ہوئے لوگوں پر گرنے لگے اور پیچھے سے مسلمانوں کی تلوار سب
کا کام تمام کر رہی تھی۔ لاشوں کے ڈھیر اس قدر لگ گئے کہ مسلمانوں کو ان لاشوں کے اوپر سے کود کر آگے بڑھنا
پڑا۔ سورج کے غروب ہونے سے پہلے ایرانیوں کو مکمل شکست ہو چکی تھی اور جناب عمارؓ بن یاسرؓ کے بھی ...
جناب سپہ سالار نہاوند، نعمانؓ بن مقرنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین پر جھک کر عرض کی۔ "...
اللہ تعالیٰ نے فتح سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔"

جناب نعمانؓ کے آخری الفاظ

حضرت نعمانؓ نے یہ خوشخبری سننے کے بعد آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "الحمد للہ۔ خلیفۂ دوم کو
اس کی جلد اطلاع دے دینا" اور پھر ان کے چہرہ مبارک پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی کہ شہادت کا
تحفہ ان کو پیش ہو رہا تھا۔ "اور بر لب تبسم آید" کا وقت آگیا تھا۔

قارئین یہ ہے مسلمان کا فلسفۂ حیات۔ اگر آپ نے تصور میں جناب نعمانؓ کے چہرہ مبارک کا بو...
نہیں لیا تو اپنے قلب کا علاج کرائیں۔

شہادت کا تحفہ

یہ شہادت کا تحفہ کئی ہزار مسلمانوں کو نصیب ہوا۔ مؤرخین نے شہدا کی تعداد نہیں لکھی۔ طبری

کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی مارے گئے' لیکن اس کے لحاظ سے ایرانی لشکر کی تعداد بھی ڈیڑھ لاکھ تھی. ہمارا اندازہ باقی مؤرخین اور اسلامی لشکر کے تناسب سے یہ ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد کوئی لاکھ کے قریب ہوگی. لہٰذا ساٹھ ہزار کے قریب مارے گئے' ہوں گے. اس لئے مسلمان شہدا کی تعداد بھی چھ سات ہزار سے کم نہیں کیونکہ شہادت کا تحفہ وصول کرنے والوں میں جناب طلیحہ رضؓ اور عمرو رضؓ بن معدیکرب بھی تھے جو ہر جنگ میں اپنی بہادری کا لوہا منوا چکے تھے. اسلام سے پہلے ایک جھوٹی نبوّت کا دعوے دار دوسرا مرتد تھا. پھر دونوں نے توبہ کی اور اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے. اللہ کی عطا ہے کہ ان کا خاتمہ نیک ہوا اور ان کی آخری آرام گاہ بھی جناب نعمان رضؓ جیسے اسلام کے عظیم فرزند کے نزدیک ہے اور آج ہم جناب طلیحہ رضؓ اور جناب عمرو رضؓ بن معدیکرب کے نام مبارک کے ساتھ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لفظ لگا کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں کہ ایسے لوگ ہمارے قافلہ میں ہو گذرے ہیں.

دشمن کا تعاقب

فتح کے بعد جناب نعیم رضؓ نے خلیفہؑ دوم کے احکام کے تحت اسلام کا علم جناب حذیفہ رضؓ کے سپرد کر دیا. رات پڑ چکی تھی. اس لئے فوری تعاقب نہ ہو سکا. صبح سویرے جناب حذیفہ رضؓ نے خود آگے بڑھ کر دور دور تک دشمن کا تعاقب کیا. کچھ لوگوں نے نہاوند شہر کے اندر قلعہ بند ہونے کی کوشش کی لیکن ڈر گئے اور آخر بھاگنے کو ترجیح دی. ویسے کافی ایرانی جنگی قیدی بھی بنائے گئے اور متعدد مال و دولت مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہوا.

نخیرجان کا خزانہ

جنرل نخیرجان کا ذکر مدائن کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کے وقت ہو چکا ہے کہ وہ رستم کی مدد کو آ رہا تھا اور زیر کعب میں ہلاک ہوا. یہ نخیرجان اسی نہاوند کے علاقہ کا جاگیردار تھا اور یزدجرد کے دادا کے زمانے میں بھرپور جوانی میں تھا اور اس کی ایک بڑی خوبصورت بیوی تھی. وہ عورت کسی طرح یزدجرد کے دادا خسرو پرویز کے حرم میں داخل ہونا چاہتی تھی اور نخیرجان کو پتہ چل گیا اور اس عورت سے نہ صرف لاتعلق ہو گیا بلکہ باتوں باتوں میں ایک طریقہ کے ساتھ نخیرجان نے وہ عورت شہنشاہ کو پیش کر دی. شہنشاہ نے

نہ صرف اس پیشکش کو منظور کیا بلکہ اس عورت کو دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ اپنے حرم سے ہر عورت سے قیمتی
تحفے بھی اس عورت کو دلوائے اور خود بھی تخیرجان کو مالا مال کر دیا۔ چند ماہ بعد خسرو پرویز مر گیا اور وہ
عورت مال و دولت کے ساتھ تخیرجان کے پاس واپس آگئی اور جلدی مرگئی یا ماردی گئی۔ بہر حال
ایران میں تخیرجان شہنشاہ کے بعد دوسرے نمبر کا امیر آدمی تھا۔ اور اس کا سارا خزانہ نہاوند کے قریب
ایک قلعہ میں چھپا ہوا تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

تبصرہ

قارئین کو شاید یہ کہانی پسند نہ آئے کہ ہم نے جو قلم کی پاکیزگی کا وعدہ کیا ہوا تھا اس لحاظ سے یہ کہانی
اس کتاب کے لئے موزوں نہ ہو۔ لیکن مولانا روم کی مثنوی پڑھ لیں اس میں باطل فلسفہ والوں کی ایسی
کہانیاں موجود ہیں اور ہم اس کہانی سے زر اور زن کے فتنہ کی بے غیرتی والے اثرات اور ایران کے
زوال پذیر حکمرانوں کی زندگی کے حالات سے قارئین کو آگاہ رکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے ہم سبق سیکھیں۔

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود!
(اقبالؒ)

مال غنیمت اور دولت

مسلمانوں نے مال غنیمت سے پانچواں حصہ اور تخیرجان کا سارا خزانہ مدینہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے
تخیرجان کا خزانہ عراق و ایران واپس کر دیا کہ افواج کی کفالت پر خرچ کیا جائے۔ مال غنیمت اور جزیہ
سے اب دولت کی ریل پیل شروع ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ اسی وجہ سے بہت زیادہ آگے پیش قدمی
کی اجازت نہ دے رہے تھے کہ دولت کی ریل پیل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا اور مجاہدین غیروں کے
تمدن کو اپنانے لگ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان غلط راستوں پر بڑے بند باندھے اور بعد میں
حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جناب ابوذر غفاریؓ نے بھی بہت کوشش کی کہ مسلمان دولت کے چکر
میں نہ پڑیں ورنہ اپنے فلسفہ حیات سے دور ہو جائیں گے۔ دولت کو صرف قناعت اور ضرورت تک محدود
رکھا جائے اور اپنے فقر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ جنگ نہاوند کو اسلام کی تاریخ میں فتوحات کی فتح کا نام دیا گیا ہے اور اس کے بعد ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس محاذ پر باطل کی تو ڑ والا فتنہ تو ختم ہو گیا لیکن باطل کے تین "زالوں" یعنی زر، زمین اور زن کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زن کا مسئلہ تو دین فطرت نے کچھ حل کیا ہوا تھا کہ چار شادیوں کی اجازت تھی۔ لیکن زر اور زمین کا فتنہ ایک طرف حسد اور دوسری طرف سہل زندگی کو لے آتا تھا۔ سہل زندگی کے بعد ہم "امن پسند" ہو جاتے ہیں۔ اور امن پسندی کے چکر میں تلوار کو سرد خانے میں رکھ چھوڑتے ہیں اور دیکھ لیں کہ آج اسی تلوار کے لئے غیروں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی معتمد کی طرح قید خانے میں فریاد کر رہے ہیں۔

مردِ حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر

میں پشیماں ہوں پشیماں ہے مری تدبیر بھی

اقبالؒ

۲۔ ایک ضروری سبق یہ ہے کہ جب حضور پاکؐ کی سنت موجود ہو تو اس کو اپنانا ہی حکمت عملی ہے۔ اس چکر میں نہ پڑیں کہ حضور پاکؐ اگر آج ہوتے تو یہ کرتے۔ حضورؐ کی سنت اپنانا ہی بہت بڑی حکمت عملی ہے۔

۳۔ اس جنگ کے باقی اسباق ساتھ ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں اور تبصرے و جائزے بھی ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ پسپائی اختیار کر کے دشمن کو شکنجہ میں لینے کی کاروائی بہت مشکل تجویز ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر ہم نے بھی دشمن کو شکنجہ میں لینے کے لئے پسپائی اختیار کی۔ اور نہاوند کے معرکہ میں اس قسم کے معرکوں کی نقل کی اور اپنے علاقوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایسی کاروائی کے لئے بڑے دل گردے اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ پاکستان کی فوج اعلیٰ تربیت یافتہ نہیں لیکن جو فوج یا قوم فائر بندی کو مدنظر رکھ کر تجاویز بنائے وہ ایسی کاروائی نہ ہی کرے تو بہتر ہے۔ البتہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنایا جائے اور تمام تر حکمت عملی اور تدبیرات اسلامی فلسفہ حیات کے تحت ہوں تو پھر ہر تدبیر انشاء اللہ کامیاب ہو گی۔

اٹھائیسواں باب

ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ

نقشہ پانزدہم یعنی پندرہویں نقشہ کا غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نہاوند کی فتح کے بعد بھی آدھے سے زیادہ ایران ابھی باقی تھا. جہاں پر ابھی اسلامی لشکر کے کسی مجاہد نے قدم نہ رکھا تھا. مسلمانوں کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ ایران کو تباہ و برباد کیا جائے اور چپہ چپہ پر لڑائی ہو. نہ وہ لوٹ مار کرنے آئے تھے کہ دولت سمیٹ کر مکہ مدینہ لے جاتے. وہ تو وہاں سے دولت واپس کر رہے تھے وہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام نافذ کرنے آئے تھے اور جو اللہ اور رسولؐ کے احکام قبول کر لیتا تھا وہ ان کی قوم یعنی اُمّتِ واحدہ میں شامل ہو جاتا تھا اور حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے کا یہی مدعا تھا۔

خلفاءِ راشدین کی حکمتِ عملی

پہلے دونوں خلفاء کی مشرق کی طرف اسلام کو پھیلانے کی حکمتِ عملی نے نہاوند کے مقام پر تاج پہن لیا تھا۔ اس کے بعد کی مہمات کی تفصیل میں مؤرخین بھی نہیں گئے. کیونکہ یہ سب "صفائی" کا کام تھا. تیزی سے پیش قدمی کر کے اسلامی لشکر کسی بھی جگہ پر جا کر قبضہ کر لیتے تھے. اس سلسلہ کی کارروائیوں کو مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے:

۱. کوفہ میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو تبدیل کر کے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا تعین کیا گیا. پارسائی، قربانی اور حضور پاکؐ کی رفاقت کے سلسلہ میں حضرت عمارؓ کا مقام بہت اونچا ہے لیکن حالات پر مکمل حاوی ہونے کے لئے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جیسے زمانہ ساز، سیاست داں اور فوجی ماہر کی ضرورت تھی. مفتوحہ علاقوں میں اتنی زیادہ وسعت ہو چکی تھی کہ اس کام کے لئے حضرت مغیرہؓ جیسے ان تھک صاحب کی ضرورت تھی. ویسے جناب عبداللہؓ بن مسعود کوفہ میں نائب کا کام انجام دے رہے تھے اور وہاں پر انہوں نے ایک مکتب کی بنیاد ڈالی جس سے علم حاصل کر کے مسلمان علماء دور دراز علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے جاتے تھے. امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ وغیرہ نے اسی مکتب سے فقہ اور علم حدیث کا علم حاصل کیا۔

۲. ۲۱ ہجری کے آخر میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو عراق سے ایک لشکر کے ساتھ نہاوند والے راستے اصفہانؒ

پر چڑھائی کا حکم ملا۔ بعد میں آپ کی امداد کے لئے جناب ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجا گیا حضرت احنفؓ بن قیس جن کو خراسان کے علاقہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ بھی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ مل گئے کہ انہوں نے بھی ادھر ہی سے گزر کر جانا تھا اور تینوں نے مل کر اصفہان فتح کر لیا۔

۳۔ خلیفہ دوم کے حکم کے مطابق اصفہان کو فتح کرنے کے بعد عبداللہؓ اور ابوموسیٰؓ کے دونوں لشکروں کی کمانڈ جناب ابوموسیٰؓ کو ملنا تھی جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ کاشان اور قم پر لشکر کشی کریں۔ یہ کام انہوں نے کامیابی کے ساتھ پورا کر لیا۔

۴۔ ان کارروائیوں کے مکمل ہونے کے بعد حضرت نعیمؓ بن مقرنؓ کو حکم ملا کہ بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ رے پر چڑھائی کریں۔ رے بڑی فوجی اہمیت والا مقام تھا اور انہوں نے ہمدان سے گزر کر وہاں جانا تھا۔ اہل ہمدان پہلے ایک دفعہ باجگزاری اختیار کرنے کے بعد پھر بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بہرحال انہی دنوں جیسا کہ نمبر شمار تین میں اوپر بیان کیا ہے، ابوموسیٰؓ جناب نعیمؓ کے دائیں بازو پر آگے بڑھ رہے تھے اور اس لئے جناب نعیمؓ نے زیادہ تسلی کے ساتھ پیش قدمی کی۔ پہلے ہمدان کے باغیوں کا مزاج درست کیا پھر کئی جھڑپوں کے بعد رے پہنچے اور وہاں پر اسلام کے جھنڈے لہرا دیئے۔

۵۔ رے سے آگے حضرت نعیمؓ کے بھائی حضرت سویدؓ کے ایک لشکر نے طبرستان کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

۶۔ ۲۲ ہجری تک یہ تمام مہمات ختم ہو چکیں تو مسلمانوں نے آذربائیجان کا رُخ کیا اور کوفہ میں جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو حکم ملا کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو ایک بڑا لشکر مہیا کریں جو آذربائیجان پر چڑھائی کرے۔ حضرت نعیمؓ کو حکم ملا کہ اس لشکر کے لئے وہ بھی کمک مہیا کریں۔ جس کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ بہرحال حضرت حذیفہؓ نے آگے بڑھ کر دربند تک تمام علاقے فتح کر ڈالے۔ پھر جناب حذیفہؓ کی جگہ جناب عتبہؓ بن فرقاد کو مقرر کیا گیا جنہوں نے آرمینیا اور جھیل کیسپین کے علاقوں تک اسلام کے علم لہرا دیئے۔

۷۔ آذربائیجان کی مہم ابھی جاری ہی تھی تو خلیفہ دوم نے مختلف لشکر بھجوا کر خوزستان اور فارس سے شیراز تک کے علاقوں کو اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

۸۔ اس کے بعد جناب عاصمؓ بن عمروؓ نے سیستان پر چڑھائی کی اور وہ خود پاکستان و ایران کی موجودہ سرحد پر زاہدان کے مقام تک آئے اور آگے سہیلؓ بن عدی کو بھیجا جس نے دریائے سندھ تک مکران کے علاقے فتح کئے اور

نقشہ پانزدہم ۔ عراق اور ایران کی اسلامی فتوحات کی وسعت
صفحہ ۳۱۲ و
بحیرہ کیسپین
دریائے جیحوں
مرو
بلخ
طوس
نیشاپور
شمال
رے
قم
ہمدان
دریائے دجلہ
موصل
دریائے فرات
تکریت
جلولا
مدائن
اصفہان
ہرات
ششتر
حیرہ
اہواز
کرمان
قندھار
پرسیپولس
شیراز
دربند
ہرمز
دریائے سندھ
ابلہ
شراف
زرود
خلیج فارس

دریائے سندھ پر رک گئے۔

۹۔ اس کے بعد جناب احنافؓ بن قیس نے نیشاپور، ہرات، طوس اور بلخ کے علاقوں تک اسلام کے علم گاڑ دیئے۔ یہاں پر یزدجرد نے بھی آخری مقابلہ کیا اور اس کے بعد دریائے جیحوں کو پار کر کے چینی ترکستان کی طرف بھاگ گیا اور مسلمان دریائے جیحوں پر رک گئے۔

۲۳ ہجری تک ایران کا چپہ چپہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ موجودہ افغانستان روسی ترکستان اور جنوبی پاکستان کے کئی حصوں پر بھی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام بلند ہو رہا تھا۔ تیسری کتاب کے چھٹے اور ساتویں ابواب میں ان فتوحات اور وسعتوں کو باقاعدہ طور پر بیان کیا گیا ہے۔

تبصرہ

یہاں قارئین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سوال کریں کہ حضرت عمرؓ نے دریائے سندھ اور دریائے جیحوں سے آگے پیش قدمی کیوں روک دی اور مسلمانوں نے بعد میں اور ملکوں کو اس تیزی سے فتح نہ کیا جس طرح پہلے دو خلفاء کے زمانے میں کیا۔ سوال بڑا اہم ہے اور اوّل تو اللہ کو ایسے ہی منظور تھا۔ دوم ملک فتح کرنے تو آسان ہوتے ہیں۔ فتح کو قائم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ باطل تلوار کو پھینک دینے کے بعد کسی اور شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے وسیع علاقے فتح کئے، وہاں اللہ کے نظام کو جاری کیا اور کسی نہ کسی شکل میں اسلامی نظام جاری ہے اور یہ سب ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ لیکن نظام مصطفیٰؐ جو نظام جہاد کا دوسرا نام ہے۔ وہ صرف خلفائے راشدین کے زمانے میں جاری رہ سکا اور پھر اس میں بھی دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اللہ کا کوئی نیک بندہ اور مجاہد پیدا ہو گیا اس نے نظام مصطفیٰؐ کو بحال کر دیا۔ باطل اور حق کی یہ کشمکش ہمارے اندر بھی جاری ہے اور باطل باہر سے بھی ہم پر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس زمانے میں اگر اور زیادہ پیش قدمی کی اجازت دیتے تو اتنے علاقوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا اور مشیتِ ایزدی معاملات کو شاید اس طرح چلانا چاہتی ہے کہ ہمارا امتحان جاری و ساری ہے۔ ورنہ "کھیل" کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔

شاہ یزدجرد

عثمانؓ کے زمانے میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھ سے مرو کے علاقے میں ذلت آمیز حالت میں ہلاک ہوا۔ اس کا دادا اپنے بیٹوں کو شادی کی اجازت نہ دیتا تھا گو اپنی تین ہزار عورتیں تھیں کہ کسی نجومی نے اس کو بتایا تھا کہ اس کا کوئی پوتا ایران کا آخری بادشاہ ہوگا۔ اس کی چہیتی بیوی شیریں (فرہاد کی معشوقہ) نے یزدجرد کے باپ کی پوشیدگی سے ایک بال سنوارنے والی لڑکی سے شادی کرا دی۔ یزدجرد پوشیدگی میں پیدا ہوا اور پوشیدگی ہی میں اس کی پرورش ہوئی۔ اس کا تخت پر آنا بھی ایک ڈرامہ تھا اور آگے جو کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ بیان کر دیا گیا ہے۔

اگر یزدجرد اسلام قبول کر لیتا تو اس کے دونوں جہان سنور جاتے۔ بہرحال اس کی ایک بیٹی کے بارے میں عجیب و غریب روایات ہیں کہ نوعمری میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئی اور مدینہ بھیج دی گئی مدینہ پہنچ جانے کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تھا کہ گو یہ لڑکی ایک دنیاوی شاہ کی بیٹی ہے۔ پھر بھی اس کی عزت کی جائے اور ہمارے دو جہانوں کے سرکار کے نواسے امام حسینؓ کو یہ لڑکی پیش کی گئی اور ان کے عقد میں آئی۔ انہی کے بطن سے امام زین العابدینؒ پیدا ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اس محاذ کی کہانی یہاں تک پہنچتی ہے۔ دوسری کتاب میں جناب صدیق اکبرؓ اور جناب فاروقؓ دونوں کی خلافت کے زمانے کے شام کے محاذ کے حالات ہیں اور گو جناب فاروقؓ ہی کے زمانے میں تیسرا محاذ مصر اور افریقہ کا بھی کھل گیا تھا۔ لیکن اس کا ذکر تیسری کتاب میں ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ ہم اس سلسلہ کی پہلی کتاب کو ختم کرتے وقت اپنے ان تمام بزرگوں پر سلام بھیجتے ہیں، جن کا ذکر خیر اس کتاب میں ہے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی التجا کرتے ہیں۔

خلفائے راشدینؓ کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

(کتابِ اوّل)

فتوحاتِ عراق و ایران

اشاریہ

(الف)

(د)

(ذ)

(ع)

حضور پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب کے اکثر صفحے آپؐ کے کسی نہ کسی اسم سے مزین
ہیں اور تمام کتاب آپؐ ہی کے جمال و جلال کا مظہر ہے

تمت بالخیر